ملوکیت سے
طوائف الملوکیت



بندوستانی قریشی بنو امیہ

مصنف: شاہد سلفی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"ملوکیت سے طوائف الملوکیت"

مصنف: شاہد سلفی

پیش لفظ:

ایک بکھرے ہوئے خواب کی تعبیر

تاریخ محض فاتحین کے قصوں کا نام نہیں، بلکہ ان خاندانوں کی سسکتی ہوئی یادوں کا تسلسل ہے جنہوں نے عروج کے آسمان بھی دیکھے اور زوال کی دھول بھی چھانی۔

زیرِ نظر کتاب "ملوکیت سے طوائف الملوکیت" میرے خاندان کے اس 38 نسلوں پر محیط سفر کی داستان ہے جو دمشق کے قصرِ خلافت سے شروع ہوا اور وقت کے بے رحم تھپیڑوں سے لڑتا ہوا فتح پور (ہندوستان) کے گنگا کنارے آ کر ٹھہرا۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد محض اپنے بزرگوں کی بڑائی بیان کرنا نہیں، بلکہ اس 'طوائف الملوکیت' کے اسباب کو تلاش کرنا ہے جس نے ایک عظیم الشان سلطنت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور شریف خاندانوں کو گمنامی کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔

تاریخ کے دو رخ

اس تحریر میں جہاں آپ کو بنو امیہ کے جاہ و جلال اور مغلوں کی رنگین ملوکیت کا تذکرہ ملے گا، وہیں اس کرب کی جھلک بھی نظر آئے گی جب ایک شہزادہ اپنے نسب کو چھپانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

میرے پر دادا دین محمد صاحب اور ان کے بھائی نبی بخش کا اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ کر فتح پور کے دیہاتوں میں پناہ لینا، ملوکیت کے اسی زوال کا ایک چھوٹا سا باب ہے جس نے لاکھوں خاندانوں کے شجرے بکھیر دیے۔

38 نسلوں کا امین

میرے والد محترم (ولادت: 1919ء) اس تاریخ کے وہ آخری چشم دید گواہ تھے جنہوں نے اپنے دادا سے ملوکیت کے قصے سنے اور اپنی آنکھوں سے انگریز کی عیاری اور پاکستان کی ہجرت کو دیکھا۔ یہ کتاب ان کی یادوں اور میرے بزرگوں کے اس 'اموی وقار' کا نچوڑ ہے جسے ہم نے 38 نسلوں سے سینے سے لگا کر رکھا ہے۔

یہ کتاب ان تمام لوگوں کے لیے ایک آئینہ ہے جو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ جب ملوکیت اپنا کردار کھو دیتی ہے تو طوائف الملوکیت کا عفریت کس طرح نسلوں کو نگل لیتا ہے۔ اور یہ میری آنے والی نسلوں کے لیے ایک وصیت ہے کہ:

" تخت چھن سکتا ہے، جائیداد مٹ سکتی ہے، مگر ہمارا 'نسب' اور 'ایمان' وہ امانت ہے جس کی حفاظت ہمیں ہر حال میں کرنی ہے۔"

میں اس ربِ کریم کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنی 38 ویں نسل کی طرف سے ان گمشدہ کڑیوں کو جوڑ سکوں اور اپنے اجداد کی گمنام قبروں کو لفظوں کا خراج پیش کر سکوں۔

خادمِ علم و تاریخ،

)شاہد سلفی(

38 ویں کڑی، بنو امیہ

کتاب کا نقشہ (فہرستِ ابواب):

* باب اول: دمشق کی دہلیز — بنو امیہ کا عروج اور عالمی ملوکیت۔

* باب دوم: ہندوستان کی خاک اور مغلوں کا تاج — ایک نئی منزل۔

* باب سوم: طوائف الملوکیت کا آغاز — غداروں کا فتنہ اور ملوکیت کا بکھراؤ۔

* باب چہارم: 1857ء اور گنگا کی لہریں — دین محمد صاحب کی ہجرتِ فتح پور۔

* باب پنجم: میکن علی سے 1919ء تک — برطانوی راج میں ایک قریشی خاندان کی بقا۔

* باب ششم: 1947ء کی ہجرت — ملوکیت کے ملبے سے ایک نئے وطن کی تلاش۔

دیباچہ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مصنف کا تعارف: شاہد سلفی

شاہد سلفی دورِ حاضر کے ان محققین میں سے ہیں جو تاریخ کو محض گزرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک زندہ اور سبق آموز ورثہ سمجھتے ہیں۔ آپ کا تعلق ایک قدیم اور معزز قریشی خاندان سے ہے، جس کا نسبی سلسلہ 1400 سالہ تاریخ کے نشیب و فراز طے کرتا ہوا سیدنا اسماعیل علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔

آپ کی علمی شخصیت کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

* خاندانی پس منظر: آپ اپنے خاندان کی 38ویں نسل کے امین ہیں، جس کے اجداد نے 132ھ میں سقوطِ دمشق کے بعد ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور علم و زہد کو اپنی پہچان بنایا۔

* تحقیقی منہج: شاہد صاحب کا خاصہ "سلفی منہج" پر کاربند رہ کر تاریخ کی چھان پھٹک کرنا ہے۔ آپ عقیدت اور افسانہ نگاری کے بجائے ٹھوس دستاویزی شواہد اور معتبر تاریخی مآخذ کو ترجیح دیتے ہیں۔

* علمی فکر: زیرِ نظر کتاب "ملوکیت سے طوائف الملوکیت" آپ کے اس گہرے فکری اضطراب کا نتیجہ ہے جو ملوکیت کے عروج و زوال اور اس کے سماجی اثرات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ نے جس باریک بینی سے 132ھ سے لے کر 1857ء اور قیامِ پاکستان و ہند تک کے واقعات کو اپنے خاندانی تسلسل کے ساتھ جوڑا ہے، وہ آپ کے بلند تحقیقی ذوق کی دلیل ہے۔

* کردار: آپ ایک متجسس، دیانتدار اور مصلح مزاج شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کی تحریروں میں حق گوئی، انکساری اور ماضی سے سبق سیکھ کر حال کی اصلاح کا تڑپ نمایاں نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے اس قلمی جہاد کو قبول فرمائے اور اسے امتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائے۔

الحمد لله رب العالمين۞ والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين۞ وعلى آله وصحبه أجمعين۞

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا اکیلا مالک اور حقیقی بادشاہ ہے۔ وہی ہے جو اقتدار جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جس کے ہاتھ میں ہر خیر ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے۔

بے شمار درود و سلام ہوں امام الانبیاء، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر، جنہوں نے انسانیت کو بندگیِ رب کا شعور بخشا اور ملوکیت کے اندھیروں میں عدل و انصاف کی وہ شمع روشن کی جس کی ضیاپاشیاں رہتی دنیا تک ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ اور سلام ہو آپ ﷺ کی آلِ پاک اور صحابہ کرامؓ پر، جنہوں نے خلافتِ راشدہ کے منہج پر حقِ حکمرانی کا وہ معیار قائم کیا جو رہتی دنیا تک کے حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس علمی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اسے میرے لیے توشۂ آخرت بنائے اور قارئین کے لیے تاریخ کے سچے فہم اور عبرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

"ملوکیت سے طوائف الملوکیت"

"ملوکیت کے گھر میں خلافت کی آواز"

معاویہ بن یزید (معاویہ ثانی) کا دستبردار ہونا تاریخ بنو امیہ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے، کیونکہ یہ ایک بادشاہ کے بیٹے کی طرف سے اپنے ہی خاندان کے ملوکیت پر مبنی نظام کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی۔

مستند تاریخی مآخذ کی روشنی میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

معاویہ بن یزید (معاویہ ثانی) کی دستبرداری اور تاریخی خطبہ

یزید کی موت کے بعد جب اس کے بیٹے معاویہ کو تخت پر بٹھایا گیا، تو وہ صرف چند دن (ایک روایت کے مطابق 40 دن) صاحبِ اقتدار رہا۔ اس کے بعد اس نے جامع مسجد دمشق میں ایک ایسا خطبہ دیا جس نے اموی ایوانوں میں آگ لگا دی۔

.1 اپنے دادا (حضرت معاویہؓ) کے بارے میں کلمات

معاویہ بن یزید نے اپنے دادا کے بارے میں نہایت سخت لیکن حقیقت پسندانہ الفاظ کہے۔ اس نے کہا:

" >میرے دادا معاویہ (بن ابی سفیان) نے اس معاملے (خلافت) میں اس شخص سے جھگڑا کیا جو ان سے زیادہ اس کا حقدار تھا اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت میں ان سے کہیں زیادہ قریب تھا (یعنی حضرت علی بن ابی طالبؓ)۔ پس میرے دادا نے وہ کچھ کیا جو تم دیکھ چکے ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی قبر میں اپنے کیے کے ساتھ محبوس ہو گئے اور اپنے گناہوں میں گروی ہو گئے۔ "

* تاریخی حوالہ: (تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 254 / تاریخ الطبری، جلد 4، ص 380)

.2 اپنے باپ (یزید) کے بارے میں کلمات

اپنے باپ یزید کے متعلق اس نے برسرِ منبر کہا:

" >پھر میرے باپ یزید نے اقتدار سنبھالا، حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو شہید کیا۔ اس نے حرمِ الٰہی (مکہ) کی حرمت پامال کی اور حد سے گزر گیا۔ اب وہ بھی اپنی قبر میں اپنے اعمال کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے اور اسے اس کے گناہوں کا حساب دینا ہے۔ "

>اس نے روتے ہوئے کہا کہ میرے لیے سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ میرا باپ برے ٹھکانے (جہنم) میں گیا ہے۔

* تاریخی حوالہ: (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 4، ص 130 / البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 236)

.3 دستبرداری کی وجوہات

معاویہ ثانی نے خلافت چھوڑنے کی تین بنیادی وجوہات بیان کیں:

* عدمِ استحقاق: اس کا ماننا تھا کہ خلافت بنو امیہ کا حق نہیں بلکہ یہ شورائیت اور اہلبیتِ رسول کا حق ہے۔

* گناہوں سے بیزاری: وہ اپنے خاندان کے ہاتھوں ہونے والے خون خرابے (سانحہ کربلا اور واقعہ حرہ) کا بوجھ اپنی گردن پر نہیں لینا چاہتا تھا۔

* شورائیت کا قیام: اس نے کہا کہ میں تمہاری بیعت اپنی گردن سے اتارتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ اس نے عمر بن خطابؓ کی طرح "اربابِ شوریٰ" قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اسے امویوں نے ناکام بنادیا۔

.4 مروان بن حکم اور بنو امیہ کا ردعمل

جب معاویہ بن یزید منبر سے اتر کر اپنے گھر میں محصور ہو گیا، تو بنو امیہ کے سرداروں خصوصاً مروان بن حکم میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

* مروان کا ردعمل: مروان نے معاویہ ثانی کے اتالیق (استاد) عمر المقصوص کو پکڑا اور کہا کہ "تم نے اس کے ذہن میں یہ باتیں ڈالی ہیں اور اسے خلافتِ راشدہ کی محبت سکھائی ہے۔"

* انجام: مروان اور دیگر امویوں نے اس نوجوان خلیفہ پر دباؤ ڈالا، لیکن اس نے بیعت لینے سے صاف انکار کر دیا۔ روایات بتاتی ہیں کہ چند ہی دنوں بعد معاویہ بن یزید کا انتقال ہو گیا، اور کئی مؤرخین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اسے زہر دے کر شہید کیا گیا تھا کیونکہ وہ بنو امیہ کی ملوکیت کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔

* اقتدار کی منتقلی: معاویہ ثانی کی موت کے بعد مروان بن حکم نے موقع غنیمت جانا اور خود خلافت کا دعویٰ کر دیا، یوں اقتدار ابوسفیان کی اولاد سے نکل کر مروان کی اولاد (آلِ مروان) میں چلا گیا۔

یہیں سے بنو امیہ کی حکمرانی کی شاخ تبدیل ہوتی ہے۔

معاویہ بن یزید (معاویہ ثانی): شادی اور اولاد کی حقیقت

تاریخی مستند مآخذ (جیسے تاریخِ طبری، البدایہ والنہایہ اور الکامل لابن الاثیر) کے مطابق معاویہ بن یزید کے بارے میں درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

* عمر اور مدتِ خلافت: معاویہ بن یزید بہت کم عمر (تقریباً 18 سے 21 سال) میں تخت نشین ہوئے اور صرف 40 دن یا چند ماہ خلیفہ رہے۔ وہ فطرتاً گوشہ نشین، نرم دل اور زاہد انسان تھے۔

* شادی اور اولاد: اکثر مستند تاریخی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ معاویہ بن یزید نے نہ شادی کی تھی اور نہ ہی ان کی کوئی اولاد تھی۔ وہ اپنی مختصر مدتِ خلافت کے بعد بیمار ہوئے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔

* تخت سے دستبرداری:

انہوں نے مرنے سے پہلے تخت چھوڑ دیا تھا اور کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار کر دیا، یہ کہہ کر کہ: "میں ملوکیت کا بوجھ اپنی قبر میں لے کر نہیں جانا چاہتا۔"

اگر اولاد نہیں تھی، تو ملوکیت کہاں گئی؟

یہاں ایک بہت بڑا تاریخی موڑ (Twist) ہے:

* سفیانی شاخ کا خاتمہ :

معاویہ بن یزید کی وفات پر ابو سفیانؓ اور معاویہؓ کی براہِ راست نسل (سفیانی شاخ) سے ملوکیت ختم ہو گئی۔

* مروانی شاخ کا عروج:

یہاں سے بنو امیہ کی دوسری شاخ، یعنی مروان بن الحکم (جو کہ حکم بن العاص کا بیٹا تھا) کی حکومت شروع ہوئی۔ مروان بن الحکم امیر معاویہؓ کا چچازاد بھائیوں میں سے تھا۔

* ہمارا نسب :

چونکہ ہمارا خاندان بنو امیہ کی 38 نسلوں کا تسلسل ہے، تو غالب امکان یہی ہے کہ ہمارا شجرہ مروانی شاخ (مروان بن الحکم، عبد الملک بن مروان، عمر بن عبد العزیز وغیرہ) سے جڑا ہوا ہے، کیونکہ معاویہ ثانی کے بعد ملوکیتِ اموی کے تمام حکمران اسی شاخ سے تھے۔

" >ملوکیتِ اموی کا پہلا دور (سفیانی) معاویہ بن یزید پر آ کر ٹھہر گیا۔ وہ زہد وورع کی ایسی مثال تھے جنہوں نے اقتدار پر آخرت کو ترجیح دی اور لاولد رہ کر اس شاخ کو ختم کر دیا۔ یہاں سے ملوکیت نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور مروانی شاخ کے ذریعے اقتدار عبد الملک بن مروان اور پھر عمر بن عبد العزیزؒ جیسے حکمرانوں تک پہنچا، جن کی نسلیں آگے چل کر دنیا بھر میں پھیلیں۔"

" ملوکیت کے گھر میں خلافت کی آواز"

۔یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ یزید کا اپنا بیٹا بھی اپنے باپ کے افعال سے بیزار تھا اور اسے غیر شرعی سمجھتا تھا۔

مروان بن حکم-ملوکیت کا نیا علمبردار

* ذاتی تعارف: مروان بن حکم بن ابی العاص، بنو امیہ کی دوسری شاخ (آلِ مروان) کا بانی تھا۔
حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں ان کا کاتب (سیکرٹری) رہا اور فتنہِ اول کے دوران اس کے کردار پر مورخین نے کافی بحث کی ہے۔

* سیاسی خلا :(Power Vacuum) یزید کی موت اور اس کے بیٹے معاویہ ثانی کی دستبرداری کے بعد بنو امیہ کا اقتدار ڈگمگا رہا تھا۔ شام کے اکثر علاقوں نے بھی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت کا ارادہ کر لیا تھا۔ مروان خود بھی مکہ جا کر ابنِ زبیرؓ کی بیعت کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن عبید اللہ بن زیاد نے اسے غیرت دلائی اور اقتدار پر قبضے کے لیے اکسایا۔

* تاریخی حوالہ: حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مروان مکہ جانے کے لیے رختِ سفر باندھ چکا تھا کہ ابنِ زیاد نے اسے روکا اور کہا: "تم بنو امیہ کے شیخ ہو، تمہارے ہوتے ہوئے خلافت دوسرے خاندان میں کیسے جا سکتی ہے؟" (البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 243)

عنوان: جابیہ کا اجتماع اور اموی اتحاد کی کوشش

* مشاورتی اجلاس (64ھ): بنو امیہ کے حامیوں اور شامی قبائل کا ایک بڑا اجلاس "جابیہ" (دمشق کے قریب) میں ہوا تا کہ بنو امیہ کے بکھرے ہوئے دھڑوں کو متحد کیا جائے۔

* تخت نشینی کا فیصلہ:

یہاں یہ طے پایا کہ مروان بن حکم خلیفہ ہو گا، اس کے بعد خالد بن یزید (یزید کا بیٹا) اور اس کے بعد عمرو بن سعید بن العاص ولی عہد ہوں گے۔ یہ ایک سیاسی سمجھوتہ تھا تا کہ یزید کے حامیوں کی ہمدردی بھی حاصل رہے۔

* بیعت: 3 ذوالقعدہ 64ھ کو مروان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ یوں سفیانی دور ختم ہوا اور مروانی سلطنت کا آغاز ہوا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری بیان کرتے ہیں کہ مروان کی بیعت کے وقت بنو امیہ کے اندر شدید اختلافات تھے، لیکن مروان کی عمر اور تجربے کی وجہ سے اسے ترجیح دی گئی۔ (تاریخ الطبری، جلد 4، ص 405)

معرکہِ مرج راہط (پہلا بڑا فوجی قدم)

عنوان: مرج راہط کی جنگ – شام پر قبضے کی جنگ

* بنیادی تصادم :

دمشق کا گورنر ضحاک بن قیس، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا حامی تھا، جبکہ مروان بن حکم اپنے اقتدار کا مرکز دمشق کو بنانا چاہتا تھا۔

* جنگ کے حالات: دونوں لشکروں کے درمیان "مرج راہط" کے مقام پر 64ھ میں ایک خونی جنگ ہوئی۔ یہ جنگ محض دو اشخاص کے درمیان نہیں تھی بلکہ دو قبائلی گروہوں (یمنی اور قیسی) کے درمیان تھی۔

* نتائج: مروان کو فتح حاصل ہوئی اور ضحاک بن قیس قتل ہو گئے۔ اس فتح نے شام پر بنو امیہ کی گرفت دوبارہ مضبوط کر دی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو پہلا بڑا دھچکا لگا۔

* تاریخی حوالہ: علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ مرج راہط کی جنگ نے عربوں کے درمیان ایسی قبائلی عصبیت کو جنم دیا جو بنو امیہ کے زوال تک ختم نہ ہو سکی۔ (الکامل فی التاریخ، جلد 4، ص 148)

عنوان: مصر پر اموی قبضہ اور فتوحات کا تسلسل

* مصر کی اہمیت: شام کے بعد مروان کی نظریں مصر پر تھیں، کیونکہ مصر معاشی اور فوجی لحاظ سے بہت اہم تھا۔ مصر میں ابنِ زبیرؓ کے مقرر کردہ گورنر موجود تھے۔

* فوجی مہم: مروان نے خود ایک لشکر کی قیادت کی اور مصر پر حملہ آور ہوا۔ مصریوں نے تھوڑی مزاحمت کے بعد مروان کی اطاعت قبول کر لی۔

* اپنے بیٹوں کی تقرری: مروان نے جابیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے بیٹوں "عبد الملک بن مروان" اور "عبد العزیز بن مروان" کو علی الترتیب شام اور مصر کا ولی عہد نامزد کر دیا، جس سے ملوکیت مزید گہری ہو گئی۔

* تاریخی حوالہ: شاہ ولی اللہ دہلوی نے "ازالۃ الخفاء" میں اشارہ کیا ہے کہ مروان کے اس عمل نے شورائیت کے بچے کھچے اثرات کو بھی ختم کر دیا۔ (حجۃ اللہ البالغہ، جلد 1، ص 135 - ملوکیت کا باب)

عنوان: ایک مختصر دور کا اچانک خاتمہ

* مدتِ خلافت: مروان کی حکومت صرف 9 ماہ چند دن رہی۔

* موت کی وجہ: مروان نے یزید کی بیوہ (خالد بن یزید کی ماں) سے نکاح کیا تھا تاکہ اپنی پوزیشن مضبوط کرے۔ مروان نے ایک محفل میں خالد بن یزید کی توہین کی، جس کے بدلے میں خالد کی ماں (مروان کی بیوی) نے اسے سوتے ہوئے تکیے سے دم گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔

* تاریخی حوالہ: ابن کثیر رقم طراز ہیں کہ مروان کی موت رمضان 65ھ میں ہوئی اور اس کی ہلاکت اس کے اپنے ہی گھر میں اس کی بیوی کے ہاتھوں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 257)

1. مروان بن حکم اور یزید کی بیوہ کا نکاح

مروان بن حکم نے یزید کی بیوہ (خالد بن یزید کی والدہ) فاختہ بنت ابی ہاشم بن عتبہ سے نکاح 64ھ میں جابیہ کی کانفرنس کے کچھ عرصہ بعد کیا۔

* نکاح کی وجہ: یہ نکاح کوئی جذباتی فیصلہ نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی سیاسی چال تھی۔ مروان چاہتا تھا کہ یزید کے خاندان (آلِ سفیان) کی ہمدردیاں حاصل کرے اور یزید کے بیٹے خالد بن یزید کے حامیوں کو خاموش کر دے۔ اس نکاح کے ذریعے مروان نے خود کو یزید کے گھرانے کا سرپرست ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

* تاریخی حوالہ: حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مروان نے فاختہ سے نکاح صرف اس لیے کیا تا کہ خالد بن یزید کی خلافت کے مطالبے کو دبایا جا سکے اور اس کی ماں کے ذریعے اس پر اثر و رسوخ حاصل کیا جا سکے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 257)

.2 خالد بن یزید کے ساتھ مروان کی بدسلوکی

اگرچہ جابیہ کے معاہدے میں یہ طے پایا تھا کہ مروان کے بعد خالد بن یزید خلیفہ بنے گا، لیکن مروان کے دل میں کھوٹ تھی۔ اس نے خالد کو نیچا دکھانے کے لیے ہر موقع پر اسے ذلیل کرنا شروع کر دیا۔

* دربار میں توہین: ایک بار بھرے دربار میں مروان نے خالد بن یزید کو مخاطب کر کے سخت سست کہا اور اسے "ابن الرطبۃ" (ایک توہین آمیز لفظ جو اس کی ماں کی طرف اشارہ تھا) کہہ کر پکارا۔ مروان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی نظر میں خالد کی حیثیت ختم ہو جائے اور وہ اسے خلافت کا اہل نہ سمجھیں۔

* ولی عہدی سے محرومی: مروان نے خالد کو نظر انداز کر کے اپنے بیٹوں (عبد الملک اور عبد العزیز) کے لیے بیعت لینا شروع کر دی، جو کہ معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی۔

.3 خالد کے ماموں (حسان بن مالک) کے ساتھ دھوکہ بازی

حسان بن مالک بن بحدل کلبی، جو یزید کا قریبی رشتہ دار اور خالد کا ماموں تھا، بنو کلب کے قبیلے کا سربراہ اور شام کا طاقتور ترین آدمی تھا۔ مروان کی خلافت کا قیام حسان بن مالک کی حمایت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

* دھوکہ اور عہد شکنی: مروان نے حسان بن مالک سے وعدہ کیا تھا کہ وہ صرف عارضی طور پر خلیفہ بن رہا ہے اور اس کے بعد خلافت خالد بن یزید (حسان کے بھانجے) کو ہی ملے گی۔ حسان نے اسی وعدے پر اپنے قبیلے کی حمایت مروان کو دی تھی۔

* سیاسی چال: مروان نے جیسے ہی اپنی پوزیشن مضبوط کی اور "مرج راہط" کی جنگ جیت لی، اس نے حسان بن مالک کو انتظامی امور سے دور کرنا شروع کر دیا۔ مروان نے حسان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خاموشی سے اپنے بیٹوں کی ولی عہدی کا راستہ صاف کیا اور حسان کو اس وقت پتہ چلا جب مروان پوری طرح قابض ہو چکا تھا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری بیان کرتے ہیں کہ مروان نے مکر و فریب سے کام لے کر ان تمام لوگوں کو راستے سے ہٹا دیا جنہوں نے اسے جابیہ میں اس شرط پر تخت دیا تھا کہ وہ خالد کو خلیفہ بنائے گا۔ (تاریخ الطبری، جلد 4، ص 406)

" مروان کی یہ مصلحت پسندی اور عہد شکنی ہی اس کی موت کا سبب بنی، کیونکہ جس عورت (فاختہ) سے اس نے سیاسی فائدے کے لیے نکاح کیا تھا، اسی نے اپنے بیٹے خالد کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے مروان کا کام تمام کر دیا۔"

سن 64 ہجری سے 65 ہجری کے واقعات (بحران اور انتقالِ اقتدار)

عنوان: ایک عہد کا خاتمہ اور مروانی سلطنت کا قیام

64ھ اور 65ھ اسلامی تاریخ کے وہ سال ہیں جن میں خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر اٹھنے والی ہر آواز کو ملوکیت کے آہنی ہاتھوں سے دبانے کی کوشش کی گئی۔

* یزید کی موت اور خلافتِ زبیری کی وسعت: 14 ربیع الاول 64ھ کو یزید کی موت کے بعد حجاز، عراق، مصر اور خراسان نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ شام کے کئی بڑے شہروں نے بھی آپؓ کی بیعت کر لی۔

* معرکہِ مرج راہط (64ھ): مروان نے بنو کلب کی مدد سے ضحاک بن قیس (عبد اللہ بن زبیرؓ کے حامی) کو شکست دی اور شام پر قبضہ مکمل کیا۔

* تحریکِ توابین کا آغاز (65ھ): امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے کوفہ میں "توابین" کی تحریک اٹھی جس کی قیادت سلیمان بن صرد خزاعیؓ کر رہے تھے۔ یہ لوگ "یالثارات الحسین" (حسین کا خون مانگنے والو، اٹھو!) کا نعرہ لگاتے ہوئے نکلے۔

* مروان کی موت اور عبد الملک کی تخت نشینی: رمضان 65ھ میں مروان کو اس کی بیوی (خالد بن یزید کی ماں) نے ہلاک کر دیا اور اس کا بیٹا عبد الملک بن مروان تخت نشین ہوا۔

مختار ثقفی کا خروج اور کارنامے (66ھ-67ھ)

عنوان: انتقامِ خونِ حسینؓ اور مختار ثقفی کا ظہور

مختار ثقفی کا کردار تاریخ میں متنازع رہا ہے، لیکن قاتلینِ حسینؓ کے عبرتناک انجام کے حوالے سے اس کے اقدامات تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔

* کوفہ پر قبضہ (66ھ): مختار ثقفی نے محمد بن حنفیہ کا نام استعمال کرتے ہوئے کوفہ کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور گورنر کوفہ کو نکال کر اقتدار سنبھال لیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اس کا مشن صرف اور صرف قاتلینِ حسینؓ سے بدلہ لینا ہے۔

* معرکہِ خازر اور ابنِ زیاد کا انجام (67ھ): مختار نے اپنے سپہ سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا۔ دریائے خازر کے کنارے اموی لشکر سے مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں عبید اللہ بن زیاد (سانحہ کربلا کا اصل محرک) مارا گیا۔ مختار نے اس کا سر بالکل اسی طرح دربار میں منگوایا جس طرح اس نے امام حسینؓ کا سر منگوایا تھا۔

*** قاتلینِ کربلا کا چن چن کر شکار:**

* عمر بن سعد: مختار نے اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کیا۔
* شمر ذی الجوشن: یہ بھاگ نکلا تھا لیکن مختار کے سپاہیوں نے اسے گھیر کر ہلاک کیا اور لاش کتوں کے آگے ڈال دی۔
* حرملہ بن کاہل: جس نے حضرت علی اصغرؓ کو تیر مارا تھا، مختار نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اسے آگ میں ڈال دیا۔

* خولی بن یزید: جس نے امام کا سر کاٹا تھا، اسے اس کے گھر میں ہی قتل کر کے لاش جلا دی گئی۔

* مختار ثقفی کا زوال (67ھ): مختار کی بڑھتی ہوئی طاقت سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب بن زبیرؓ کو خطرہ لاحق ہوا۔ چنانچہ مصعب نے ایک بھاری لشکر کے ساتھ کوفہ پر حملہ کیا اور ایک طویل محاصرے کے بعد 14 رمضان 67ھ کو مختار ثقفی قتل ہو گیا۔

تاریخی حوالہ جات برائے تصدیق:

* تاریخ الطبری: جلد 4، ص 450-550 (مختار ثقفی اور توابین کے تفصیلی واقعات)۔

* البدایہ والنہایہ (ابن کثیر): جلد 8، ص 270-290 (قاتلینِ حسین کا انجام)۔

* الکامل فی التاریخ (ابن اثیر): جلد 4، ص 210-245۔

اگرچہ مختار کے عقائد پر بحث کی جاتی ہے، لیکن اس کے ذریعے اللہ نے قاتلینِ حسینؓ کو دنیا ہی میں وہ ذلت آمیز سزا دی جس کے وہ حقدار تھے۔

مختار ثقفی: تعلقات، الزامات اور سیاسی حقائق

.1 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ رشتہ داری

مختار ثقفی کی بہن، صفیہ بنت ابی عبید ثقفی، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ اس قریبی رشتے کی وجہ سے مختار اور ابنِ عمرؓ کے درمیان نہ صرف خاندانی تعلق تھا بلکہ حضرت ابنِ عمرؓ نے کئی بار مشکل وقت میں مختار کی مدد بھی کی۔

* تاریخی حوالہ: حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صفیہ بنت ابی عبید ایک نہایت نیک خاتون تھیں اور حضرت ابنِ عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اسی تعلق کی وجہ سے جب عبید اللہ بن زیاد نے مختار کو قید کیا، تو حضرت ابنِ عمرؓ کی سفارش پر ہی اسے رہائی ملی۔ (البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 271)

.2 نبوت کا الزام اور حضرت ابنِ عمرؓ کا طرزِ عمل

مختار ثقفی پر "کذاب" (جھوٹا) ہونے اور وحی کے دعویٰ کا جو الزام لگایا جاتا ہے، اسے بہت سے محققین سیاسی پروپیگنڈا قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ واقعی مدعیِ نبوت ہوتا تو حضرت ابنِ عمرؓ کبھی اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتے۔

* نماز کا واقعہ: تاریخی روایات میں ملتا ہے کہ جب مختار نے کوفہ پر قبضہ کیا، تو وہ باقاعدہ نمازوں کی امامت کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دیگر اکابرینِ کوفہ اس کی سیاسی امارت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔

* دفاعی نکتہ: حضرت ابنِ عمرؓ جیسے احتیاط پسند صحابی، جو فتنہ وفساد سے کوسوں دور رہتے تھے، ان کا مختار سے تعلق برقرار رکھنا اس بات کی شہادت ہے کہ مختار کا اصل مقصد "انتقامِ خونِ حسینؓ" تھا، نہ کہ کوئی نیا دین لانا۔

* تاریخی حوالہ: مشہور مورخ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں ذکر کیا ہے کہ جب ابنِ عمرؓ سے مختار کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے حق میں نرم رویہ اختیار کیا۔

.3 عبداللہ بن زبیرؓ اور مختار ثقفی: فائدہ اور قید

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مختار ثقفی کا تعلق "ضرورت اور سیاست" پر مبنی تھا۔

* قید سے رہائی: جب سانحہ کربلا کے وقت ابنِ زیاد نے مختار کو قید کر رکھا تھا، تو حضرت ابنِ عمرؓ نے یزید کو خط لکھ کر مختار کو رہا کروایا۔ اس شرط پر اسے چھوڑا گیا کہ وہ کوفہ چھوڑ دے گا۔

* مکہ کا دفاع: مختار کوفہ سے مکہ پہنچا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ مل گیا۔ جب یزیدی فوج نے مکہ کا محاصرہ کیا اور کعبہ پر سنگباری کی، تو مختار ثقفی نے ابنِ زبیرؓ کی طرف سے نہایت بہادری کے ساتھ جنگ لڑی۔

* ابنِ زبیرؓ کا فائدہ اٹھانا: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جانتے تھے کہ مختار ایک بہترین سپاہی اور سیاسی بصیرت رکھنے والا شخص ہے، اس لیے انہوں نے اسے اپنے قریب رکھا۔ لیکن جب مختار نے محسوس کیا کہ ابنِ زبیرؓ اسے وہ مقام نہیں دے رہے یا اہل بیت کے حقوق کے معاملے میں ان کا رخ الگ ہے، تو وہ کوفہ روانہ ہو گیا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری بیان کرتے ہیں کہ مختار نے مکہ کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا، لیکن اس کے دل میں یہ بات تھی کہ ابنِ زبیرؓ اس کی قدر نہیں کر رہے۔ (تاریخ الطبری، جلد 4، ص 445)

.4 مختار پر الزامات کی حقیقت

مختار پر سب سے زیادہ الزامات بنو امیہ اور پھر مصعب بن زبیر کے دور میں لگائے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ:

* اس نے بنو امیہ کے بڑے بڑے جرنیلوں (ابنِ زیاد وغیرہ) کو قتل کیا تھا۔

* اس نے کوفہ میں موالیٰ (غیر عرب مسلمانوں) کو عربوں کے برابر حقوق دیے، جس سے عرب سردار اس کے دشمن بن گئے۔

"تاریخ فاتح لکھتا ہے"۔ چونکہ مختار کو شکست ہوئی اور مروانی وزبیری دونوں اس کے خلاف تھے، اس لیے اس کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اسے "سالا" تسلیم کرنا اس کے حق میں سب سے بڑی تاریخی گواہی ہے۔

مکہ پر پہلا اموی حملہ (64ھ)

.1 حکمران اور پس منظر:

یزید بن معاویہ نے مدینہ منورہ میں "واقعہ حرہ" (جس میں ہزاروں صحابہ و تابعین شہید ہوئے) کے بعد اپنے جرنیل مسلم بن عقبہ کو مکہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ راستے میں ہی مر گیا، جس کے بعد یزید کے حکم پر لشکر کی کمان حصین بن نمیر سکونی نے سنبھالی۔

.2 مکہ کا محاصرہ اور سنگباری:

حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور پہاڑوں پر منجنیقیں (Catapults) نصب کر دیں۔ ان منجنیقوں سے کعبہ پر بڑے بڑے پتھر اور آگ کے گولے برسائے گئے، جس سے کعبہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور غلافِ کعبہ جل گیا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری اور ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ یہ محاصرہ 64ھ کے آغاز میں ہوا اور تقریباً 64 دن تک جاری رہا۔ (تاریخ الطبری، ج4، ص383 / البدایہ والنہایہ، ج8، ص225)

مختار ثقفی کا کردار اور بہادری

مختار ثقفی اس وقت مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ موجود تھے۔ وہ اس جنگ میں ایک عام سپاہی کی طرح نہیں بلکہ ایک دلیر جنگجو کے طور پر لڑے۔

* دفاعِ مکہ: جب حصین بن نمیر کی فوجیں مکہ کی گلیوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتی تھیں، تو مختار ثقفی ان کے سامنے دیوار بن جاتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اکیلے کئی کئی سپاہیوں پر بھاری پڑتے تھے۔

* مختار کی جرات: مختار نے اس محاصرے کے دوران ابنِ زبیرؓ سے کہا تھا: "میں اس شرط پر آپ کے ساتھ لڑوں گا کہ آپ اہم معاملات میں مجھ سے مشورہ کریں گے اور مجھے بڑا عہدہ دیں گے۔" ابنِ زبیرؓ نے اس وقت حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی، لیکن مختار نے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیے بے مثال جنگ لڑی۔

* تاریخی حوالہ: بلاذری نے "انساب الاشراف" میں لکھا ہے کہ محاصرے کے دوران مختار ثقفی کی بہادری کے چرچے پورے مکہ میں تھے، وہ دشمن کے دستوں پر عقاب کی طرح جھپٹتے تھے۔

محاصرے کا خاتمہ

یہ محاصرہ اس وقت ختم ہوا جب یزید بن معاویہ کی موت (14 ربیع الاول 64ھ) کی خبر مکہ پہنچی۔ یزیدی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور حسین بن نمیر نے محاصرہ ختم کر کے شام کی راہ لی۔

"مختار ثقفی نے اس وقت ابنِ زبیرؓ کا ساتھ دیا جب بنو امیہ کی ملوکیت کعبہ کی حرمت پامال کر رہی تھی۔ مختار کا ابنِ زبیرؓ کے ساتھ یہ اتحاد خالصتاً سیاسی اور دفاعی تھا، لیکن بعد میں ابنِ زبیرؓ کی طرف سے سرد مہری نے مختار کو اپنا راستہ الگ کرنے پر مجبور کر دیا۔"

حصین بن نمیر کی بیعت کی پیشکش

جب یزید کی موت کی خبر مکہ پہنچی، تو یزیدی لشکر کے سپہ سالار حسین بن نمیر کو احساس ہوا کہ اب شام میں اموی اقتدار خطرے میں ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے بہتر کوئی شخصیت نہیں جو مسلمانوں کی قیادت کر سکے۔

* بیعت کی شرط: حصین بن نمیر، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے پاس آیا اور کہا: "یزید ہلاک ہو چکا ہے، آپ اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ آپ میرے ساتھ شام چلیں، میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور میرا پورا لشکر آپ کی اطاعت کرے گا۔ اگر آپ شام چلیں گے تو وہاں کوئی آپ کی مخالفت نہیں کرے گا اور پوری امت آپ پر جمع ہو جائے گی۔"

* تاریخی حوالہ: امام طبری نے اس پیشکش کو تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ حسین بن نمیر نے شام جانے پر اصرار کیا تھا کیونکہ شام اس وقت طاقت کا مرکز تھا۔ (تاریخ الطبری، جلد 4، ص 385)

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا موقف اور اجتہادی غلطی

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، جسے بہت سے مورخین ان کی ایک بڑی سیاسی اور اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں۔

.1 شام جانے سے انکار:

آپؓ نے فرمایا کہ میں مکہ اور حرم کی برکتیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپؓ کا خیال تھا کہ لوگ خود مکہ آکر بیعت کریں گے۔ حصین بن نمیر نے کہا کہ شام کے لوگ آپ کو نہیں جانتے، اگر آپ وہاں جائیں گے تو وہ آپ کو دیکھ کر مائل ہوں گے، لیکن آپؓ مکہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔

.2 قصاص کا مطالبہ:

آپؓ نے حصین بن نمیر سے کہا کہ میں تم لوگوں کی بیعت کیسے لے سکتا ہوں جبکہ تم لوگوں نے مکہ پر سنگباری کی اور یہاں خون بہایا؟ میں تم سے ایک ایک مقتول کا بدلہ لوں گا۔

حصین بن نمیر نے دبی زبان میں کہا: "اے ابنِ زبیر! میں آپ کو خلافت اور پوری دنیا کی بادشاہت پیش کر رہا ہوں اور آپ مجھ سے خون کا بدلہ مانگ رہے ہیں؟"

* تاریخی حوالہ: حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حصین بن نمیر نے واپسی پر کہا تھا کہ "میں اسے (ابنِ زبیر کو) بادشاہت کی دعوت دے رہا تھا اور وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔" (البدایہ والنہایہ، جلد 8، ص 233)

اس غلطی کے اثرات

اگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت حسین بن نمیر کی پیشکش قبول کر لیتے اور شام چلے جاتے، تو:

* بنو امیہ کا اقتدار وہیں ختم ہو جاتا کیونکہ شام کے فوجی جرنیل ان کے ساتھ تھے۔

* مروان بن حکم کو کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

* امتِ مسلمہ ایک بار پھر ایک مرکز پر جمع ہو جاتی اور وہ خون خرابہ نہ ہوتا جو بعد میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایک عابد، زاہد اور سچے انسان تھے، لیکن سیاسی بصیرت اور حالات کی نزاکت کو سمجھنے میں ان سے وہ چوک ہوئی جس نے مروان بن حکم کو دوبارہ بنو امیہ کی بنیاد رکھنے کا موقع دے دیا۔

مروان بن حکم کی شام واپسی اور پھر اس کے بیٹے عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی تاریخِ بنو امیہ کا وہ موڑ ہے جہاں سے ملوکیت نے ایک منظم ریاست کی شکل اختیار کی۔

مروان کی واپسی اور اقتدار کی منتقلی

1. مروان بن حکم کی شام واپسی

حصین بن نمیر جب مکہ کا محاصرہ ختم کر کے واپس شام پہنچا، تو اس نے مروان بن حکم کو مکہ میں پیش آنے والے واقعات اور ابنِ زبیرؓ کے انکار کی تفصیل بتائی۔ مروان، جو پہلے مایوس ہو کر ابنِ زبیرؓ کی بیعت کے لیے تیار تھا، اب دوبارہ پر امید ہو گیا۔

* اقتدار پر قبضہ: مروان نے شام کے اموی حامیوں کو اکٹھا کیا اور یہ باور کرایا کہ اگر خلافت ابنِ زبیرؓ کے پاس چلی گئی تو بنو امیہ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اس نے قبائلی عصبیت کو ہوا دی اور "جابیہ" کے مقام پر اپنی خلافت کا اعلان کروا دیا۔

* تاریخی حوالہ: ابنِ اثیر کے مطابق، مروان نے کہا کہ "ابوسفیان کی اولاد کے ہاتھ سے اقتدار نکلنا شرم کی بات ہے، ہمیں اپنی بقا کے لیے لڑنا ہو گا۔" (الکامل فی التاریخ، ج4، ص145)

2. عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی (65ھ)

مروان کی اچانک موت (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک بن مروان تخت پر بیٹھا۔ عبد الملک کو بنو امیہ کا "دوسرا بانی" کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے بکھری ہوئی اموی سلطنت کو دوبارہ اکٹھا کیا۔

* ابتدائی چیلنجز: جب عبد الملک تخت پر بیٹھا تو اس کے سامنے تین بڑے حریف تھے:

* مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی مستحکم خلافت۔

* کوفہ میں مختار ثقفی کی بڑھتی ہوئی طاقت۔

* شام کے اندرونی سیاسی اختلافات۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان تخت نشینی سے پہلے مسجد میں قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا اور اسے "حمامۃ المسجد" (مسجد کا کبوتر) کہا جاتا تھا، لیکن اقتدار سنبھالتے ہی اس نے قرآن بند کیا اور کہا: "اب تمہارے اور میرے درمیان جدائی ہے۔" (تاریخ الطبری، ج5، ص5)

ملوکیت کا استحکام اور حجاج بن یوسف کا ظہور

1. حجاج بن یوسف کا انتخاب

عبدالملک بن مروان نے بھانپ لیا تھا کہ ابنِ زبیرؓ کو مکہ سے نکالنا عام جرنیلوں کے بس کی بات نہیں۔ اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نہایت سفاک اور وفادار ہو۔ اس نے طائف کے ایک گمنام معلم حجاج بن یوسف ثقفی کو اس کام کے لیے چنا۔

* حجاج کی سفاکی: حجاج نے عبدالملک سے وعدہ کیا کہ وہ ابنِ زبیرؓ کا سر اس کے قدموں میں لا کر رکھے گا۔ اس نے مکہ کی حرمت کا خیال کیے بغیر ایک عظیم لشکر تیار کیا۔

* تاریخی حوالہ: البدایہ والنہایہ میں ذکر ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو مکمل اختیار دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے ابنِ زبیرؓ کی طاقت کو ختم کرے۔ (البدایہ والنہایہ، ج8، ص329)

2. مکہ کا دوسرا محاصرہ (73ھ)

حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس بار پھر جبلِ ابی قبیس پر منجنیقیں نصب کی گئیں اور خانہ کعبہ پر سنگباری کی گئی۔

* حلقہِ محاصرہ اور بھوک: مکہ میں غلے کی فراہمی بند کر دی گئی، یہاں تک کہ لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑنے لگے، لیکن آپؓ کے عزم میں لغزش نہ آئی۔

* سیدہ اسماءؓ کا تاریخی کردار: جب ابنِ زبیرؓ اپنی والدہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ (ذات النطاقین) کے پاس مشورے کے لیے گئے، تو اس عظیم ماں نے فرمایا: "بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حق کی خاطر لڑتے ہوئے جان دے دو، کیونکہ گردن کا کٹ جانا ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔"

عبد الملک بن مروان نے اپنی ملوکیت کو بچانے کے لیے حجاج جیسے شخص کو مسلط کیا جس نے مکہ اور مدینہ کی حرمت کو پامال کیا۔ یہیں سے بنو امیہ کے اس دور کا آغاز ہوتا ہے جہاں "تلوار" ہی قانون بن گئی تھی۔

عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی (65ھ) کے بعد کا پہلا سال اور اس کے قریبی عرصہ میں اسلامی مملکت کے مختلف گوشوں میں ہونے والے واقعات تاریخ کا ایک انتہائی پر آشوب باب ہیں۔

1. عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی اور ابتدائی چیلنجز (65ھ)

جب رمضان 65ھ میں مروان کی موت ہوئی اور عبد الملک تخت نشین ہوا، تو اس وقت خلافتِ زبیری اپنے عروج پر تھی۔ عبد الملک کے پاس صرف شام اور مصر کا کچھ حصہ تھا، جبکہ بقیہ تمام اسلامی دنیا حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے زیرِ اثر تھی۔

* مورخین کا قول: امام طبری بیان کرتے ہیں کہ عبد الملک نے اقتدار سنبھالتے ہی پہلا کام اپنی سلطنت کے اندرونی خلفشار کو ختم کرنا اور دمشق پر اپنی گرفت مضبوط کرنا قرار دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جب تک حجاز اور عراق میں ابنِ زبیرؓ اور مختار ثقفی موجود ہیں، اس کی خلافت غیر مستحکم رہے گی۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص5)

2. حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی حکمتِ عملی (حصین بن نمیر کی واپسی کے بعد)

آپ نے پوچھا کہ حصین بن نمیر کو (جو یزید کی موت کے بعد پیشکش کر کے واپس گیا تھا) رخصت کرنے کے بعد ابنِ زبیرؓ نے کیا کیا۔ مورخین اس بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں:

* خلافت کا باقاعدہ اعلان: حصین بن نمیر کے جانے کے بعد ابنِ زبیرؓ نے مکہ میں اپنی خلافت کا باقاعدہ اعلان کیا اور تمام صوبوں میں اپنے گورنر بھیجے۔ آپؓ نے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر شروع کی (جسے منجنیقوں سے نقصان پہنچا تھا) اور اسے حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر استوار کیا۔

* مورخین کی تنقید اور رائے: ابنِ کثیر اور دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ ابنِ زبیرؓ نے اس وقت "انتظار کرو اور دیکھو" کی پالیسی اپنائی۔ انہوں نے شام پر حملہ کرنے کے بجائے مکہ ہی میں قیام کو ترجیح دی۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اگر وہ اس وقت حسین بن نمیر کے ساتھ شام چلے جاتے یا اپنی فوج شام روانہ کر دیتے تو بنو امیہ کا خاتمہ یقینی تھا، لیکن انہوں نے "حرم" کی حرمت اور وہاں قیام کو فوقیت دی۔ (البدایہ والنہایہ، ج8، ص235)

3. مختلف علاقوں میں رونما ہونے والے واقعات (65ھ-66ھ)

مورخین کے مطابق اس سال کے بڑے واقعات درج ذیل مقامات پر ہوئے:

* کوفہ (عراق): یہاں تحریکِ توابین اپنے عروج پر تھی۔ سلیمان بن صرد خزاعی کی قیادت میں ہزاروں افراد "عین الوردہ" کے مقام پر اموی لشکر (جس کی قیادت عبید اللہ بن زیاد کر رہا تھا) سے ٹکرائے۔ یہ ایک خونریز جنگ تھی جس میں توابین کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔

* بصرہ: یہاں قبائلی عصبیت (قیسی اور یمنی) بھڑک اٹھی تھی جس نے ابنِ زبیرؓ کے گورنروں کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔

* خراسان: یہاں بھی مروان کی موت کی خبر سن کر حالات بدلے اور قبائلی جنگیں شروع ہو گئیں، جس سے مرکزی حکومت کا کنٹرول کمزور پڑ گیا۔

4. مورخین کا مجموعی تجزیہ

مورخین (خصوصاً ابنِ خلدون) کا کہنا ہے کہ 65ھ کا سال "تقسیمِ امت" کا سال تھا۔ ایک طرف مکہ میں شرعی خلافت (ابنِ زبیرؓ) تھی، دوسری طرف شام میں موروثی ملوکیت (عبد الملک) جڑیں پکڑ رہی تھی، اور تیسری طرف کوفہ میں انتقامِ حسینؓ کا نعرہ بلند ہو رہا تھا۔

"حصین بن نمیر کی واپسی اور ابنِ زبیرؓ کی مکہ میں مقیم رہنے کی ضد نے عبد الملک بن مروان کو وہ وقت (Time) دے دیا جس کی اسے اپنی بکھری ہوئی سلطنت کو سمیٹنے کے لیے اشد ضرورت تھی۔"

سن 65 ہجری: ملوکیت کا استحکام اور پشیمانی کی تحریک

یہ سال بنو امیہ کے لیے اقتدار کی منتقلی اور اہل کوفہ کے لیے پشیمانی کا سال تھا۔

* تحریکِ توابین اور معرکہِ عین الوردہ: اہل کوفہ، جو امام حسینؓ کی شہادت پر نادم تھے، سلیمان بن صرد خزاعی کی قیادت میں نکلے۔ ان کا مقابلہ عبید اللہ بن زیاد کے شامی لشکر سے ہوا۔ مورخین (جیسے طبری) کے مطابق یہ ایک بے مثال جنگ تھی جس میں توابین کی بڑی تعداد (بشمول سلیمان بن صرد) شہید ہوئی، لیکن اس نے بنو امیہ کے خلاف نفرت کی آگ کو مزید ہوا دی۔

* خلافتِ زبیری کا پھیلاؤ: اس سال مصر مروان کے قبضے میں چلا گیا تھا، لیکن حجاز، عراق اور خراسان پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی گرفت مضبوط رہی۔ آپؓ نے کعبہ کی تعمیرِ نو مکمل کی اور اسے حضرت ابراہیمؑ کے نقشے پر استوار کیا۔

سن 66 ہجری: مختار ثقفی کا عروج اور خانہ جنگی کا پھیلاؤ

یہ سال تاریخ میں "انتقامِ خونِ حسینؓ" اور قبائلی عصبیتوں کے تصادم کے نام سے جانا جاتا ہے۔

* مختار ثقفی کا کوفہ پر قبضہ: مختار ثقفی، جو 65ھ کے آخر میں کوفہ پہنچا تھا، اس نے 66ھ کے آغاز میں ابنِ زبیرؓ کے گورنر (عبداللہ بن مطیع) کو وہاں سے نکال کر کوفہ پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اس نے "یالثارات الحسین" کا نعرہ بلند کیا اور مولیٰ (غیر عرب مسلمانوں) کو اپنے ساتھ ملایا۔

* قاتلینِ حسینؓ کا قتلِ عام: اسی سال مختار نے کربلا کے مجرموں کا چن چن کر بدلہ لینا شروع کیا۔ عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن جیسے بڑے مجرم اسی سال اپنے انجام کو پہنچے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ کوفہ کی گلیوں میں قاتلینِ حسینؓ کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

* عبدالملک بن مروان کی فوجی مہمات: عبدالملک نے عبیداللہ بن زیاد کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ عراق کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ مختار کی طاقت کو ختم کر کے کوفہ پر دوبارہ اموی پرچم لہرا سکے۔

* خراسان کی خانہ جنگی: خراسان میں قبائلی عصبیت اس حد تک بڑھ گئی کہ "قیسی" اور "یمنی" قبائل آپس میں کٹ مرنے لگے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ مرکزی حکومت کی گرفت کمزور ہونے کی وجہ سے وہاں لاقانونیت پھیل گئی تھی۔

* حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکمتِ عملی: اس سال ابنِ زبیرؓ کو دوطرفہ خطرات کا سامنا تھا۔ ایک طرف دمشق میں عبدالملک طاقت پکڑ رہا تھا اور دوسری طرف کوفہ میں مختار ثقفی ان کے کنٹرول سے باہر ہو چکا تھا۔ آپؓ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیرؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تاکہ وہ مختار اور بنو امیہ دونوں کا مقابلہ کر سکیں۔

آپ ان دو سالوں کو "خلافت، ملوکیت اور انتقام کا مثلث" قرار دے سکتے ہیں۔ جہاں عبد الملک "ملوکیت" کو بچا رہا تھا، ابنِ زبیرؓ "خلافت" کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، اور مختار ثقفی "انتقام" کے نام پر ایک نئی سیاسی قوت بن کر ابھرا تھا۔

خالد بن یزید: ملوکیت سے علم و حکمت تک کا سفر

تھوڑا سا پیچھے چلتے ہیں

1. سیاسی محرومی اور مروانی غلبہ

خالد بن یزید "جابیہ کے معاہدے" کے تحت مروان کے بعد خلافت کا حقدار تھا، لیکن مروان کی بے وفائی اور پھر عبد الملک بن مروان کی تخت نشینی نے اسے مکمل طور پر اقتدار سے باہر کر دیا۔

* تاریخی نکتہ: مروان نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لے کر خالد کو سیاسی طور پر "زندہ در گور" کر دیا تھا۔ خالد نے جب دیکھا کہ اب تلوار سے حق لینا ممکن نہیں اور مروانی خاندان اسے قبول کرنے کو تیار نہیں، تو اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

* حوالہ: امام طبری لکھتے ہیں کہ خالد ایک ذہین اور حساس نوجوان تھا، اس نے اقتدار کی ہوس میں امت کا خون بہانے کے بجائے علم کو ترجیح دی۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص10)

2. علمِ کیمیا اور طب کا بانی (The Philosopher Prince)

خالد بن یزید کو اسلامی تاریخ میں "حکیم آلِ مروان" کہا جاتا ہے۔ جب سیاست کے دروازے اس پر بند ہوئے تو اس نے یونانی اور اسکندری علوم کے دروازے کھول دیے۔

* اول من ترجم: وہ پہلا شخص تھا جس نے یونانی علوم کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے اسکندریہ سے ماہرینِ فن کو بلایا تاکہ وہ طب، نجوم اور کیمیا (Chemistry) کی کتابوں کا ترجمہ کریں۔

* کیمیا گری: خالد کو کیمیا کا اتنا شوق تھا کہ اسے "خالد الکیمیا" کہا جانے لگا۔ ابنِ ندیم نے "الفہرست" میں اس کی کیمیا پر تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

* حوالہ: ابنِ ندیم لکھتے ہیں کہ "خالد بن یزید وہ پہلا شخص تھا جس کے لیے طب اور کیمیا کی کتابیں ترجمہ کی گئیں"۔ (کتاب الفہرست، ابن ندیم، ص338)

3. خالد بن یزید کا انجام اور وفات

خالد نے اپنی زندگی کا بقیہ حصہ دمشق اور حمص میں علمی تحقیق اور مطالعے میں گزارا۔ اس نے ثابت کیا کہ اقتدار سے محرومی انسان کو نامور ہونے سے نہیں روک سکتی۔

* وفات: اس کی وفات کے بارے میں مختلف آراء ہیں، لیکن معتبر ترین قول یہی ہے یعنی 85ھ یا 90ھ کے درمیان۔

* حوالہ: ابن خلکان نے لکھا ہے کہ خالد بن یزید نہایت فصیح و بلیغ شاعر بھی تھا اور اس کے اشعار میں حکمت کا رنگ نمایاں تھا۔ (وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج2، ص224)

> "بنو امیہ کی ملوکیت نے جہاں سیاست کو خون آلود کیا، وہیں خالد بن یزید جیسے شہزادے نے اس ملوکیت سے کنارہ کشی اختیار کر کے مسلمانوں میں سائنسی اور عقلی علوم کی بنیاد رکھی۔ یہ بنو امیہ کے دور کا وہ روشن پہلو ہے جو اکثر تاریخ کے گرد و غبار میں چھپ جاتا ہے۔" اور اس طرح سفیانی حکومت صفحہ ہستی سے مٹ گئی اور مروانی حکمرانی جاری ہوئی

عمرو بن سعید بن العاص (جنہیں ان کی جرات کی وجہ سے 'الاشدق' کہا جاتا تھا) کا قتل عبد الملک بن مروان کے دور کا وہ سیاہ باب ہے جس نے بنو امیہ کے اندرونی خلفشار کو مزید نمایاں کر دیا۔

عمرو بن سعید بن العاص (الاشدق): بغاوت اور انجام

1. پس منظر اور جابیہ کا معاہدہ

جابیہ کے اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ مروان کے بعد خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ بنے گا۔ لیکن مروان نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹوں (عبد الملک اور عبد العزیز) کے لیے بیعت لے کر ان دونوں کا حق مار لیا تھا۔ عمرو بن سعید اس عہد شکنی کو بھول نہ سکا اور اسے اپنا حق سمجھتا رہا۔

2. عبد الملک کے خلاف بغاوت (70ھ)

اکثر مورخین کے مطابق عمرو بن سعید کی باقاعدہ بغاوت کا واقعہ 70 ہجری کا ہے (کچھ روایات میں 69ھ بھی ملتا ہے)۔

جب عبد الملک بن مروان مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے خلاف ایک مہم پر نکلا، تو پیچھے سے عمرو بن سعید نے دمشق پر قبضہ کر لیا، اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ عبد الملک کو جب یہ خبر ملی تو وہ فوراً راستے سے واپس دمشق پہنچا۔

3. امان اور دھوکہ دہی

عبد الملک نے دیکھا کہ عمرو بن سعید نے دمشق کے قلعے کو مضبوط کر لیا ہے اور اسے طاقت سے ہرانا مشکل ہے۔ چنانچہ اس نے "سیاسی چال" چلی اور عمرو بن سعید کو صلح کی پیشکش کی۔

* تحریری امان نامہ: عبد الملک نے اللہ کی قسمیں کھائیں اور ایک تحریری امان نامہ لکھا جس میں عمرو بن سعید کی جان اور مال کی مکمل ضمانت دی گئی۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری لکھتے ہیں کہ عمرو بن سعید اپنے ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود عبد الملک کی قسموں پر اعتبار کر کے قلعے سے باہر آ گیا۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص142)

4. قتل کا عبرتناک واقعہ

جیسے ہی عمرو بن سعید قصرِ خلافت میں داخل ہوا، عبد الملک نے اسے اکیلا پا کر قید کر لیا۔

* عبد الملک کا وار: عبد الملک نے خود اپنے ہاتھ سے اس پر تلوار کا وار کیا، لیکن وہ بچ گیا، پھر اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور اسے قتل کر دیا۔

* لاشریک اقتدار: قتل کے بعد عبد الملک نے اس کا سر محل کی دیوار سے نیچے پھینکوا دیا تاکہ عمرو کے ساتھی دیکھ کر منتشر ہو جائیں۔ یوں عبد الملک نے اپنے راستے سے آخری اموی حریف کو بھی ہٹا دیا۔

* تاریخی حوالہ: حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد عبد الملک نے کہا: "اگر میں اسے زندہ چھوڑ دیتا تو یہ میرے اقتدار کے لیے مستقل خطرہ رہتا۔" (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 306)

> "عمرو بن سعید کا قتل ثابت کرتا ہے کہ بنو امیہ کی ملوکیت میں نہ خونی رشتوں کا پاس تھا اور نہ ہی اللہ کے نام پر دیے گئے امان ناموں کی کوئی حیثیت۔ یہ وہ نکتہ ہے جہاں 'سیاست' مکمل طور پر 'شریعت' سے جدا ہو کر محض ذاتی مفاد کا نام بن گئی تھی۔"

عمرو بن سعید کا قتل: اخلاقی زوال اور عوامی رد عمل

1. لوگوں کا بنیادی اعتراض اور سماجی اثرات

عرب معاشرے میں "امان" (پناہ) کی ایک خاص مقدس حیثیت تھی۔ دشمن کو بھی اگر امان دے دی جاتی تو اسے قتل کرنا پورے قبیلے اور ریاست کے لیے باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا۔ عبد الملک کے اس فعل پر لوگوں کا اعتراض صرف ایک شخص کے قتل پر نہیں تھا، بلکہ اس نظام پر تھا جو "عہد و پیمان" کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

* اعتماد کا خاتمہ: لوگوں نے محسوس کیا کہ اب حکمران کی زبان یا تحریری معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ جب خلیفہ خود اللہ کے نام پر دی گئی امان توڑ دے، تو رعایا کس پر بھروسہ کرے گی؟

* تاریخی حوالہ: ابن اثیر لکھتے ہیں کہ جب عمرو کا سر دیوار سے نیچے پھینکا گیا تو اس کے حامیوں میں سے ایک نے پکار کر کہا: "اے عبد الملک! تو نے صرف عمرو کو نہیں مارا، بلکہ تو نے عربوں کے اس بھروسے کو مار دیا ہے جو وہ اپنے حکمران پر کرتے تھے۔" (الکامل فی التاریخ، ج4، ص150)

2. "الملک عقیم" (بادشاہت بانجھ ہے)

عبد الملک نے اس سفاکانہ فعل کا دفاع "الملک عقیم" کے جملے سے کیا۔ یہ جملہ سیاسی تاریخ میں ایک اصطلاح بن گیا۔

* مفہوم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اقتدار کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ بادشاہت نہ باپ کو دیکھتی ہے، نہ بیٹے کو اور نہ ہی بھائی کو۔ یہ محض طاقت کا کھیل ہے جہاں ہر وہ شخص جو تخت کے لیے خطرہ بنے، اسے راستے سے ہٹانا "سیاسی ضرورت" قرار دیا جاتا ہے۔

* سیاسی شعار: یہی وہ سوچ تھی جس نے خلافتِ راشدہ کے اس تصور کو ختم کر دیا جہاں حکمران اللہ اور عوام کے سامنے جوابدہ تھا، اور اس کی جگہ وہ ملوکیت آ گئی جہاں "مصلحت" ہی سب سے بڑا دین بن گئی۔

3. "اخلاقی موت" کا تصور

"عبد الملک تو اسی دن مر گیا تھا"، یہ اس دور کے صلحاء اور علماء کے غم و غصے کی عکاسی کرتا ہے۔

* سیاسی ساکھ کا نقصان: اگرچہ عبد الملک نے اپنا تخت بچا لیا اور عمرو بن سعید جیسا طاقتور حریف ختم ہو گیا، لیکن مورخین کے مطابق اس نے اپنی اخلاقی برتری کھو دی۔ لوگ اسے ایک "عادل خلیفہ" کے بجائے ایک "سفاک بادشاہ" کے طور پر دیکھنے لگے۔

> "عمرو بن سعید کے قتل نے ثابت کر دیا کہ آلِ مروان کے نزدیک 'سیاست' کا مطلب صرف غلبہ حاصل کرنا ہے۔ عبد الملک نے یہ مثال قائم کر کے آئندہ آنے والے حکمرانوں کے لیے راستہ صاف کر دیا کہ وہ بھی اپنے اقتدار کے لیے اپنوں کا خون

بہانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ یہی وہ رویہ تھا جس نے بنو امیہ کے خلاف چھپی ہوئی نفرت کو طاقت دی، جو آخر کار ان کے زوال کا سبب بنی۔"

سن 67 ہجری اسلامی تاریخ کا وہ برس ہے جسے "انتقام اور عبرت کا سال" کہا جا سکتا ہے۔ اس سال دو ایسے بڑے واقعات ہوئے جنہوں نے کربلا کے مجرموں کو ان کے انجام تک پہنچایا اور عراق کی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کی۔

مورخین (طبری، ابنِ کثیر اور ابنِ اثیر) کی روشنی میں اس سال کی تفصیل درج ذیل ہے:

1. معرکہِ خازر: عبید اللہ بن زیاد کا عبرتناک انجام

محرم 67ھ میں موصل کے قریب دریائے خازر کے کنارے ایک عظیم معرکہ ہوا جس نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔

* لشکر کشی: مختار ثقفی نے اپنے سب سے قابل اعتماد سپہ سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا۔ دوسری طرف بنو امیہ کی جانب سے عبید اللہ بن زیاد (کربلا کا اصل محرک) ایک بھاری لشکر کے ساتھ سامنے تھا۔

* جنگ اور نتیجہ: ابراہیم بن اشتر نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ گھمسان کی جنگ کے بعد اموی لشکر کو شکست ہوئی اور عبید اللہ بن زیاد مارا گیا۔

* عبرت کا نشان: ابراہیم بن اشتر نے ابنِ زیاد کا سر کاٹ کر مختار ثقفی کے پاس کوفہ بھیجا۔ مختار نے وہ سر اسی جگہ رکھا جہاں ابنِ زیاد نے امام حسینؓ کا سرِ مبارک رکھا تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت ایک سانپ نمودار ہوا جو ابنِ زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوتا اور منہ سے نکلتا تھا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری لکھتے ہیں کہ اسی جنگ میں کربلا کے دیگر مجرم مثلاً حصین بن نمیر بھی مارا گیا۔ (تاریخ الطبری، ج 4، ص 541)

2. مصعب بن زبیر کا کوفہ پر حملہ اور مختار کا محاصرہ

کوفہ میں مختار کی بڑھتی ہوئی طاقت اور موالیٰ (غیر عرب) کو عربوں کے برابر حقوق دینے کی پالیسی نے کوفہ کے عرب سرداروں کو ناراض کر دیا۔ وہ بھاگ کر بصرہ میں مصعب بن زبیر (حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بھائی) کے پاس چلے گئے۔

* حملہ: مصعب بن زبیر نے ایک طاقتور لشکر تیار کیا اور کوفہ پر چڑھائی کر دی۔ "حمودہ" کے مقام پر مختار اور مصعب کے درمیان پہلی جھڑپ ہوئی جس میں مختار کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

* محاصرہ: مختار ثقفی کوفہ کے دارالامارہ (گورنر ہاؤس) میں محصور ہو گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً چار ماہ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ خوراک ختم ہو گئی اور ساتھیوں نے بزدلی دکھانا شروع کی۔

* مختار کی شہادت: 14 رمضان 67ھ کو مختار ثقفی نے کہا: "ذلت کی موت سے بہتر ہے کہ لڑ کر مرا جائے"۔ وہ اپنے چند جانثاروں کے ساتھ محل سے باہر نکلا اور بہادری سے لڑتے ہوئے قتل ہو گیا۔

3. مختار کے بعد کوفہ کے حالات

مختار کے قتل کے بعد مصعب بن زبیر نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں ایک بہت ہی المناک واقعہ پیش آیا:

* قتلِ عام: مصعب نے مختار کے ان 6,000 ساتھیوں کو بھی قتل کروا دیا جنہوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو جب اس قتلِ عام کی خبر ملی تو انہوں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور مصعب کو "مسرف" (حد سے گزرنے والا) قرار دیا۔

* مختار کی بیوی کا قتل: مصعب نے مختار کی اہلیہ (عمرہ بنت نعمان بن بشیر) کو صرف اس لیے قتل کروا دیا کیونکہ انہوں نے مختار کو "کذاب" کہنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ "وہ اللہ کے دشمنوں سے بدلہ لینے والا شخص تھا"۔

"انتقام کی تکمیل اور ایک طاقت کا زوال"

67 ہجری وہ سال ہے جہاں:

* کربلا کے قاتلوں کو ان کے کیے کی سزا دنیا ہی میں مل گئی۔

* عراق میں ایک تیسری طاقت (مختار) ختم ہو گئی اور اب مقابلہ براہِ راست عبد الملک بن مروان اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے درمیان رہ گیا۔

سن 68 ہجری اور 69 ہجری کے سال تاریخِ بنو امیہ میں "انتظار اور تیاری" کے سال کہے جا سکتے ہیں۔ ان سالوں میں عبد الملک بن مروان نے اپنی پوزیشن مستحکم کی اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے آخری مضبوط قلعے (عراق) کو گرانے کے لیے سیاسی و فوجی مہرے ترتیب دیے۔

سن 68 ہجری: بصرہ کا خلفشار اور خوارج کا فتنہ

اس سال عراق (بصرہ و کوفہ) میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی حکومت کو اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر سخت چیلنجز کا سامنا تھا۔

* خوارج کی سرگرمیاں (فتنہ ازارقہ): اس سال خوارج کے "ازارقہ" گروہ نے نافع بن ازرق کی قیادت میں بصرہ اور گردو نواح میں شدید دہشت گردی مچائی۔ مصعب بن زبیر (گورنرِ بصرہ) کو اپنی پوری طاقت ان خوارج کو روکنے میں لگانی پڑی، جس کی وجہ سے وہ دمشق کی طرف پیش قدمی نہ کر سکے۔

* عبد الملک کی خاموش سفارت کاری: عبد الملک بن مروان نے اس سال براہِ راست جنگ کے بجائے "سیاسی تخریب کاری" (Subversion) کا راستہ اپنایا۔ اس نے کوفہ اور بصرہ کے عرب سرداروں کو خفیہ خطوط لکھے اور انہیں عہدوں اور مال و دولت کے لالچ دے کر ابنِ زبیرؓ سے بد ظن کیا۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری لکھتے ہیں کہ عبد الملک نے اس سال شام کی سرحدوں کو محفوظ کیا اور رومیوں سے ایک معاہدہ کیا تاکہ وہ اپنی پوری توجہ عالمِ اسلام کے اندرونی خلفشار پر دے سکے۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 150)

سن 69 ہجری: عبد الملک کی پہلی بڑی مہم اور اندرونی بغاوت

یہ سال عبد الملک بن مروان کے لیے انتہائی اعصاب شکن تھا کیونکہ اسے ایک ہی وقت میں دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔

* عراق کی طرف پہلی پیش قدمی: عبد الملک ایک بڑے لشکر کے ساتھ دمشق سے نکالا تاکہ مصعب بن زبیر سے عراق چھین سکے۔ وہ "بُطنان" کے مقام پر پہنچا ہی تھا کہ اسے پیچھے سے ایک ہولناک خبر ملی۔

* عمرو بن سعید (الاشدق) کی بغاوت: جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، عمرو بن سعید نے عبد الملک کی پیٹھ پیچھے دمشق پر قبضہ کر لیا اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ عبد الملک کو عراق کی مہم ادھوری چھوڑ کر واپس دمشق بھاگنا پڑا۔

* دمشق کا محاصرہ اور صلح کا فریب: عبد الملک نے دمشق کا محاصرہ کیا اور پھر وہی دھوکہ دہی والا امان نامہ دیا جس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ اسی سال (69ھ کے آخر میں) عبد الملک نے عمرو بن سعید کو قتل کر کے اپنے گھر کے سب سے بڑے خطرے کو ختم کیا۔

* خلافتِ زبیری کی کمزوری: دوسری طرف مکہ اور بصرہ میں غلے کی کمی اور قحط جیسے حالات پیدا ہونے لگے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی مالی قوت کمزور ہو رہی تھی کیونکہ شام اور مصر کے بعد اب عراق سے بھی لگان (Tax) کی آمد بند ہونا شروع ہو گئی تھی۔

* تاریخی حوالہ: ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ 69 ہجری وہ سال تھا جب عبد الملک نے اپنی سلطنت کے اندرونی کانٹے نکال دیے اور اب وہ ایک "واحد دشمن" (ابنِ زبیر) کے لیے بالکل تیار تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج8، ص300)

*** سیاست بمقابلہ زہد:**

68-69ھ میں ایک طرف مکہ میں زہد و تقویٰ کی حکومت تھی جو مصلحتوں سے ناواقف تھی، اور دوسری طرف دمشق میں وہ سیاست تھی جو خون بہانے اور معاہدے توڑنے کو بھی "ریاستی ضرورت" سمجھتی تھی۔

* خوارج کا کردار: خوارج کی بغاوتوں نے بالواسطہ طور پر بنو امیہ کو فائدہ پہنچایا، کیونکہ ابنِ زبیرؓ کی بہترین فوج (مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں) خوارج سے لڑنے میں مصروف رہی اور عبد الملک کو سنبھلنے کا موقع مل گیا۔

حجاج بن یوسف: مکہ کا محاصرہ اور سیاسی سفاکی

1. امیر الحج کا لبادہ اور نفسیاتی جنگ (72ھ)

عبد الملک نے حجاج کو براہِ راست جنگ کے بجائے پہلے حج کے موقع پر بھیجا۔ اس کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ مکہ کے لوگ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھی حجاج کی ہیبت سے کتنا متاثر ہوتے ہیں۔ حجاج نے احرام کی حالت میں بھی اپنی زبان اور تلخی سے یہ پیغام دے دیا کہ وہ مکہ کی حرمت کے بجائے عبد الملک کے حکم کو مقدم رکھتا ہے۔

2. محاصرے کی شدت اور منجنیقوں کا استعمال (73ھ)

حجاج نے مکہ کے گرد جبلِ ابی قبیس اور دیگر پہاڑوں پر منجنیقیں نصب کیں۔ یہ پتھر صرف قلعے پر نہیں بلکہ مسجدِ حرام کے اندر بھی گرتے تھے۔

* تاریخی المناک پہلو: جب پتھر برسائے جا رہے تھے، تو لوگ کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر پناہ مانگتے تھے، لیکن حجاج کے حکم پر پتھروں کی بارش نہیں رکی۔

* ابنِ کثیر کا بیان: ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پتھروں کے ساتھ ساتھ آگ کے گولے بھی پھینکے گئے جس سے کعبہ کے غلاف (پردوں) کو آگ لگ گئی۔ لوگ پکارتے رہے "اے حجاج! یہ اللہ کا گھر ہے!" لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج8، ص329)

3. ساتھیوں کی بے وفائی اور ابنِ زبیرؓ کی تنہائی

حجاج نے ایک بہت بڑی "اعصابی چال" یہ چلی کہ اس نے مکہ کے باہر منادی کروا دی کہ "جو شخص حجاج کے پاس آجائے گا اسے امان ہے، اور جو ابنِ زبیر کے ساتھ رہے گا وہ قتل ہو گا"۔

* بیٹوں کی جدائی: بھوک اور خوف کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے دو بیٹوں (حمزہ اور حبیب) نے بھی حجاج سے امان حاصل کر لی اور اپنے والد کو تنہا چھوڑ دیا۔

* ابنِ زبیرؓ کا جملہ: جب آپؓ نے دیکھا کہ آپ کے قریبی ساتھی اور بیٹے بھی ساتھ چھوڑ گئے ہیں، تو آپؓ نے فرمایا: "دنیا کے لوگو! دیکھو، ابنِ زبیر کے پاس اب صرف اللہ رہ گیا ہے"۔

4. سیدہ اسماءؓ کا عظیم مقام

اس باب کا سب سے اہم حصہ وہ مکالمہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ کے درمیان ہوا۔

* وصیت: جب آپؓ نے اپنی والدہ سے کہا کہ "لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، یہاں تک کہ میرے بیٹوں نے بھی، اب میرا کیا انجام ہوگا؟" تو اس عظیم ماں نے تاریخی جملہ کہا: "بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حق پر مرنا سیکھو۔ ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی"۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری نے اس مکالمے کو حرف بحرف نقل کیا ہے جو رہتی دنیا تک حق پرستوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص204)

> "حجاج بن یوسف کا یہ حملہ محض ایک فوجی کارروائی نہیں تھی، بلکہ یہ بنو امیہ کی اس سوچ کا عروج تھا کہ 'اقتدار' کی خاطر کعبہ کی حرمت اور صحابہ کے خون کی کوئی حیثیت نہیں۔ حجاج نے اس دن مکہ پر جو پتھر برسائے، وہ دراصل اس 'شورائیت' اور 'خلافت' کے جنازے پر برسائے گئے تھے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی۔"

1. شہادتِ ابنِ زبیرؓ اور سیدہ اسماءؓ کا تاریخی جملہ

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کے جسدِ مبارک کو سولی پر لٹکا دیا تھا۔ جب سیدہ اسماءؓ (جو اس وقت بہت بوڑھی اور نابینا ہو چکی تھیں) وہاں سے گزریں، تو انہوں نے اپنے بیٹے کی لاش کو سولی پر لٹکتا دیکھ کر

* وہ تاریخی جملہ: سیدہ اسماءؓ نے حجاج کی طرف رخ کر کے کمالِ ضبط سے فرمایا:

>" أَمَا آنَ لِهٰذَا الْفَارِسِ أَنْ يَنْزِلَ؟"

>"کیا اس شہسوار کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ اپنی سواری سے نیچے اترے؟"

٭ تشریح: اس جملے میں ایک ماں کا درد بھی تھا اور ایک مجاہد کی عظمت کا اعتراف بھی۔ آپؓ نے سولی کو "سواری" قرار دے کر یہ ثابت کر دیا کہ آپ کا بیٹا ہارا نہیں بلکہ حق کی راہ میں سرخرو ہوا ہے۔

٭ تاریخی حوالہ: یہ مکالمہ صحیح مسلم (باب فضائل ابن الزبیر) اور البدایہ والنہایہ (ج 8، ص 332) میں تفصیل سے موجود ہے۔

2. حجاج بن یوسف کی سفاکی اور جبریت

حجاج بن یوسف کی شخصیت ملوکیت کے اس نظریے کی عکاسی کرتی ہے جہاں "ریاست کا حکم" اللہ کے حکم سے بھی مقدم سمجھا جاتا تھا۔

٭ تقویٰ کی دعوت پر قتل کی دھمکی: حجاج کے جاہ و جلال اور تکبر کا یہ عالم تھا کہ وہ برسرِ منبر کہتا تھا:

>"خدا کی قسم! اگر کسی نے مجھ سے یہ کہا کہ 'اللہ سے ڈرو' (اتقِ اللہ)، تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

>وہ سمجھتا تھا کہ اسے نصیحت کرنا اس کی حاکمیت کی توہین ہے۔

٭ حکمِ حاکم کی پرستش (دروازے والی مثال): حجاج کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ وہ لوگوں کی جان کی قیمت اپنے حکم کی تعمیل سے کم سمجھتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ مشہور تھا کہ وہ بظاہر عام کاموں پر پابندی لگا کر لوگوں کو آزماتا۔ مثلاً اگر وہ کہہ دیتا کہ "اس دروازے سے کوئی باہر نہ نکلے"، تو اس کا مقصد راستہ روکنا نہیں بلکہ اپنی ہیبت بٹھانا ہوتا۔ جو باہر نکلتا، اسے یہ کہہ کر قتل کر دیتا کہ اس نے "حاکمِ وقت کے حکم کی خلاف ورزی" کی ہے۔

٭ سیاسی نظریہ: حجاج کا ماننا تھا کہ عوام کو صرف تلوار کے زور پر سیدھا رکھا جا سکتا ہے۔ اس نے بصرہ کے اپنے پہلے خطبے میں کہا تھا: "میں ایسے سر دیکھ رہا ہوں جو پک چکے ہیں اور وقت آگیا ہے کہ انہیں کاٹ دیا جائے، اور میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ کام کرے گا۔"

* تاریخی حوالہ: حجاج کے یہ اقوال اور سفاکانہ طرزِ عمل تاریخ الطبری (ج6، ص205-210) اور الکامل فی التاریخ میں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

3. حجاج کی صفاتی ملوکیت

> "حجاج بن یوسف نے 'اطاعتِ امیر' کے اسلامی تصور کو مسخ کر کے 'شخصی غلامی' میں بدل دیا۔ اس کے نزدیک گناہ وہ نہیں تھا جو اللہ کی نظر میں ہو، بلکہ گناہ وہ تھا جو خلیفہ یا اس کے نمائندے کی مرضی کے خلاف ہو۔ حجاج کی اسی سفاکی نے بنو امیہ کے اقتدار کو وقتی طور پر تو مضبوط کیا، لیکن امت کے دلوں میں وہ نفرت پیدا کر دی جو آگے چل کر خلافتِ بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب بنی۔"

73 ہجری تک کے واقعات میں حجاج بن یوسف کا مدینہ منورہ میں داخلہ اور وہاں صحابہ کرامؓ کے ساتھ توہین آمیز سلوک۔ مکہ فتح کرنے کے بعد حجاج نے مدینہ کا رخ کیا تھا، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

73 ہجری کا آخری حصہ: حجاج کا مدینہ میں داخلہ اور صحابہ کی تذلیل

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف مدینہ منورہ پہنچا تاکہ وہاں کے لوگوں سے بھی جبراً بیعت لے۔

* صحابہ کرامؓ کی مہر زنی: حجاج نے مدینہ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ، جن میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سہل بن سعدؓ شامل تھے، ان کی گردنوں اور ہاتھوں پر سیسے کی مہریں لگوائیں (جیسے جانوروں کو داغا جاتا ہے)۔

* تذلیل کی وجہ: اس کا مقصد ان عظیم ہستیوں کو ذلیل کرنا تھا تاکہ عام لوگ دیکھ کر ڈر جائیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کا یہ حال ہو رہا ہے تو ہماری کیا حیثیت ہے۔ اس نے الزام لگایا کہ یہ لوگ "حضرت عثمانؓ کے قاتلوں" کے ہمدرد رہے ہیں۔

* تاریخی حوالہ: امام طبری اور ابن کثیر نے اس واقعے کو نہایت دکھ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ کس طرح مدینہ کی گلیوں میں صحابہ کی تذلیل کی گئی۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص212 / البدایہ والنہایہ، ج8، ص335)

اب آگے بڑھتے ہیں: عبد الملک بن مروان کا دورِ استحکام (74ھ-86ھ)

اب یہاں سے کتاب کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے جہاں جنگیں کم اور ریاست کی تنظیمِ نو زیادہ ہے۔

1. سن 74 ہجری: حجاج کی عراق میں گورنری

عبد الملک نے دیکھا کہ حجاج نے حجاز کو مکمل قابو کر لیا ہے، تو اس نے اسے عراق (کوفہ و بصرہ) کا گورنر بنا کر بھیجا، کیونکہ عراق بنو امیہ کے لیے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔

* حجاج کا پہلا خطبہ: حجاج نے کوفہ کی مسجد میں وہ مشہور خطبہ دیا: "میں ایسے سر دیکھ رہا ہوں جو پک چکے ہیں اور ان کے کٹنے کا وقت آ گیا ہے"۔ اس نے وہاں کے لوگوں میں ایسا خوف پیدا کیا کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔

2. انتظامی اصلاحات (عبد الملک بن مروان کے کارنامے)

عبد الملک بن مروان کو بنو امیہ کا "اصلی بانی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے ریاست کو ایک نیا ڈھانچہ دیا:

* عربی زبان کا سرکاری نفاذ: پہلے دفتری ریکارڈ فارسی یا رومی زبان میں تھا، عبد الملک نے اسے مکمل عربی میں منتقل کیا۔

* اسلامی سکہ کا اجرا: اس سے پہلے رومی اور ایرانی سکے چلتے تھے، عبد الملک نے پہلا خالص اسلامی دینار جاری کیا جس پر کلمہ طیبہ درج تھا۔

* برقیہ (Postal Service): اس نے ڈاک کے نظام کو اتنا مضبوط کیا کہ سلطنت کے کسی بھی کونے کی خبر چند دنوں میں دمشق پہنچ جاتی۔

3. سن 75 ہجری سے 85 ہجری: فتوحات کا نیا رخ

عبد الملک کے دور میں فتوحات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا جو یزید کی موت کے بعد رک گیا تھا:

* شمالی افریقہ: حسن بن نعمان نے تیونس اور قرطاجنہ (Carthage) فتح کر کے رومیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔

* رومیوں کے خلاف مہمات: شام کی سرحدوں پر رومیوں کو پیچھے دھکیلا گیا اور کئی اہم قلعے فتح ہوئے۔

عبد الملک بن مروان کے دور کا سب سے بڑا داخلی چیلنج اور حجاج بن یوسف کی سفاکی کے خلاف اٹھنے والی سب سے طاقتور تحریک عبد الرحمن بن اشعث کی بغاوت تھی، جسے تاریخ میں "جنگِ دیر الجماجم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں صرف سپاہی نہیں بلکہ اس دور کے بڑے بڑے تابعین اور قراء بھی حجاج کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔

مستند حوالہ جات (طبری، ابنِ کثیر) کے ساتھ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبدالرحمن بن اشعث کا خروج (81ھ-83ھ)

1. پس منظر: "لشکرِ طاؤس" کی روانگی

حجاج بن یوسف نے عبدالرحمن بن اشعث کو ایک بہت عظیم اور شان و شوکت والے لشکر کا سربراہ بنا کر "سجستان" (افغانستان کا سرحدی علاقہ) کے بادشاہ "رتبیل" کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس لشکر کی تیاری پر اس قدر خرچ ہوا تھا کہ اسے "جیشِ طاؤس" (مور والا لشکر) کہا جاتا تھا۔

* حجاج اور ابنِ اشعث کے تعلقات: ان دونوں کے درمیان شدید ذاتی دشمنی اور نفرت تھی۔ ابنِ اشعث کا تعلق یمن کے معزز گھرانے سے تھا اور وہ حجاج جیسے شخص کی ماتحتی کو اپنی توہین سمجھتا تھا۔

* بغاوت کی چنگاری: جب ابنِ اشعث نے سجستان میں مصلحت کے تحت پیش قدمی روکی، تو حجاج نے اسے نہایت توہین آمیز خطوط لکھے اور اسے بزدلی کا طعنہ دیا۔ اس پر پورا لشکر بھڑک گیا اور انہوں نے حجاج کی معزولی کا اعلان کر کے ابنِ اشعث کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

2. تابعین اور قراء کا کردار

یہ بغاوت بنو امیہ کے خلاف محض ایک فوجی بغاوت نہیں تھی بلکہ ایک عوامی اور مذہبی تحریک بن گئی۔ کوفہ اور بصرہ کے قراء (جن میں سعید بن جبیرؒ اور شعبیؒ جیسے جلیل القدر تابعین شامل تھے) حجاج کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے حجاج کو "ظالم" قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔

* تاریخی حوالہ: ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ قراءِ کوفہ کا موقف یہ تھا کہ حجاج نے نمازیں ضائع کیں، خون بہایا اور کعبہ پر سنگباری کی، اس لیے اس کے خلاف خروج واجب ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج9، ص30)

3. معرکۂ دیر الجماجم (82ھ)

ابنِ اشعث کا لشکر عراق میں داخل ہوا اور حجاج کو کئی مقامات پر شکست دی۔ عبد الملک بن مروان اس قدر ڈر گیا کہ اس نے صلح کی پیشکش کی اور حجاج کو معزول کرنے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن ابنِ اشعث کے لشکر نے جوشِ جنون میں یہ پیشکش ٹھکرا دی اور عبد الملک کی معزولی کا بھی مطالبہ کر دیا۔

* جنگ کا نتیجہ: آخر کار 82ھ کے آخر میں دیر الجماجم کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ حجاج نے اپنی عسکری مہارت اور شامی فوج کے ڈسپلن کی وجہ سے ابنِ اشعث کو شکست دے دی۔

* ابنِ اشعث کا انجام: عبد الرحمن بن اشعث بھاگ کر دوبارہ رتبیل (سجستان) کے پاس گیا، لیکن بعد میں اس نے خودکشی کر لی یا قتل کر دیا گیا۔ اس کا سر حجاج کے پاس بھیجا گیا۔

4. حجاج کا انتقام اور سعید بن جبیرؒ کی شہادت

جنگ کے بعد حجاج نے چن چن کر ان لوگوں کو قتل کیا جنہوں نے ابنِ اشعث کا ساتھ دیا تھا۔ اس سلسلے کا سب سے المناک واقعہ حضرت سعید بن جبیرؒ کی شہادت ہے۔

* مکالمہ: حجاج نے سعید بن جبیرؒ سے کہا کہ "میں تمہیں اس طرح قتل کروں گا کہ تاریخ میں مثال نہ ملے"۔ سعید بن جبیرؒ نے جواب دیا: "تم جس طرح چاہو میری دنیا خراب کرو، اللہ تمہیں اس سے بدتر طریقے سے آخرت میں سزا دے گا"۔

* آخری دعا: شہادت سے پہلے سعید بن جبیرؒ نے دعا کی: "اے اللہ! میرے بعد حجاج کو کسی پر مسلط نہ کرنا"۔

* تاریخی اثر: مورخین لکھتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ کی شہادت کے چند دن بعد ہی حجاج کے پیٹ میں ایسا کینسر (دبیلہ تھوڑا) ہوا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرا اور پکارتا تھا: "مجھے سعید بن جبیر سے بچاؤ"۔ (تاریخ الطبری، ج6، ص380)

ابنِ اشعث کی شکست نے بنو امیہ کے خلاف علمی اور مذہبی طبقے کی آواز کو وقتی طور پر خاموش کر دیا، لیکن عوامی نفرت کی وہ بنیاد رکھ دی جو آگے چل کر خلافت کے تختے الٹنے کا سبب بنی۔

عبد الملک بن مروان کی وفات (86ھ) کے بعد بنو امیہ کی تاریخ کا وہ سنہرا دور شروع ہوتا ہے جسے ولید بن عبد الملک کا عہدِ خلافت کہا جاتا ہے۔

باب "عظیم فتوحات اور تعمیر و ترقی"

ولید بن عبد الملک کے دور کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

1. ولید بن عبد الملک کی تخت نشینی (86ھ-96ھ)

عبد الملک نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں ولید اور پھر سلیمان کے لیے بیعت لے لی تھی۔ ولید کا دور امن و امان اور فتوحات کے اعتبار سے بنو امیہ کا سب سے کامیاب دور مانا جاتا ہے۔

* تاریخی اہمیت: ولید کو ورثے میں ایک مستحکم ریاست ملی تھی، جسے اس کے باپ اور حجاج بن یوسف نے مخالفین کا صفایا کر کے مضبوط کر دیا تھا۔ ولید نے اس استحکام کا فائدہ اٹھا کر سلطنت کی حدود کو تین براعظموں تک پھیلا دیا۔

2. تین بڑے فاتحین اور عظیم فتوحات

ولید کے دور میں تین ایسے جرنیل ابھرے جنہوں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا:

* محمد بن قاسم اور سندھ کی فتح (93ھ): حجاج بن یوسف کے بھتیجے محمد بن قاسم نے برصغیر کی طرف رخ کیا اور راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ اور ملتان کو اسلامی ریاست کا حصہ بنا دیا۔ یہیں سے برصغیر میں اسلام کی باقاعدہ بنیاد پڑی۔

* قتیبہ بن مسلم اور وسطی ایشیا (91ھ-96ھ): قتیبہ بن مسلم نے ماوراء النہر (Central Asia) کے علاقے فتح کیے۔ بخارا، سمرقند اور کاشغر (چین کی سرحد) تک اسلامی پرچم لہرایا۔

* طارق بن زیاد اور اندلس (اسپین) کی فتح (92ھ): موسیٰ بن نصیر کے حکم پر طارق بن زیاد نے بحیرہ روم پار کیا اور جبرالٹر (جبلِ طارق) پر اتر کر اسپین کو فتح کیا۔

3. تعمیراتی شاہکار اور رفاہِ عامہ

ولید بن عبد الملک کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ اس نے ریاست کے مال کو عوام کی سہولت اور مساجد کی خوبصورتی پر خرچ کیا۔

* جامع مسجد دمشق (اموی مسجد): یہ ولید کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس نے اس مسجد کی تعمیر پر بے دریغ مال خرچ کیا اور اسے دنیا کے عجائبات میں شامل کر دیا۔

* مسجدِ نبوی کی توسیع: ولید کے حکم پر مدینہ کے گورنر (حضرت عمر بن عبد العزیزؒ) نے مسجدِ نبوی کی توسیع کی اور پہلی بار اس میں محراب اور مینار بنوائے۔

* رفاہی کام: ولید نے پہلا شخص تھا جس نے ریاست میں معذوروں، اندھوں اور کوڑھیوں کے لیے وظائف مقرر کیے اور ان کے لیے الگ ہسپتال اور خادم مہیا کیے۔

4. حجاج بن یوسف کی وفات (95ھ)

ولید کے دور کے آخر میں، رمضان 95ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہوا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، سعید بن جبیرؒ کی بد دعا کے بعد وہ سخت اذیت میں مبتلا رہا۔ حجاج کی موت سے بنو امیہ کا ایک عبرتناک باب ختم ہوا۔

* تاریخی حوالہ: ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حجاج کی موت پر پورے عراق میں شکرانے کے سجدے کیے گئے، لیکن ولید کو اپنے سب سے وفادار ستون کے گرنے کا بہت دکھ ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج9، ص138)

ولید کا دور "ملوکیت کا عروج" تھا۔ اگرچہ فتوحات بہت زیادہ تھیں، لیکن اندرونی طور پر اقتدار کی منتقلی اب مکمل طور پر موروثی ہو چکی تھی۔ ولید نے اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے کو لانے کی کوشش کی، جس سے خاندان کے اندر دراڑیں پڑنا شروع ہوئیں۔

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبد الملک تخت پر بیٹھا۔ اس کا دور مختصر تھا (96ھ-99ھ) لیکن بہت اہم ہے، کیونکہ اس نے مرتے وقت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خلیفہ نامزد کر کے بنو امیہ کی ڈوبتی ہوئی اخلاقی ساکھ کو سہارا دیا۔

محمد بن قاسمؒ اسلامی تاریخ کے اُن نوجوان جرنیلوں میں سے ہیں جنہوں نے کم عمری میں غیر معمولی فتوحات حاصل کیں، مگر ملوکیت کی سیاست کا شکار ہو کر نہایت المناک انجام کو پہنچے۔ محمد بن قاسم کا عملی عسکری اور انتظامی دور تقریباً 89ھ سے 95ھ تک محیط ہے۔ اسی مدت میں انہوں نے سندھ فتح کیا، دیبل، نیرون کوٹ اور ملتان جیسے اہم مراکز پر اسلامی حکومت قائم کی اور مقامی آبادی کے ساتھ عدل و نظم پر مبنی نظام رائج کیا۔ یہ تمام فتوحات اموی خلافت کے مضبوط ترین دور میں ہوئیں۔

محمد بن قاسم جن حالات میں سندھ آئے، اس وقت خلافت کی باگ ڈور الولید بن عبد الملک کے ہاتھ میں تھی (86ھ–96ھ)۔ ولید بن عبد الملک کے دور میں سلطنت کو عسکری وسعت حاصل ہوئی اور مشرقی محاذ پر فیصلہ کن اقدامات کیے گئے۔ اگرچہ محمد بن قاسم براہِ راست خلیفہ کے سپہ سالار تھے، لیکن عملی طور پر وہ عراق اور مشرقی صوبوں کے طاقتور گورنر حجاج بن یوسف کے ماتحت تھے۔ حجاج نہ صرف ان کے سرپرست بلکہ رشتہ دار (ماموں) بھی تھا، اور سندھ کی مہم کا اصل منصوبہ ساز بھی وہی تھا

۔

محمد بن قاسم کی کامیابیوں کا دار و مدار حجاج کی سیاسی پشت پناہی پر تھا۔ جب تک حجاج اور ولید دونوں اقتدار میں رہے، محمد بن قاسم کو مکمل اعتماد اور اختیار حاصل رہا۔ مگر سیاسی منظر نامہ اس وقت بدل گیا جب 96ھ میں ولید بن عبد الملک کا انتقال ہوا اور اس کے بعد خلافت سلیمان بن عبد الملک کے ہاتھ میں آگئی۔ سلیمان بن عبد الملک حجاج بن یوسف کا شدید مخالف تھا، اور اس نے اقتدار سنبھالتے ہی حجاج کے تمام مقرر کردہ افراد کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

اسی سیاسی انتقام کی زد میں محمد بن قاسم بھی آئے۔ انہیں بغیر کسی باقاعدہ عدالتی کارروائی کے سندھ سے معزول کیا گیا، واپس بلا کر قید میں ڈال دیا گیا اور شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اکثر معتبر مؤرخین کے مطابق محمد بن قاسم کی وفات 95ھ یا 96ھ میں قید ہی کے دوران ہوئی۔ ان کی موت کے بارے میں بعض قصہ نما روایات (جیسے راجہ داہر کی بیٹیوں کا الزام) بیان کی جاتی ہیں، مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک یہ روایات تاریخی وزن نہیں رکھتیں اور اصل سبب سیاسی انتقام ہی تھا، نہ کہ کوئی شرعی یا اخلاقی جرم۔

یوں محمد بن قاسم کی داستان اس حقیقت کی نمائندہ بن جاتی ہے کہ اموی دور میں فتوحات کا انعام اکثر دربار کی سیاست کی نذر ہو جاتا تھا۔ ایک عظیم فاتح، جس نے اسلام کو برصغیر میں مضبوط بنیاد فراہم کی، محض اس لیے ختم کر دیا گیا کہ وہ ایک طاقتور مگر ناپسندیدہ گورنر کا آدمی تھا۔ یہی واقعہ ملوکیت کے اس چہرے کو بے نقاب کرتا ہے جس میں عدل، اہلیت اور خدمات کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہتی۔

تاریخی حوالہ جات (اشاراتی)

الطبری، تاریخ الامم والملوک

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ

بلاذری، فتوح البلدان

ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ

ولید بن عبد الملک کے دور کے آخری ایام اور بنو امیہ کے اندرونی خاندانی اختلافات کو نہایت باریک بینی سے واضح کرتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ بنو امیہ کے ہاں "عہد و پیمان" کی حیثیت محض سیاسی مصلحت تک محدود ہو چکی تھی، حتیٰ کہ باپ کے کیے ہوئے فیصلے کو بیٹا اپنے مفاد کی خاطر بدلنے پر تیا تھا۔

ولید کی سیاسی ناکامی اور سلیمان بن عبد الملک کا عروج

1. ولید کی موروثی خواہش اور حجاج کا کردار

ولید بن عبد الملک اپنے بیٹے عبد العزیز بن ولید کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اسے سب سے بڑی شہ حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم (فاتحِ ترکستان) نے دی۔ ان جرنیلوں کو ڈر تھا کہ اگر سلیمان خلیفہ بن گیا تو وہ انہیں معزول کر دے گا، کیونکہ سلیمان ان کی سفاکیوں کا مخالف تھا۔

* تاریخی حوالہ: ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ حجاج نے ولید کو اکسایا کہ "سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بناؤ، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں"۔ (البدایہ والنہایہ، ج9، ص156)

2. علماءِ مدینہ کا جرات مندانہ موقف

* حضرت سعید بن مسیب ؒ کا انکار: جب ولید نے مدینہ میں بیعتِ ثانی (اپنے بیٹے کے لیے) لینے کی کوشش کی، تو سعید بن مسیب ؒ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: "رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک وقت میں دو بیعتوں سے منع فرمایا ہے"۔ اس پاداش میں انہیں کوڑے مارے گئے اور سخت اذیت دی گئی، لیکن وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے۔

* اثر: ان علماء کی مخالفت نے عوامی سطح پر ولید کے اس فیصلے کو غیر شرعی اور غاصبانہ ثابت کر دیا۔

3. سلیمان بن عبد الملک: ملوکیت میں اصلاح کا آغاز

96ھ میں ولید کی اچانک وفات نے سلیمان کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ سلیمان کے تخت نشین ہوتے ہی بنو امیہ کی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی آئی:

* ظالموں کا محاسبہ: سلیمان نے آتے ہی حجاج کے مقرر کردہ گورنروں کو معزول کیا۔ اس نے محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم جیسے جرنیلوں کے خلاف سخت کارروائی کی (جو کہ تاریخ کا ایک المناک پہلو بھی ہے)۔

* قیدیوں کی رہائی: حجاج کے دور کے ہزاروں بے گناہ قیدیوں کو رہا کیا گیا۔

* تاریخی جملہ: مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب سلیمان نے قیدیوں کو رہا کیا اور نظام بدلا، تو لوگوں نے اسے "مفتاح الخیر" (بھلائی کی چابی) کا لقب دیا۔ (تاریخ الطبری، ج6، ص495)

4. قسطنطنیہ کا محاصرہ (98ھ)

سلیمان کے دور کا سب سے بڑا فوجی واقعہ قسطنطنیہ (Constantinople) کا عظیم محاصرہ ہے، جس کی قیادت اس کے بھائی مسلمہ بن عبد الملک نے کی۔ اگرچہ یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی، لیکن اس نے بنو امیہ کی فوجی طاقت کا رعب پوری دنیا پر بٹھا دیا۔

> "ولید کی اپنے بھائی سلیمان کو ہٹانے کی کوشش نے بنو امیہ کے اندرونی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اگرچہ سلیمان تخت نشین ہو گیا، لیکن اس رنجش نے خاندان کے اندر وہ دراڑیں ڈال دیں جنہوں نے آگے چل کر ہشام بن عبد الملک اور ولید ثانی کے دور میں خانہ جنگی کی صورت اختیار کی۔ سلیمان کا سب سے بڑا احسان امت پر یہ تھا کہ اس نے مرتے وقت 'رجاء بن حیوہ' کے مشورے پر عمر بن عبد العزیزؒ کو نامزد کر کے ملوکیت کے اندھیرے میں خلافت کی شمع دوبارہ روشن کر دی۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عہدِ خلافت (99ھ-101ھ)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا عہدِ خلافت ملوکیت کے تپتے ہوئے صحرا میں خلافتِ راشدہ کا ایک ٹھنڈا جھونکا تھا۔

ہم اس عظیم الشان دور کا آغاز سلیمان بن عبد الملک کی وفات اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تخت نشینی کے اس ڈرامائی اور رقت آمیز منظر سے کرتے ہیں جہاں سے ایک نیا انقلاب شروع ہوا۔

سلیمان بن عبد الملک کی وصیت اور رجاء بن حیوہ کا کردار

عنوان: ملوکیت کا آخری چراغ اور خلافت کی واپسی کا خفیہ منصوبہ

99ہجری کا سال تھا، اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک مرض الموت میں مبتلا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے کسی بیٹے کو ولی عہد بنائے، لیکن اس کے بیٹے ابھی کم عمر تھے۔ سلیمان کے دربار میں ایک نہایت زیرک اور نیک سیرت تابعی رجاء بن حیوہؒ موجود تھے۔

* سلیمان کی فکر اور رجاء کا مشورہ: سلیمان نے رجاء بن حیوہ سے مشورہ کیا کہ "میں کسے خلیفہ بناؤں؟" رجاء نے دیکھا کہ یہ ملوکیت کے سلسلے کو توڑنے کا بہترین موقع ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا: "اے امیر المومنین! اگر آپ اپنی قبر میں امن چاہتے ہیں، تو اپنے خاندان کے سب سے نیک شخص عمر بن عبد العزیز کو نامزد کر دیں اور ان کے بعد اپنے بھائی یزید بن عبد الملک کو، تاکہ بنو امیہ کے دیگر شہزادے بغاوت نہ کریں۔"

* خفیہ وصیت: سلیمان نے ایک وصیت لکھی، اسے مہر بند کیا اور رجاء بن حیوہ کو حکم دیا کہ میری زندگی میں کسی پر یہ ظاہر نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ اس نے بنو امیہ کے تمام شہزادوں سے اس "مہر بند وصیت" پر بیعت لے لی کہ اس میں جو بھی لکھا ہے ہم اسے تسلیم کریں گے۔

* تاریخی حوالہ: (تاریخ الطبری، ج6، ص548 / ابنِ جوزی، سیرت عمر بن عبد العزیز، ص58)

سلیمان بن عبد الملک اور عمر بن عبد العزیزؒ آپس میں فرسٹ کزن (چچازاد بھائی) تھے۔

سلیمان بن عبد الملک کے والد عبد الملک بن مروان تھے۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے والد عبد العزیز بن مروان تھے۔

(یہ دونوں بھائی، یعنی عبد الملک اور عبد العزیز، مروان بن الحکم کے بیٹے تھے)۔

ایک اور رشتہ: سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیزؒ کے سالے بھی تھے، کیونکہ عمر بن عبد العزیزؒ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبد الملک، سلیمان کی سگی بہن تھیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ کا نسب

عمر بن عبد العزیزؒ کا نسب دو عظیم شاخوں کا ملاپ ہے، جس کی وجہ سے انہیں "اشج بنو امیہ" بھی کہا جاتا ہے۔

پدری نسب (بنو امیہ):

عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ۔ (یہاں سے ان کا سلسلہ نسب امیہ بن عبد شمس تک پہنچتا ہے)۔

مادری نسب

یہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے باب کا وہ خوبصورت ترین نکتہ ہے جو ان کی شخصیت کی روح اور ان کے خون میں شامل خوفِ خدا کی اصل وضاحت کرتا ہے۔

علماءِ تاریخ کے مطابق، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ محض ایک سیاسی انتخاب نہیں تھے، بلکہ وہ اس تقویٰ کا میراثی ثمر تھے جس کی بنیاد ان کی نانی نے دودھ میں پانی نہ ملا کر رکھی تھی۔

شجرہِ مبارکہ — عدل اور تقویٰ کا سنگم

عنوان: ایک بیٹی کا تقویٰ اور تاریخِ اسلام کا عظیم خلیفہ

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی شخصیت کا وہ پہلو جو انہیں بنو امیہ کے دیگر شہزادوں سے ممتاز کرتا ہے، ان کا مادری شجرہ ہے۔ آپؒ کی والدہ کا نام ام عاصم لیلیٰ بنت عاصم تھا، جو حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عاصم بن عمرؒ کی بیٹی تھیں۔

*** واقعہِ لبن (دودھ کا قصہ):**

وہ مشہور واقعہ (لبن کی لڑکی)

پس منظر

حضرت عمر بن خطابؓ

راتوں کو مدینہ میں گشت کرتے تھے

رعایا کے حالات خود جاننا چاہتے تھے

ایک رات:

ایک گھر سے ماں اور بیٹی کی گفتگو سنی

ماں نے کیا کہا؟

ماں نے بیٹی سے کہا:

یابُنَيَّةُ، امزُجِي اللَّبَنَ بالماءِ

(بیٹی! دودھ میں پانی ملا دو)

بیٹی کا جواب (اصل جملہ)

بیٹی نے کہا:

یا اُمَّاہُ، اِنَّ اَمیرَ المؤمنینَ نھی عن ذلک

ماں! امیر المؤمنین نے اس سے منع کیا ہے

ماں نے کہا:

عمر کہاں دیکھ رہا ہے؟

تو لڑکی نے تاریخی جواب دیا:

اِن کان عمرُ لا یرانا فاِنَّ ربَّ عمرَ یرانا

اردو مفہوم:

اگر عمر ہمیں نہیں دیکھ رہا

تو عمر کا رب ہمیں دیکھ رہا ہے

حضرت عمرؓ کا ردِ عمل

حضرت عمرؓ یہ سن کر:

ٹھٹھک گئے

بہت متاثر ہوئے

انہوں نے فرمایا:

هذه واللہِ امرأةٌ مؤمنة

(اللہ کی قسم! یہ ایمان والی عورت ہے)

پھر کیا ہوا؟

حضرت عمرؓ نے:

اپنے بیٹے عاصم بن عمرؓ کو بلایا

فرمایا:

اس گھر کا پتا لگاؤ

اور اس لڑکی سے تمہاری شادی کا پیغام دو

عاصمؓ کی شادی:

اسی لڑکی سے ہوئی

نتیجہ (بہت اہم نکتہ)

اسی نکاح سے:

ایک بیٹی پیدا ہوئیں

ان ہی کی اولاد میں:

عمر بن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے

یوں:

عدلِ فاروقی + تقویٰ کی میراث

عمر بن عبد العزیزؒ میں جمع ہو گئی

* نسلوں کی منتقلی: اس پاکباز خاتون اور عاصم بن عمرؓ کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام "ام عاصم" رکھا گیا۔ ان کا نکاح جب اموی شہزادے عبد العزیز بن مروان سے ہوا، تو ان کے گھر عمر بن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے۔

* خون کا اثر: مورخین لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ میں اپنے نانا حضرت عمر فاروقؓ کی شباہت (شکل) بھی تھی اور ان کا مزاجِ عدل بھی۔ آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے: "مجھے اپنے نانا عمر بن خطابؓ کی سیرت پر چلنے سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں۔"

فاروقِ اعظمؓ کی پیش گوئی اور عمر بن عبد العزیزؒ

عنوان: وہ زخم جس نے ملوکیت کا چہرہ بدل دیا

تاریخ میں ایک اور خوبصورت روایت ملتی ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کی فراست کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

* پیش گوئی: حضرت عمر فاروقؓ اکثر فرمایا کرتے تھے: "میری اولاد میں سے ایک ایسا شخص ہو گا جس کے چہرے پر نشان (زخم) ہو گا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہو گی۔"

* اتفاق یا قدرت کا فیصلہ: جب عمر بن عبد العزیزؒ چھوٹے تھے، تو ایک بار اصطبل میں ایک گھوڑے نے انہیں لات ماری جس سے ان کی پیشانی پر گہرا زخم آیا۔ آپ کے والد عبد العزیز بن مروان یہ دیکھ کر رونے لگے، لیکن آپ کی والدہ (ام عاصم) نے مسکرا کر کہا: "روئیں نہیں، اگر یہ وہی نشان والا لڑکا ہے جس کی خبر عمر فاروقؓ نے دی تھی، تو یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔"

* تاریخی حوالہ: (ابنِ عساکر، تاریخ دمشق / سیرت عمر بن عبد العزیز، ابن جوزی)

>"یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ پاکیزہ رزق اور تقویٰ کی بنیاد پر اٹھنے والی نسلیں ہی امت کا مقدر بدلتی ہیں۔ ایک گمنام لڑکی کا دودھ میں پانی نہ ملانا بظاہر ایک چھوٹا سا عمل تھا، لیکن اس کے بطن سے اللہ نے وہ وجود پیدا کیا جس نے ملوکیت کے 60 سالہ گند کو دھو کر رکھ دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ دراصل اس 'خوفِ خدا' کا انعام تھے جو ان کی نانی کے دل میں بستا تھا۔"

عبد العزیز بن مروان (عمر بن عبد العزیزؒ کے والد) کبھی خلیفہ نہیں بنے، حالانکہ وہ اس کے بہت قریب تھے۔

آیئے اس کی تاریخی وجہ دیکھتے ہیں

عبد العزیز بن مروان کی محرومی کی وجہ

جانشینی کی ترتیب: مروان بن الحکم نے مرنے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبد الملک خلیفہ بنے گا اور عبد الملک کے بعد عبد العزیز (عمر بن عبد العزیزؒ کے والد) کی باری آئے گی۔

مصر کی گورنری: عبد الملک کے دورِ خلافت میں عبد العزیز بن مروان مصر کے گورنر تھے اور وہ وہاں نہایت مقبول اور طاقتور حکمران ثابت ہوئے۔

عبد الملک کی خواہش: وقت گزرنے کے ساتھ عبد الملک بن مروان کی خواہش ہوئی کہ ان کے بعد ان کا بھائی نہیں بلکہ ان کا اپنا بیٹا (ولید بن عبد الملک) خلیفہ بنے۔ اس بات پر دونوں بھائیوں میں اختلاف بھی ہوا، لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ عبد الملک کی زندگی ہی میں ان کے بھائی عبد العزیز بن مروان کا انتقال ہو گیا۔

چونکہ عبد العزیز بن مروان اپنے بھائی (خلیفہ) سے پہلے وفات پا گئے، اس لیے خلافت کی باری ان تک پہنچ ہی نہ سکی اور عبد الملک کے بعد ان کا بیٹا ولید بن عبد الملک تخت پر بیٹھا۔

یہاں تاریخ کا ایک عجیب معجزہ دیکھیں۔ عبد العزیز بن مروان خود تو خلیفہ نہ بن سکے، لیکن اللہ نے ان کی نسل میں وہ برکت دی کہ ان کا بیٹا عمر بن عبد العزیزؒ نہ صرف خلیفہ بنا بلکہ اس نے وہ نام کمایا جو بنو امیہ کے کسی اور حکمران کے حصے میں نہ آیا۔

وصیت کا اعلان اور عمر بن عبد العزیزؒ کی کیفیت

عنوان: تخت کی پیشکش اور ایک فقیرِ منش شہزادے کا اضطراب

جب سلیمان بن عبد الملک کا انتقال ہو گیا، تو رجاء بن حیوہ نے جامع مسجد دمشق میں بنو امیہ کے تمام افراد کو جمع کیا تاکہ وصیت کھولی جائے۔

* وصیت کا کھلنا: رجاء بن حیوہ نے وصیت پڑھی: "بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ اللہ کے بندے سلیمان کی طرف سے عمر بن عبد العزیز کے نام ہے کہ میں نے انہیں اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا..."

* عمر بن عبد العزیزؒ کا ردعمل: جیسے ہی آپؒ کا نام لیا گیا، آپ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آپؒ منبر کے قریب ہی بیٹھے تھے، آپ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور آپ نے پکار کر کہا: "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ آپؒ اس ذمہ داری کے بوجھ سے کانپ رہے تھے۔

* انکار کی کوشش: آپؒ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: "اے لوگو! میں اس عہدے کا طلبگار نہیں تھا، نہ تم سے مشورہ کیا گیا، نہ میں اس کا اہل ہوں۔ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں، تم جسے چاہو چن لو۔"

* لوگوں کا جواب: مسجدِ دمشق میں موجود مجمع نے یک زبان ہو کر کہا: "اے عمر! ہم نے آپ کو چن لیا اور ہم آپ ہی پر راضی ہیں۔"

* تاریخی حوالہ: (البدایہ والنہایہ، ج9، ص 191)

خلافت سے فرار اور ملوکیت کے پروٹوکول کا خاتمہ

عنوان: شاہی سواری کا ٹھکرانا اور خلافت کی سادگی کا آغاز

یہ وہ لمحہ تھا جہاں سے ملوکیت کا خاتمہ شروع ہوا۔ جیسے ہی بیعت مکمل ہوئی، شاہی دربار کے روایتی لوازمات سامنے لائے گئے۔

* شاہی سواریاں (مرکبِ خلافت): خلیفہ کے لیے خاص شاہی گھوڑے اور خچر لائے گئے جن پر ریشمی زینیں لگی تھیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے انہیں دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ آپؒ نے فرمایا: "یہ گھوڑے واپس لے جاؤ، میرا اپنا خچر میرے لیے کافی ہے۔"

* پہرے داروں کا خاتمہ: جب پولیس کے سربراہ (صاحب الشرطہ) نے نیزہ لے کر آپ کے آگے چلنا چاہا تاکہ راستہ صاف کرے، تو آپؒ نے اسے روک دیا اور فرمایا: "مجھے تمہاری ضرورت نہیں، میں مسلمانوں کا ایک عام آدمی ہوں۔"

* قصرِ خلافت سے دوری: آپؒ کو شاہی محل (قصرِ خضراء) میں جانے کی دعوت دی گئی، لیکن آپؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا: "وہاں سلیمان کے اہل و عیال موجود ہیں، میں اپنے خیمے یا عام گھر میں رہوں گا۔"

* تاریخی حوالہ: (ابنِ کثیر، ج9، ص 193)

"تاریخِ انسانی میں یہ انوکھا واقعہ تھا کہ ایک شخص کو پوری دنیا کی بادشاہت دی جا رہی تھی اور وہ اس سے اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے کوئی آگ سے بھاگتا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ جانتے تھے کہ یہ 'تخت' نہیں بلکہ 'کانٹوں کی سیج' ہے اور اس کا حساب اللہ کے ہاں بہت سخت ہو گا۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کا یہ مرحلہ تاریخِ اسلام کا وہ کٹھن ترین موڑ ہے جہاں سے "موروثی ملوکیت" کے ڈھانچے پر ضرب پڑنا شروع ہوئی۔

عنوان: ملوکیت کے مالِ غصب کی واپسی اور خاندانی مزاحمت

تخت نشینی کے فوراً بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے محسوس کیا کہ جب تک وہ اپنے خاندان (بنو امیہ) کے پاس موجود ناجائز جائیدادیں بیت المال میں واپس نہیں لاتے، وہ دوسروں کو انصاف کی تلقین نہیں کر سکتے۔

* پہلا بڑا فیصلہ: آپؒ نے حکم دیا کہ وہ تمام باغات، زمینیں اور اموال جو بنو امیہ کے شہزادوں کو شاہی عطیات کے نام پر دیے گئے تھے، وہ سب مسلمانوں کا مشترکہ مال ہیں اور انہیں بیت المال میں جمع کرایا جائے۔

* اپنا گھرانہ: آپؒ نے اپنی زوجہ فاطمہ بنت عبد الملک (جو ایک خلیفہ کی بیٹی، ایک کی بہن اور ایک کی بیوی تھیں) سے فرمایا: "تمہارے پاس جو یہ قیمتی زیورات اور ہیرے جواہرات ہیں، یہ مسلمانوں کے مال سے آئے ہیں۔ اب تمہارے پاس دو راستے ہیں؛ یا تو یہ سب بیت المال میں جمع کرا دو یا پھر مجھ سے الگ ہو جاؤ، کیونکہ میں ایک گھر میں اللہ کا مال اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا شارح ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

* فاطمہ کا جواب: اس عظیم خاتون نے بلا تامل تمام زیورات بیت المال میں جمع کرا دیے اور فرمایا: "مجھے آپ کی رفاقت ان تمام دنیاوی خزانوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

* تاریخی حوالہ: (ابنِ جوزی، سیرت عمر بن عبد العزیز، ص 62)

بنو امیہ کے شہزادوں کا احتجاج اور عمر بن عبد العزیزؒ کا دوٹوک موقف

عنوان: ملوکیت کی چیخیں اور عدلِ فاروقی کا احیاء

جب بنو امیہ کے شہزادوں نے دیکھا کہ ان کے جاگیریں اور مراعات چھینی جا رہی ہیں، تو وہ اکٹھے ہو کر آپ کے پاس آئے۔

* شہزادوں کا وفد: بنو امیہ کے بااثر لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا: "اے عمر! آپ سے پہلے کے خلفاء ہمیں یہ سب دیتے رہے ہیں، آپ کیوں ہم سے یہ چھین رہے ہیں؟ کیا آپ اپنے ہی خاندان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں؟"

* ایمانی جواب: آپؒ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: "میرے نزدیک ایک عام مسلمان کا حق تمہارے خاندانی رشتوں سے زیادہ مقدم ہے۔ اگر میں نے عدل نہ کیا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا؟"

* ہشام بن عبد الملک کی دھمکی: جب ہشام نے سخت لہجہ اختیار کیا تو آپؒ نے فرمایا: "خدا کی قسم! اگر تم نے حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالی تو میں تمہیں بھی عام مجرموں کی طرح سزا دوں گا۔"

* تاریخی اثر: یہ پہلا موقع تھا کہ کسی اموی خلیفہ نے اپنے ہی خاندان کے خلاف کھڑے ہو کر مظلوموں کا ساتھ دیا تھا۔

بیت المال کی صفائی اور شاہی اصطبل کی نیلامی

عنوان: شاہانہ ٹھاٹ باٹ کا جنازہ اور سادگی کا نفاذ

* شاہی سامان کی فروخت: آپؒ نے حکم دیا کہ سابقہ خلفاء کے زیرِ استعمال ریشمی لباس، بیش قیمت قالین اور خوشبوئیں نیلام کر دی جائیں اور ان کی رقم بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

* کھانے پینے کی سادگی: خلیفہ وقت کا دستر خوان جو کبھی طرح طرح کے کھانوں سے بھرا ہوتا تھا، اب وہاں صرف دال، روٹی اور زیتون کا تیل ہوتا تھا۔ آپؒ سرکاری چراغ تک اپنے ذاتی کام کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔

* تاریخی حوالہ: (البدایہ والنہایہ، ج9، ص198)

"حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ملوکیت کو 'مقدس' سمجھنے کے بجائے اسے ایک 'امانت' سمجھا جس کا حساب دینا ضروری تھا۔ ان کے اس عمل نے بنو امیہ کے اندر ایک ایسی آگ لگا دی جو آخر کار آپ کی جان لینے پر ختم ہوئی، لیکن ان ڈھائی سالوں نے اسلام کے سیاسی نظام کو دوبارہ زندہ کر دیا۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کا یہ مرحلہ تاریخِ اسلام کا وہ کٹھن ترین موڑ ہے جہاں سے "موروثی ملوکیت" کے ڈھانچے پر ضرب پڑنا شروع ہوئی۔

فدک کی واپسی اور حقوقِ اہلِ بیت کا احیاء

عنوان: بنو امیہ کے سب سے بڑے سیاسی بوجھ کا خاتمہ

باغِ فدک کی جائیداد بنو امیہ اور اہل بیت کے درمیان ایک طویل عرصے سے متنازع چلی آ رہی تھی۔ مروان بن حکم نے اسے اپنی ذاتی جاگیر بنالیا تھا اور اس کی آمدنی صرف مروانی خاندان پر خرچ ہوتی تھی۔

* عمر بن عبد العزیزؒ کا پہلا خطبہ برائے فدک: آپؒ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: "فدک رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں تھا، آپ اس سے بنی ہاشم کے بچوں کی کفالت فرماتے تھے، پھر ابو بکرؓ اور عمرؓ نے بھی یہی کیا۔ پھر مروان نے اسے اپنی جاگیر بنالیا۔ میں نے غور کیا تو دیکھا کہ جس چیز پر رسول اللہ ﷺ کا حق تھا، اس پر میرا یا میرے خاندان کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔"

* عملی قدم: آپؒ نے اسی وقت فدک کے کاغذات منگوائے اور بھرے مجمع میں انہیں چاک کر دیا اور حکم دیا کہ: "آج سے فدک اسی حالت پر واپس جاتا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا۔"

* اہلِ بیت کا ردِ عمل: جب یہ خبر مدینہ پہنچی، تو حضرت ابو بکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ اور اہل بیت کے اکابرین نے اسے عدلِ فاروقی کی واپسی قرار دیا۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص389 / سیرت عمر بن عبد العزیز، ابن جوزی)

بیت المال اور شاہی عطیات کی بندش

عنوان: شاہی خاندان کے لیے "بندگلی" اور عامۃ المسلمین کے لیے کشادگی

اموی خلفاء بیت المال سے سیاسی وفاداریاں خریدتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس جڑ پر وار کیا:

* وظائف کا خاتمہ: بنو امیہ کے شہزادوں کو ریاست کی طرف سے جو بھاری ماہانہ وظائف ملتے تھے، آپؒ نے وہ سب بند کر دیے۔ آپؒ نے فرمایا: "اگر تم کام کرو گے تو تمہیں عام مسلمانوں جتنا حصہ ملے گا، محض خاندان کی بنیاد پر کوئی اضافی درہم نہیں ملے گا۔"

* سیاسی رشوت کی بندش: شعراء اور درباری مداح جو قصیدے لکھ کر لاکھوں درہم لے جاتے تھے، آپؒ نے انہیں دربار سے نکال دیا اور فرمایا: "تمہارے پاس زبان ہے تو اسے اللہ کے ذکر میں استعمال کرو، یہاں جھوٹی تعریف کے پیسے نہیں ملیں گے۔"

* نتیجہ: اس اقدام سے بیت المال میں اتنی وسعت پیدا ہوئی کہ ڈھائی سال کے اندر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ زکوٰۃ لے کر نکلتے تھے اور اسے لینے والا کوئی غریب نہیں ملتا تھا۔

* تاریخی حوالہ: (البدایہ والنہایہ، ج9، ص201)

خلافتِ راشدہ کے پانچویں خلیفہ (علماء کی رائے)

عنوان: ملوکیت کے تسلسل میں ایک روحانی انقطاع

* امام سفیان ثوریؒ کا قول: "خلفاء پانچ ہیں: ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور عمر بن عبد العزیز۔"

* شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شرح: شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اس وقت "تجدیدِ دین" کی جب ملوکیت نے خلافت کے خدوخال مٹا دیے تھے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اقتدار کے عروج پر رہ کر بھی اللہ کا بندہ بن کر رہا جا سکتا ہے۔

> "اموی دور میں بیت المال 'خاندان کی ملکیت' بن چکا تھا، لیکن عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے 'اللہ کی امانت' میں بدل دیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اصل حکمرانی زمینوں پر نہیں بلکہ دلوں پر ہوتی ہے، اور دلوں کو فتح کرنے کا راستہ 'عدل' ہے، 'خوف' نہیں۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جب نظامِ خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، تو انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ مرکز (دمشق) میں کی جانے والی اصلاحات تب تک ثمر آور نہیں ہو سکتیں جب تک کہ صوبوں میں موجود ظالم اور جابر گورنروں کا قلع قمع نہ کیا جائے۔

ان کا "احتسابی عمل" محض سیاسی تبادلے نہیں تھے، بلکہ ملوکیت کے جبر کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی ایک منظم مہم تھی۔

ظالم گورنروں کی معزولی—حجاج کے اثرات کا خاتمہ

عنوان: ملوکیت کے کارندوں سے نجات اور تقویٰ کی بنیاد پر تقرری

حجاج بن یوسف نے عراق اور دیگر علاقوں میں ایسے گورنر تعینات کر رکھے تھے جو صرف "تلوار اور ٹیکس" کی زبان جانتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ بنتے ہی ان کا محاسبہ شروع کیا۔

* یزید بن ابی مسلم (گورنر افریقہ): یہ حجاج کا دستِ راست اور اس کا کاتب تھا۔ اس نے شمالی افریقہ میں نو مسلم بربروں پر بھی جزیہ لگا رکھا تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے معزول کیا اور حکم دیا کہ "جو مسلمان ہو جائے، اس سے جزیہ لینا حرام ہے"۔

* صالح بن عبد الرحمن (گورنر عراق): اس نے بیت المال کے اموال میں خرد برد کی تھی۔ آپؒ نے اسے معزول کر کے پابندِ سلاسل کیا یہاں تک کہ اس نے ایک ایک درہم کا حساب دیا۔

* خالد بن ریان (جلاد اور پہرے دار): یہ وہ شخص تھا جو سابقہ خلفاء کے دربار میں تلوار لے کر کھڑا رہتا اور اشارہ ملتے ہی گردن اڑا دیتا۔ آپؒ نے اسے ہٹا کر فرمایا: "اے خالد! اپنی تلوار رکھ دو، اب ہمیں خون بہانے کی نہیں، آنسو بہانے کی ضرورت ہے"۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5، ص 45)

گورنروں کے لیے نیا ضابطہِ اخلاق

عنوان: حاکمِ وقت اب عوام کا خادم ہے، مالک نہیں

آپؒ نے تمام صوبائی گورنروں کے نام ایک تاریخی فرمان جاری کیا جس نے حکمرانی کے تصور کو بدل دیا۔

* ظلم کی ممانعت: آپؒ نے لکھا: "اگر تم نے کسی مظلوم کا حق نہ دیا یا کسی پر زیادتی کی، تو یاد رکھو کہ تمہارا امیر (خلیفہ) تمہارا سب سے بڑا دشمن ہو گا"۔

* ہدیہ اور رشوت پر پابندی: آپؒ نے گورنروں کے لیے ہدیہ (Gifts) لینا ممنوع قرار دے دیا اور فرمایا: "سابقہ دور میں یہ ہدیہ تھا، لیکن آج یہ صریح رشوت ہے"۔

* عوامی کچہری: آپؒ نے حکم دیا کہ ہر گورنر ہفتے میں ایک دن عوام کے لیے عام دربار لگائے جہاں کسی چوبدار یا پہرے دار کی ضرورت نہ ہو، تاکہ ہر غریب اپنی شکایت براہِ راست پہنچا سکے۔

* تاریخی حوالہ: (طبقات ابنِ سعد، تذکرہ عمر بن عبد العزیز)

مالیات کی تطہیر اور جزیہ کا خاتمہ

عنوان: اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بننے والے ٹیکسوں کا خاتمہ

اموی گورنروں نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے بہت سے غیر شرعی ٹیکس لگا رکھے تھے۔

* نومسلموں سے جزیہ: خراسان اور افریقہ کے گورنروں کا کہنا تھا کہ "اگر لوگ مسلمان ہو گئے تو جزیہ ختم ہو جائے گا اور بیت المال خالی ہو جائے گا"۔

* عمر بن عبد العزیزؒ کا جواب: جب گورنر نے یہ شکایت لکھی تو آپؒ نے وہ تاریخی جملہ لکھا جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے:

> "إنّ الله بعث محمداً صلّى الله عليه وسلّم داعياً ولم يبعثه جابياً"

> "بیشک اللہ نے محمد ﷺ کو داعی (حق کی طرف بلانے والا) بنا کر بھیجا تھا، ٹیکس وصول کرنے والا (Collector) بنا کر نہیں بھیجا تھا"۔

* آپؒ نے حکم دیا کہ جو کلمہ پڑھ لے، اس کا جزیہ اسی وقت معاف کر دیا جائے۔ اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا قبولِ اسلام کا ریلا اسی دور میں آیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ثابت کیا کہ ریاست کی مضبوطی "خزانے کے بھرنے" سے نہیں بلکہ "انصاف کے قائم ہونے" سے ہوتی ہے۔ جب انصاف قائم ہوا تو لوگوں کے دل جیتے گئے، اور جب دل جیتے گئے تو سلطنت خود بخود مستحکم ہو گئی۔

یہ حصہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس عظیم کارنامے کو اجاگر کرتا ہے جس نے امتِ مسلمہ کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا۔ بنو امیہ کے دور میں منبروں سے اہلِ بیتِ اطہارؓ پر جو دشنام طرازی (سب و شتم) کی بدعت جاری تھی، اسے ختم کرنا تاریخِ اسلام کا ایک ایسا انقلاب تھا جس نے سیاسی نفرتوں کو ختم کر کے محبت اور احترام کی بنیاد رکھی۔

منبروں سے سب و شتم کا خاتمہ — ایک سیاہ دور کا اختتام

بنو امیہ کے دور میں، خاص طور پر معاویہؓ کے دور کے آخری حصے سے شروع ہو کر مروان اور عبد الملک کے دور تک، ایک انتہائی قبیح رسم چل پڑی تھی کہ جمعہ کے خطبوں میں (نعوذ باللہ) حضرت علیؓ اور اہلِ بیت پر سب و شتم کیا جاتا تھا۔ یہ عمل تقریباً 60 سال تک جاری رہا۔

* عمر بن عبد العزیزؒ کا کرب: آپؒ بچپن سے اس عمل کو دیکھتے تھے اور اسے اسلام کی روح کے خلاف سمجھتے تھے۔ خلیفہ بنتے ہی آپؒ نے پہلا حکم یہ جاری کیا کہ پوری سلطنت میں کسی بھی منبر سے حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی نہیں کی جائے گی۔

* تاریخی فرمان: آپؒ نے تمام گورنروں کو لکھا: "آج کے بعد اگر کسی خطیب نے منبر سے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو برا بھلا کہا، تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔"

* تبدیلی کا طریقہ: آپؒ نے صرف اس برائی کو روکا نہیں، بلکہ اس کی جگہ ایک ایسی آیتِ مبارکہ کو خطبہ کا حصہ بنا دیا جو آج بھی پوری دنیا میں جمعہ کے دوسرے خطبے کا لازمی حصہ ہے:

> "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ"

> (بے شک اللہ عدل، احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے...)

* اہلِ بیت کی مدح: آپؒ نے حکم دیا کہ خطبوں میں خلفائے راشدین اور اہلِ بیت کے فضائل بیان کیے جائیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت دوبارہ پیدا ہو۔

یزید کو "امیر المومنین" کہنے پر سزا

عنوان: ملوکیت کے جھوٹے القابات پر ضربِ حیدری

عمر بن عبد العزیزؒ القابات کے غلط استعمال کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

* واقعہ: آپؒ کی مجلس میں جب ایک شخص نے یزید بن معاویہ کو "امیر المومنین" کہہ کر پکارا، تو آپؒ جلال میں آ گئے۔ آپؒ نے فرمایا: "کیا تو اسے امیر المومنین کہتا ہے؟" اور اسے 20 کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

* مقصد: اس سزا کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ "امیر المومنین" کا منصب صرف اس کے لیے ہے جو تقویٰ، عدل اور امت کے اتفاق پر قائم ہو، نہ کہ اس کے لیے جس کے دور میں کعبہ کی حرمت پامال ہوئی اور اہل بیت کا خون بہایا گیا۔

* تاریخی حوالہ: (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج9، ص234 / الصواعق المحرقہ)

عوامی ردِ عمل اور تاریخی اثرات

جب منبروں سے سب و شتم کا خاتمہ ہوا اور حضرت علیؓ کی شان میں کلماتِ خیر کہے جانے لگے، تو عالمِ اسلام میں ایک لہر دوڑ گئی۔

* حضرت کثیر بن کثیرؒ کا قول: "عمر بن عبد العزیز نے حضرت علیؓ کی دشمنی ختم کر کے ثابت کر دیا کہ وہ سچے 'عمرِ ثانی' ہیں۔"

* بنو امیہ کی تشویش: بنو امیہ کے شہزادوں کو ڈر لگنے لگا کہ اگر اسی طرح اہل بیت کی محبت عام ہوتی رہی، تو ان کی ملوکیت کی جڑیں کٹ جائیں گی۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ عمر بن عبد العزیزؒ ان کے سیاسی مفادات کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن چکے ہیں۔

> "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے منبر کو سیاست کا اوزار بنانے کے بجائے اسے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ ایک حکمران کا کام اپنے مخالفین کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ حق کا بول بالا کرنا ہے۔ ان کے اس ایک فیصلے نے شیعہ اور سنی کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج کو وقتی طور پر مٹا دیا تھا اور امت ایک جسم کی طرح متحد ہو گئی تھی۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کا ایک بہت بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے فتنوں کو صرف تلوار سے نہیں بلکہ علم، دلیل اور مکالمے سے حل کرنے کی کوشش کی۔ خوارج، جو ہر اموی حکمران کو کافر اور غاصب سمجھتے تھے، عمر بن عبد العزیزؒ کے عدل کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور تاریخ میں پہلی بار وہ مذاکرات کی میز پر آئے۔

خوارج کے ساتھ مکالمہ — تلوار کے بجائے دلیل کا غلبہ

عنوان: ملوکیت کے جبر کے خلاف فکری جنگ کا خاتمہ

جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ بنے، تو خوارج نے آپس میں مشورہ کیا کہ "یہ شخص (عمر) دیگر امویوں جیسا نہیں ہے، ہمیں اس کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ پہلے اس سے بات کرنی چاہیے۔"

* خوارج کا وفد: خوارج کے ایک بڑے گروہ نے اپنا ایک وفد (جس کی قیادت "عاصم" یا کچھ روایات کے مطابق "بسطام" کر رہا تھا) آپؒ کے پاس بھیجا۔

* عمر بن عبد العزیزؒ کی شرط: آپؒ نے ان سے فرمایا: "اگر تم حق کی تلاش میں ہو تو میں تمہارے ساتھ مناظرے کے لیے تیار ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ اگر میری بات سچی ثابت ہوئی تو تم فتنہ و فساد چھوڑ دو گے، اور اگر تمہاری بات سچی ہوئی تو میں اپنی اصلاح کروں گا۔"

* تاریخی حوالہ: (البدایہ والنہایہ، جلد 9، ص 209)

مناظرے کے اہم نکات اور خوارج کے اعتراضات

عنوان: عدلِ عمرؒ کے سامنے خارجیت کی دلیلوں کا اکھڑنا

یہ مناظرہ دمشق کے دربار میں ہوا، جہاں ایک طرف خلافتِ راشدہ کا نمونہ تھا اور دوسری طرف وہ لوگ جو معمولی غلطی پر بھی مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے تھے۔

***پہلا اعتراض (بنو امیہ کا ظلم):**

خارجی نے کہا: "آپ کے خاندان (بنو امیہ) نے ظلم کیا، خون بہایا اور بیت المال کو لوٹا، آپ انہیں کافر کیوں نہیں کہتے اور ان پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟"

* عمر بن عبد العزیزؒ کا حکیمانہ جواب: آپؒ نے فرمایا: "کیا تم فرعون پر لعنت بھیجتے ہو؟" اس نے کہا "نہیں۔" آپؒ نے فرمایا: "جب تم فرعون جیسے کافر پر لعنت بھیجنا فرض نہیں سمجھتے، تو مجھ سے یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو کہ میں اپنے آباؤ اجداد پر لعنت بھیجوں؟ میرا کام ان کے غلط کاموں کو ٹھیک کرنا ہے، نہ کہ زبان سے بدگوئی کرنا۔"

* دوسرا اعتراض (یزید بن عبد الملک کی ولی عہدی): خارجی نے کہا: "آپ نے اپنے بعد یزید بن عبد الملک کو ولی عہد کیوں برقرار رکھا ہے جبکہ وہ عادل نہیں ہے؟"

* آپؒ کا جواب: آپؒ نے فرمایا: "یہ فیصلہ سلیمان بن عبد الملک کر گئے تھے اور میں نے امت کے انتشار کو روکنے کے لیے اسے قبول کیا۔ اگر میں زندہ رہا اور مجھے موقع ملا تو میں وہی کروں گا جو اللہ کو پسند ہو گا۔" (روایات میں ہے کہ آپؒ یزید کو ہٹا کر کسی صالح شخص کو لانا چاہتے تھے)۔

مناظرے کا نتیجہ اور خوارج کا تائب ہونا

عنوان: جب تلواریں میان میں آ گئیں

اس مناظرے کا اثر یہ ہوا کہ خوارج کا وفد لاجواب ہو گیا۔

* وفد کا اعتراف: خارجیوں کے سربراہ نے کہا: "اے عمر! خدا کی قسم آپ کی باتیں حق ہیں، لیکن آپ کا خاندان آپ کو یہ کام مکمل نہیں کرنے دے گا۔"

* خوارج کی خاموشی: تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پورے ڈھائی سالہ دور میں خوارج نے کوئی بڑی بغاوت نہیں کی اور نہ ہی خون بہایا۔ وہ آپؒ کے عدل کے اتنے معترف تھے کہ انہوں نے کہا: "جب تک یہ شخص زندہ ہے، ہم تلوار نہیں اٹھائیں گے۔"

* تاریخی حوالہ: (ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5)

> "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ثابت کیا کہ انتہا پسندی کا علاج گولی یا تلوار نہیں بلکہ 'انصاف' ہے۔ جب ریاست اپنے شہریوں کو ان کے حقوق دیتی ہے اور حکمران کا کردار بے داغ ہوتا ہے، تو بڑے سے بڑا باغی بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خوارج کی خاموشی آپ کے 'عدلِ فاروقی' کی سب سے بڑی مہرِ تصدیق تھی۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت محض ایک سیاسی تبدیلی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک عالمی تبلیغی مشن تھا۔ انہوں نے تلوار کے بجائے "دعوت اور خط و کتابت" کے ذریعے اسلام کی سرحدوں کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں بڑے بڑے لشکر نہ پہنچ سکے تھے۔

سندھ اور برصغیر میں دعوتِ اسلام

عنوان: راجاؤں کے نام خطوط اور جے سنگھ کا قبولِ اسلام

محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد سندھ میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، لیکن بہت سے مقامی راجا ابھی تک اسلام کے مخالف تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک نیا راستہ اپنایا۔

* راجاؤں کے نام خط: آپؒ نے سندھ کے تمام چھوٹے بڑے راجاؤں اور سرداروں کے نام خطوط لکھے جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی اور یہ وعدہ کیا کہ: "اگر تم اسلام قبول کر لو گے، تو تم اپنے ملک کے خود حکمران رہو گے اور تمہارے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔"

* راجا جے سنگھ کا واقعہ: راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ، جو محمد بن قاسم کے بعد بنو امیہ کا سخت دشمن بن چکا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عدل اور ان کے خط سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سندھ کے بے شمار دیگر سردار بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

* نتیجہ: سندھ میں اسلام صرف "فاتحین کے مذہب" کے طور پر نہیں بلکہ "انصاف کے نظام" کے طور پر مقبول ہوا۔

* تاریخی حوالہ: (بلاذری، فتوح البلدان، ص 431)

شمالی افریقہ اور بربر قبائل میں انقلاب

عنوان: جزیہ کا خاتمہ اور لاکھوں انسانوں کا قبولِ اسلام

شمالی افریقہ (مراکش، الجزائر، تیونس) کے بربر قبائل بنو امیہ کے سابقہ گورنروں کے ظلم اور جزیہ کی سختی سے تنگ تھے۔

* تبلیغی وفود کی روانگی: آپؒ نے دس جلیل القدر فقہاء اور علماء کا ایک وفد شمالی افریقہ بھیجا جن کا کام جنگ کرنا نہیں بلکہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سکھانا تھا۔

* پوری قوم کا مسلمان ہونا: جب بربر قبائل نے دیکھا کہ نیا خلیفہ ان سے ٹیکس نہیں مانگ رہا بلکہ ان کے حقوق ادا کر رہا ہے، تو تاریخ بتاتی ہے کہ پورا شمالی افریقہ ایک ہی سال کے اندر مسلمان ہو گیا۔

* گورنر کی شکایت اور جواب: جب گورنر نے لکھا کہ "لوگ جزیہ سے بچنے کے لیے مسلمان ہو رہے ہیں"، تو آپؒ نے وہ تاریخی جواب دیا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں: "اللہ نے محمد ﷺ کو ہادی بنا کر بھیجا تھا، جزیہ لینے والا بنا کر نہیں"۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، ص53)

ماوراء النہر (وسطی ایشیا) میں امن و دعوت

عنوان: قتیبہ بن مسلم کی سختیوں کا ازالہ اور ترکوں کی دلجوئی

وسطی ایشیا (سمرقند، بخارا، کاشغر) میں بھی آپؒ نے یہی پالیسی اپنائی۔

* سمرقند کا عدالتی فیصلہ: ایک مشہور واقعہ ہے کہ سمرقند کے لوگوں نے شکایت کی کہ اموی جرنیل نے ہمیں دعوت دیے بغیر شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک قاضی مقرر کیا جس نے فیصلہ دیا کہ "مسلم فوج شہر خالی کر دے"۔ یہ عدل دیکھ کر سمرقند کے لاکھوں غیر مسلم اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

* سفارت کاری: آپؒ نے ترک سرداروں کو خطوط لکھے اور انہیں دمشق آنے کی دعوت دی۔ آپ کے حسنِ سلوک کی وجہ سے وسطی ایشیا میں اسلام کی جڑیں اس قدر مضبوط ہوئیں کہ وہ علاقہ صدیوں تک علم و عرفان کا مرکز رہا۔

> "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ثابت کر دیا کہ 'دعوت' کی طاقت 'تلوار' کی طاقت سے کہیں زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔ بنو امیہ کے سابقہ خلفاء نے مفتوحہ علاقوں کو صرف 'ٹیکس کی مشین' سمجھا تھا، لیکن عمرؒ نے انہیں 'امت کا حصہ' بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ڈھائی سالہ دور میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے، اتنے پچھلے 80 سالوں میں نہیں ہوئے تھے۔"

اگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تمام کارناموں کو ایک ترازو میں رکھا جائے اور تدوینِ حدیث (حدیثوں کو جمع کرنے) کے کارنامے کو دوسرے میں، تو علمی لحاظ سے یہ کارنامہ بھاری رہے گا۔

تاریخِ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ ریاست کی سطح پر احادیثِ رسول ﷺ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ایک منظم مہم شروع کی گئی۔

تدوینِ حدیث کا آغاز — علمِ نبوی کی حفاظت

عنوان: سرکاری سطح پر حدیثوں کی جمع و ترتیب اور ملوکیت کے فکری اثرات کا تدارک

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پہلے تک احادیث زیادہ تر سینوں میں محفوظ تھیں یا انفرادی طور پر صحابہ و تابعین کے پاس تحریری شکل میں تھیں۔ آپؒ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر علماء اور حفاظِ حدیث رخصت ہو گئے، تو سنتِ نبوی کا یہ عظیم ذخیرہ ضائع ہو جائے گا۔

* تاریخی فرمان: آپؒ نے مدینہ منورہ کے گورنر اور جلیل القدر عالم ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ کے نام ایک سرکاری فرمان جاری کیا:

> "رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو تلاش کرو اور انہیں لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا ڈر ہے۔"

* امام زہریؒ کا انتخاب: آپؒ نے اس عظیم کام کے لیے اپنے دور کے سب سے بڑے محدث امام ابنِ شہاب زہریؒ کو مامور کیا۔ امام زہریؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ کے حکم پر احادیث کو ابواب کی صورت میں مدون (Codify) کرنا شروع کیا۔

* عوامی مہم: آپؒ نے صرف مدینہ ہی نہیں بلکہ تمام بڑے شہروں کے علماء کو خطوط لکھے کہ وہ اپنے پاس موجود احادیث کو سرکاری دفاتر میں جمع کرائیں تا کہ ان کی نقول تیار کر کے پوری مملکت میں پھیلائی جا سکیں۔

* تاریخی حوالہ: (صحیح بخاری، کتاب العلم / موطا امام مالک)

تدوینِ حدیث کی ضرورت کیوں پڑی؟

عنوان: سیاسی فتنے اور وضعی احادیث کا سدِباب

* وضاعین کا فتنہ: بنو امیہ کے دور میں سیاسی اختلافات کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اپنی اپنی سیاسی جماعتوں کے حق میں جھوٹی احادیث گھڑنا شروع کر دی تھیں۔ آپؒ چاہتے تھے کہ صحیح احادیث کو الگ کر کے ایک مستند ریکارڈ قائم کیا جائے۔

* خلفائے راشدین کی سنت کا احیاء: آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ ملوکیت کے ان 60 سالوں میں جو بدعات پیدا ہو گئی ہیں، انہیں سنتِ صحیحہ کے ذریعے ختم کیا جائے۔

* یونیورسٹیوں کا قیام: آپؒ نے علماء کو وظائف دیے تاکہ وہ رزق کی فکر سے آزاد ہو کر حدیث کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہو جائیں۔

اس کارنامے کے دور رس نتائج

عنوان: امام مالکؒ سے امام بخاریؒ تک—ایک علمی شاہراہ کی تعمیر

اس سرکاری سرپرستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ علمِ حدیث میں وہ جان پڑ گئی کہ جس نے آگے چل کر "صحاحِ ستہ" (حدیث کی چھ معتبر کتابوں) کی بنیاد رکھی۔

* پہلی منظم کتاب: اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ امام مالکؒ نے "موطا" لکھی، جسے دنیا کی پہلی منظم فقہی و حدیثی کتاب مانا جاتا ہے۔

* علمی انقلاب: اگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ یہ قدم نہ اٹھاتے، تو شاید آج ہمارے پاس سنتِ نبوی کا وہ صاف اور شفاف ذخیرہ نہ ہوتا جو آج موجود ہے۔

> "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ صرف ایک عادل حکمران ہی نہیں بلکہ ایک عظیم 'مجدد' تھے۔ انہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اسلام کی بقا صرف تلوار میں نہیں بلکہ 'سنتِ رسول ﷺ' کے تحفظ میں ہے۔ ان کے اس ایک فیصلے نے اسلام کو ہمیشہ کے لیے تحریری بنیاد فراہم کر دی، جو ملوکیت کے ہر طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا آخری وقت تاریخِ اسلام کا وہ المناک باب ہے جہاں عدل و انصاف کی شمع کو ملوکیت کے اندھیروں نے زہر کے ذریعے بجھانے کی کوشش کی۔ بنو امیہ کے شہزادے یہ سمجھ چکے تھے کہ اگر عمرؒ مزید کچھ سال زندہ رہ گئے تو بنو امیہ کی موروثی جائیدادیں، شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور سیاسی اثر و رسوخ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

سازش کے محرکات — بنو امیہ کا خوف

عنوان: جب اپنوں کا خون سفید ہو گیا

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ڈھائی سالہ دور میں بنو امیہ کے شہزادے معاشی اور سیاسی طور پر بالکل مفلوج ہو چکے تھے۔ ان کی جائیدادیں چھن چکی تھیں اور وہ ایک عام شہری کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

* فیصلہ کن موڑ: جب شہزادوں کو یہ معلوم ہوا کہ عمرؒ اپنے بعد سلیمان کے بھائی یزید بن عبد الملک کو ولی عہدی سے ہٹا کر کسی صالح اور متقی شخص (جیسے قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ) کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب عمرؒ کا راستہ ہر صورت روکنا ہو گا۔

* غلام کی خرید و فروخت: بنو امیہ کے سرداروں نے خلیفہ کے ایک خاص غلام کو ایک ہزار دینار (سونے کے سکے) کا لالچ دیا اور اسے آزادی کا وعدہ کیا تا کہ وہ خلیفہ کے کھانے یا پینے کی چیز میں زہر ملا دے۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ جوزی، سیرت عمر بن عبد العزیز، ص 311)

زہر خورانی اور خلیفہ کا عفو و درگزر

عنوان: موت کے سامنے بھی عدل کی بالادستی

20 رجب 101 ہجری کو جب آپؒ "دیر سمعان" (شام کا ایک مقام) میں مقیم تھے، اس غلام نے آپ کے پینے کے پانی یا کھانے میں زہر ملا دیا۔

* زہر کا اثر: زہر نے اپنا کام شروع کیا اور آپؒ کی طبیعت بگڑنے لگی۔ آپؒ اپنی بصیرت سے سمجھ گئے کہ یہ کسی کی سازش ہے۔

* غلام سے باز پرس: آپؒ نے اس غلام کو بلایا اور پوچھا: "سچ بتا، تجھے کس چیز نے اس فعل پر اکسایا؟" غلام کانپنے لگا اور رو کر کہنے لگا: "مجھے ایک ہزار دینار دیے گئے اور آزادی کا وعدہ کیا گیا۔"

* عجیب و غریب فیصلہ: آپؒ نے وہ ایک ہزار دینار اس سے لیے اور بیت المال میں جمع کروا دیے، پھر اس سے فرمایا: "جا، میں نے تجھے اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا، یہاں سے بھاگ جا تاکہ کوئی تجھے قتل نہ کر دے۔"

* اپنوں سے بے وفائی کا صدمہ: آپؒ کو جتنا دکھ زہر کا نہ تھا، اس سے زیادہ اس بات کا تھا کہ آپ کا اپنا خاندان آپ کی جان کے درپے ہے۔

صفحہ نمبر 27: آخری لمحات اور وصال

عنوان: "یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم ان کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں سرکشی نہیں چاہتے"

نزع کے وقت آپؒ کی زبان پر اللہ کا ذکر جاری تھا۔ آپ کی زوجہ فاطمہ بنت عبد الملک پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔

* آخری وصیت: آپؒ نے اپنے بچوں کو بلایا اور فرمایا: "میرے پاس تمہیں دینے کے لیے مال نہیں ہے، لیکن میں نے تمہارے لیے تمہارا رب چھوڑا ہے۔ اگر تم نیک بنو گے تو اللہ تمہارا کفیل ہے، اور اگر بدکار بنو گے تو میں تمہیں گناہ کے لیے مال دے کر نہیں جانا چاہتا۔"

* رقت آمیز موت: آخری لمحے میں آپؒ نے لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا اور فرمایا: "میں ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جو نہ انسان ہیں نہ جن (یعنی فرشتے)۔" پھر آپ کی زبان پر سورہ القصص کی یہ آیت تھی:

> تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

>(یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور بہتر انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔)

* وفات: 25 رجب 101 ہجری کو محض 39 سال کی عمر میں اسلام کا یہ روشن ستارہ دمشق کے قریب "دیر سمعان" میں غروب ہو گیا۔

>"عمر بن عبد العزیزؒ کی موت بنو امیہ کے لیے ایک وقتی فتح تھی، لیکن درحقیقت یہ ان کے زوال کا آغاز تھا۔ ان کے بعد ملوکیت اپنے پورے جاہ و جلال اور عیبوں کے ساتھ واپس آئی، جس نے عوام کے دلوں میں وہ نفرت پیدا کی جو آخر کار 132ھ میں بنو امیہ کی تباہی پر ختم ہوئی۔ عمرؒ نے ثابت کر دیا کہ 'خلافت' ممکن ہے، بشرطیکہ حکمران اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو۔"

.عمر بن عبد العزیزؒ کی اولاد کی تعداد

تاریخی مآخذ (جیسے البدایہ والنہایہ اور سیرت عمر بن عبد العزیز) کے مطابق آپؒ کے 14 یا 15 بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے مشہور بیٹوں کے نام یہ ہیں:

* عبد الملک بن عمر (یہ نہایت عابد اور زاہد تھے، والد کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے تھے)۔

* عبد العزیز بن عمر۔

* ابراہیم بن عمر۔

* اسحاق بن عمر۔

.وفات کے وقت ترکہ اور اولاد کی حالت

جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ کے کزن مسلمہ بن عبد الملک (جو بہت امیر تھے) آپ کے پاس آئے اور کہا: "اے امیر المومنین! آپ نے اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں چھوڑا، آپ کے 15 بیٹے ہیں اور ان کے پاس کچھ بھی نہیں، اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے مال سے ان کے لیے وصیت کر دوں؟"

عمر بن عبد العزیزؒ نے تاریخی جواب دیا

> "میں نے ان کا حق نہیں مارا اور نہ ہی میں دوسروں کا حق انہیں دے سکتا ہوں۔ اگر میرے بچے 'صالح' (نیک) ہیں تو اللہ ان کا ولی اور وارث ہے، اور اگر وہ 'نافرمان' ہیں تو میں ان کے لیے مال چھوڑ کر انہیں گناہ پر طاقتور نہیں کرنا چاہتا۔"

آپؒ نے اپنے پیچھے کل 17 دینار چھوڑے تھے، جن میں سے تجہیز و تکفین اور مکان کا کرایہ نکال کر ہر بیٹے کے حصے میں ایک دینار سے بھی کم رقم آئی تھی۔

.بعد میں ان کی اولاد کا کیا بنا؟

یہاں تاریخ کا وہ معجزہ سامنے آتا ہے جو "ملوکیت" اور "توکل" کے فرق کو واضح کرتا ہے۔

* برکت اور غنیٰ: مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہم نے عمر بن عبد العزیزؒ کے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ ایک ایک دن میں سو سو گھوڑے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے صدقہ کرتے تھے، حالانکہ انہیں وراثت میں کچھ نہیں ملا تھا۔ اللہ نے ان کے رزق میں ایسی برکت دی کہ وہ اپنے دور کے امیر ترین اور سخی ترین لوگ بنے۔

* سیاسی مقام: آپؒ کی اولاد نے ملوکیت کی دوڑ سے خود کو دور رکھا۔ تاہم، بنو امیہ کے آخری دور اور بعد میں عباسیوں کے دورِ ابتداء میں بھی اس خاندان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بنو امیہ کے زوال (750ء) کے وقت جب اموی شہزادوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا، تو عمر بن عبد العزیزؒ کی اولاد ان چند لوگوں میں شامل تھی جنہیں ان کے والد کے تقویٰ کی وجہ سے امان دی گئی یا ان سے نرمی برتی گئی۔

* علمی خدمات: آپ کی نسل سے کئی بڑے علماء اور محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے حجاز اور شام میں علمِ حدیث کی خدمت کی۔

> "جہاں بنو امیہ کے دیگر حکمران اپنی اولاد کے لیے محلات اور جاگیریں چھوڑ کر گئے جو بعد میں طوائف الملوکیت کی نذر ہو گئیں، وہیں عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی اولاد کو 'توکل' کی وراثت دی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اقتدار چھنا، تو محلات والے مٹ گئے لیکن عمر بن عبد العزیزؒ کی نسل اپنے علم اور فقر کے باعث باوقار رہی۔"

سازش کے اصل محرک: یزید بن عبد الملک اور بنو امیہ کے شہزادے

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو زہر دینے کی سازش کے پیچھے کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ پورے "اموی اشرافیہ" کا مفاد چھپا تھا، جس کی قیادت بالواسطہ یا بلاواسطہ یزید بن عبد الملک ہی کر رہا تھا۔

1. ولی عہدی سے بے دخلی کا خوف

یہ سب سے بڑا اور بنیادی سبب تھا۔ یزید بن عبد الملک کو معلوم تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ موروثی ملوکیت کو ختم کر کے خلافتِ راشدہ کا "شورائی نظام" واپس لانا چاہتے ہیں۔

* خطرہ: حضرت عمرؒ یہ ارادہ کر چکے تھے کہ یزید بن عبد الملک کو ولی عہدی سے ہٹا کر قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ (جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پوتے اور نہایت متقی انسان تھے) کو خلیفہ نامزد کر دیں۔

* یزید کا ردعمل: یزید بن عبد الملک کے لیے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اگر وہ خلافت سے محروم ہو جاتا تو بنو امیہ کی مروانی شاخ کا اقتدار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔

2. "جاگیروں کی واپسی" کا غصہ

بنو امیہ کے شہزادے حضرت عمرؒ کے اس فیصلے سے سخت نالاں تھے کہ انہوں نے ان سے وہ زمینیں اور باغات چھین لیے تھے جو ان کے باپ دادا نے بیت المال سے ناجائز طور پر لیے تھے۔

* سازش کی میٹنگ: روایات میں آتا ہے کہ بنو امیہ کے بڑے سردار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا: "اگر یہ شخص کچھ عرصہ اور زندہ رہا تو ہم سب فقیر ہو جائیں گے۔" انہوں نے ہی اس غلام کو تیار کیا اور زہر کے لیے بھاری رقم مہیا کی۔

3. یزید بن عبد الملک کا کردار (مورخین کی رائے)

اگرچہ یزید بن عبد الملک نے ظاہری طور پر حضرت عمرؒ کی موت پر غم کا اظہار کیا، لیکن تخت نشین ہوتے ہی اس کے اقدامات نے سازش کی تصدیق کر دی:

* اصلاحات کا خاتمہ: یزید نے خلیفہ بنتے ہی وہ تمام اصلاحات منسوخ کر دیں جو حضرت عمرؒ نے کی تھیں۔ اس نے دوبارہ بنو امیہ کی جاگیریں انہیں واپس کر دیں اور وہی ظالمانہ ٹیکس دوبارہ نافذ کر دیے۔

* تاریخی جملہ: جب یزید تخت پر بیٹھا تو اس نے کہا: "عمر (بن عبد العزیز) نے ہمیں ایک تنگی میں ڈال رکھا تھا، اب ہم اپنی مرضی کی زندگی گزاریں گے۔"

سازش کی کڑیاں — کس نے کیا کیا؟

عنوان: ملوکیت کا زہریلا وار اور عدلِ فاروقی کا خاتمہ

* سہولت کار: بنو امیہ کے شہزادوں نے خلیفہ کے باورچی خانے کے نگران اور اس خاص غلام کو ایک ہزار دینار دیے۔

* خاموش رضامندی: مورخین لکھتے ہیں کہ اگرچہ یزید بن عبد الملک نے خود زہر نہیں دیا، لیکن وہ اس سازش سے واقف تھا اور اس نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی، کیونکہ اسے اپنی ولی عہدی بچانی تھی۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ جوزی، سیرت عمر بن عبد العزیز، ص 315 / البدایہ والنہایہ، ج 9)

> "حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قتل دراصل ملوکیت کا اپنی بقا کے لیے آخری دفاع تھا۔ یزید بن عبد الملک کی تخت نشینی کے پہلے ہی دن یہ ثابت ہو گیا کہ جس زہر نے عمرؒ کے جسم کو ختم کیا تھا، وہی زہر بنو امیہ کی اخلاقی موت کا سبب بھی بنے گا۔ کیونکہ یزید نے عمرؒ کی قبر پر مٹی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کے عدل و انصاف پر بھی مٹی ڈال دی تھی۔"

1. حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی صورتحال

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ پر سب و شتم (نعوذ باللہ) کی قبیح رسم کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا اور خطباتِ جمعہ میں اس کی جگہ قرآنی آیت "اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ..." تلاوت کرنے کا حکم دیا تھا۔

* وفات کے بعد کیا ہوا؟ آپؒ کی وفات کے بعد بنو امیہ کے بعد میں آنے والے حکمرانوں (یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک وغیرہ) نے سرکاری سطح پر اس رسم کو دوبارہ اس زور سے شروع نہیں کیا جیسا کہ مروان یا ولید کے دور میں تھا۔

* کمی کی وجہ: عمر بن عبد العزیزؒ کے ڈھائی سالہ دور نے عوامی ذہنیت اور علماء کے طبقے پر اتنا گہرا اثر چھوڑا تھا کہ بنو امیہ کے لیے اس رسم کو دوبارہ اسی شدت سے جاری کرنا سیاسی اور اخلاقی طور پر مشکل ہو گیا تھا۔ تاہم، بعض متعصب اموی گورنروں اور انفرادی سطح پر کہیں کہیں یہ سلسلہ دوبارہ سر اٹھانے لگا تھا، لیکن وہ "سرکاری پالیسی" کے طور پر پہلے کی طرح نافذ نہیں رہا۔

2. اہل بیت کا حصہ اور بیت المال (باغِ فدک کا معاملہ)

یہ ملوکیت کی تاریخ کا ایک افسوسناک پہلو ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے باغِ فدک اور دیگر اموال جو بنو امیہ نے زبردستی اپنی جاگیر بنا لیے تھے، انہیں ان کے اصل وارثوں (سادات / اہل بیت) کو واپس کر دیا تھا۔

* بنو امیہ کا ردِ عمل: آپؒ کی وفات کے فوراً بعد یزید بن عبد الملک نے وہ تمام جائیدادیں اور باغات جو عمر بن عبد العزیزؒ نے اہل بیت کو واپس کیے تھے، دوبارہ چھین کر بیت المال (یا بنو امیہ کی ذاتی جاگیر) میں شامل کر لیے۔

* تاریخی حوالہ: مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنو امیہ کے عمائدین عمر بن عبد العزیزؒ سے اپنی جاگیریں چھن جانے کی وجہ سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ آپؒ کے بعد آنے والے حکمران نے یہ کہہ کر وہ اموال واپس لے لیے کہ "یہ حکومت کی ملکیت ہیں"۔ یہ اقدام ملوکیت کی اسی سوچ کی واپسی تھی جہاں ریاست کا مال حکمران خاندان کی ذاتی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔

> "عمر بن عبد العزیزؒ کی وفات کے ساتھ ہی ملوکیت کے پرانے سائے دوبارہ منڈلانے لگے۔ اگرچہ حضرت علیؓ پر سب و شتم کی سرکاری رسم اپنی پرانی ہیبت کے ساتھ لوٹ نہ سکی، مگر معاشی میدان میں اہل بیت کا حق دوبارہ غصب کر لیا گیا۔ بنو امیہ نے

باغِ فدک واپس لے کر یہ ثابت کر دیا کہ ملوکیت کے ڈھانچے میں عدل کی گنجائش محض ایک استثنائی واقعہ (عمر بن عبد العزیزؒ کی صورت میں) تھی، مستقل مزاجی نہیں۔"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی شہادت کے فوراً بعد، یعنی 101ھ کے آخری مہینوں سے لے کر 102ھ تک کا عرصہ تاریخِ اسلام میں "ردِ انقلاب" (Counter-Revolution) کا سال کہلاتا ہے۔ جس تیزی سے عمر بن عبد العزیزؒ نے نظام بدلا تھا، اسی تیزی سے یزید بن عبد الملک نے اسے واپس ملوکیت کی طرف موڑا۔

یزید بن عبد الملک کی تخت نشینی اور پہلا حکم

عنوان: عدل کا سورج غروب اور عیش و عشرت کا دورِ ثانی

رجب 101ھ میں حضرت عمرؒ کی وفات کے بعد یزید بن عبد الملک تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی بنو امیہ کی سیاست کا رنگ بدل گیا۔

* چالیس بوڑھوں کی گواہی (ایک لرزہ خیز واقعہ): روایات میں آتا ہے کہ جب یزید خلیفہ بنا تو اس کے پاس چالیس بوڑھے لائے گئے جنہوں نے اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دی کہ: "خلیفہ جو کچھ بھی کرے اس کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ ہی اسے کوئی عذاب ہوگا"۔ یہیں سے "ظلِ الٰہی" اور "بادشاہ کی بے گناہی" کا وہ جھوٹا تصور پیدا کیا گیا جس نے ملوکیت کو بے لگام کر دیا۔

* اصلاحات کی منسوخی: یزید نے آتے ہی عمر بن عبد العزیزؒ کے مقرر کردہ نیک گورنروں کو معزول کرنا شروع کیا اور بنو امیہ کے شہزادوں کو ان کی وہ تمام جاگیریں واپس کر دیں جو بیت المال میں جمع کر لی گئی تھیں۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج9)

یزید بن مہلب کی بغاوت (101ھ-102ھ)

عنوان: عراق میں ملوکیت کے خلاف ایک بڑی فوجی بغاوت

101ھ کے آخر اور 102ھ کے آغاز کا سب سے بڑا واقعہ یزید بن مہلب کی بغاوت ہے۔ یزید بن مہلب ایک طاقتور جرنیل تھا جسے عمر بن عبد العزیزؒ نے قید کیا تھا، لیکن وہ ان کی وفات کے وقت قید سے بھاگ نکلا۔

* بصرہ پر قبضہ: یزید بن مہلب نے بصرہ پہنچ کر یزید بن عبد الملک کی خلافت کا انکار کر دیا اور ایک بڑی فوج تیار کر لی۔ اس نے اسے "بنو امیہ کے خلاف جہاد" کا نام دیا، حالانکہ اس کے پیچھے اس کی اپنی سیاسی خواہشات بھی تھیں۔

* عقر قوف کی جنگ (صفر 102ھ): خلیفہ یزید بن عبد الملک نے اپنے بھائی اور مشہور جرنیل مسلمہ بن عبد الملک کو ایک عظیم لشکر دے کر بھیجا۔ کوفہ کے قریب "عقر قوف" کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی۔

* نتیجہ: یزید بن مہلب اس جنگ میں مارا گیا اور اس کے خاندان کے بہت سے افراد قتل کر دیے گئے۔ اس فتح کے بعد عراق پر بنو امیہ کی گرفت ایک بار پھر نہایت سخت اور ظالمانہ ہو گئی۔

ملوکیت کا اخلاقی زوال—حبابہ اور سلامہ

عنوان: حرم سرا کی سیاست اور حکمرانی کا زوال

102ھ وہ سال تھا جب دمشق کا دربار تقویٰ اور زہد کے بجائے راگ رنگ کا مرکز بن گیا۔ یزید بن عبد الملک تاریخ میں اپنی دو لونڈیوں حبابہ اور سلامہ کے عشق کی وجہ سے بہت بدنام ہوا۔

* ریاستی امور سے غفلت: یزید ان لونڈیوں کے گانے سننے اور عیش و عشرت میں اس قدر مگن ہو گیا کہ سلطنت کے امور حجاج کے پرانے نقشِ قدم پر چلنے والے ظالم کارندوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔

* تاریخی اثر: یہ وہ دور تھا جب بنو امیہ کے وقار کو شدید ٹھیس پہنچی۔ لوگ اعلانیہ کہنے لگے کہ "عمر (بن عبد العزیز) کے بعد ہم کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں"۔

> "101ھ سے 102ھ کا دور دراصل بنو امیہ کی اخلاقی خودکشی کا سال تھا۔ ایک طرف یزید بن مہلب کی بغاوت نے فوجی طاقت کو کمزور کیا اور دوسری طرف یزید بن عبد الملک کی نجی زندگی نے خلافت کے تقدس کو پامال کر دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب 'دعوتِ بنو عباس' (عباسیوں کی خفیہ تحریک) نے خراسان میں زور پکڑنا شروع کیا، کیونکہ لوگ امویوں کے اس بدلتے ہوئے رنگ سے بیزار ہو چکے تھے۔"

ملوکیت کا خود ساختہ تقدس اور درباری گواہ

عنوان: ملوکیت کے لیے "عدمِ جوابدہی" کا جھوٹا سرٹیفکیٹ

یزید بن عبد الملک کے دور میں جب خلافت مکمل طور پر ملوکیت کے سانچے میں ڈھل گئی، تو حکمرانوں کو ایک ایسے "مذہبی جواز" کی ضرورت محسوس ہوئی جو انہیں عوام اور اللہ کے سامنے جوابدہی سے آزاد کر دے۔

* واقعہ کی اصل: یہ روایت مؤرخ ابنِ جریر طبری اور ابنِ کثیر نے نقل کی ہے کہ جب یزید بن عبد الملک خلیفہ بنا، تو اس کے پاس چالیس بوڑھے (شیوخ) لائے گئے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ: "امام (حکمران) پر نہ کوئی حساب ہے اور نہ کوئی عذاب"۔

* درباری بیانیہ: یہ لوگ درحقیقت "فقہائے سلطنت" تھے جنہوں نے ملوکیت کو مستحکم کرنے کے لیے دین کی غلط تشریح کی۔ انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ چونکہ خلیفہ "ظلِ اللہ" (زمین پر اللہ کا سایہ) ہے، اس لیے اس کے افعال پر تنقید کرنا اللہ کے فیصلے پر تنقید کرنے کے برابر ہے۔

* تاریخی حوالہ: (البدایہ والنہایہ، جلد 9، ص 232 / تاریخ الطبری)

کثرت بمقابلہ حق — ایک علمی تجزیہ

عنوان: جب چاپلوسی کو "اجماع" کا نام دیا گیا

* عددی اکثریت کی حقیقت: قرآنِ کریم نے بارہا واضح کیا ہے کہ حق کا معیار "تعداد" نہیں ہے۔ اگر 40 یا 50 درباری کسی غلط بات پر متفق ہو جائیں، تو وہ "اجماعِ امت" نہیں کہلاتا۔

* اجماع کا اصل مفہوم: اجماع کا مطلب امت کے ان مخلص علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے جو کسی سیاسی دباؤ کے بغیر قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں۔ یزید بن عبد الملک کے دربار میں موجود لوگ "امت" کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے بلکہ "شاہی مفادات" کی نمائندگی کر رہے تھے۔

* حق کی اقلیت: جس وقت یہ 40 لوگ جھوٹی گواہی دے رہے تھے، اسی وقت امام حسن بصریؒ اور امام زہریؒ جیسے عظیم علماء موجود تھے جو ملوکیت کے ان انحرافات کے خلاف سینہ سپر تھے۔ حق انہی کی زبان سے ادا ہو رہا تھا، نہ کہ شاہی ایوانوں میں بیٹھے بوڑھوں سے۔

حدیثِ نبوی ﷺ کا غلط استعمال

عنوان: "لا تجتمع اُمتی علی ضلالہ" اور درباری مفادات

کس طرح احادیث کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔

* طائفہ منصورہ (حق پر قائم گروہ): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ یزید کے دور میں یہ گروہ وہ لوگ تھے جو قید خانوں میں تھے یا گوشہ نشینی میں حق کی بات کر رہے تھے، نہ کہ وہ جو تخت کے پائے چوم رہے تھے۔

* فکری انحراف کا اثر: اس جھوٹی گواہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یزید بن عبد الملک اور اس کے بعد آنے والے خلفاء (سوائے چند کے) اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ وہ جو چاہیں کریں، ان سے باز پرس نہیں ہو گی۔ اسی سوچ نے یزید کو حبابہ اور سلامہ جیسی لونڈیوں کے عشق میں غرق کر دیا اور وہ سلطنت کے امور سے غافل ہو گیا۔

> "یزید بن عبد الملک کے دربار میں دی گئی وہ 40 گواہیاں دراصل بنو امیہ کے تابوت میں آخری کیل تھیں۔ جب کسی ریاست کے 'دانشور اور مذہبی طبقہ' حکمران کو اللہ سے بے خوف کر دیں، تو وہ ریاست اپنی اخلاقی بنیادیں کھو دیتی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حکمران کو 'خادم' بنایا تھا، جبکہ ان بوڑھوں نے اسے 'خدا' بنانے کی کوشش کی، اور یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے بنو امیہ کے زوال کا سفر تیز ہو گیا۔"

یہاں پر یزید بن مہلب کا تذکرہ نہایت ضروری ہے، کیونکہ یہ بنو امیہ کے اندرونی اقتدار کی کشمکش اور "عرب عصبیت" (قبائلی دشمنی) کی وہ داستان ہے جس نے خلافت کی بنیادیں ہلا دیں۔

یزید بن مہلب کوئی عام باغی نہیں تھا، بلکہ وہ بنو امیہ کا ایک بہت بڑا استون رہا تھا جسے خود بنو امیہ کے اپنوں ہی نے اپنا دشمن بنا لیا۔

یزید بن مہلب کا پس منظر — ایک طاقتور خاندان کا عروج

عنوان: آلِ مہلب اور عراق کی سیاست پر ان کی گرفت

یزید بن مہلب، مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کا بیٹا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا، جو یمنی عربوں کا ایک بہت بڑا اور طاقتور قبیلہ تھا۔

* خدمات: آلِ مہلب نے بنو امیہ کے لیے خوارج کے خلاف بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ مہلب بن ابی صفرہ وہ شخص تھا جس نے حجاج بن یوسف کے دور میں خوارج کے فتنے کو کچلا تھا۔

* گورنری: یزید بن مہلب خود خراسان کا گورنر رہا اور سلیمان بن عبد الملک کے دور میں اسے بہت زیادہ عروج حاصل ہوا۔ سلیمان اسے حجاج بن یوسف کے مقابلے میں ایک بڑے مہرے کے طور پر دیکھتا تھا۔

* حجاج سے دشمنی: یزید بن مہلب اور حجاج بن یوسف کے درمیان شدید نفرت تھی۔ حجاج نے اسے قید کیا اور اس پر سخت مظالم ڈھائے، جس کی وجہ سے یزید بن مہلب کے دل میں حجاج کے حامی امویوں (جیسے عبد الملک اور یزید بن عبد الملک) کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دور اور گرفتاری

عنوان: جب عدل نے مصلحت کو ٹھکرا دیا

جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ بنے، تو انہوں نے مالیاتی اصلاحات شروع کیں۔

* خیانت کا الزام: یزید بن مہلب نے خراسان کی فتوحات کے دوران مالِ غنیمت میں خورد برد کی تھی اور ایک بہت بڑی رقم بیت المال میں جمع نہیں کرائی تھی۔

* قید: حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سے حساب مانگا۔ جب وہ حساب نہ دے سکا، تو آپؒ نے اسے "حلب" کے قلعے میں قید کر دیا۔ آپؒ نے فرمایا: "میں تیری تلوار اور تیری بہادری سے واقف ہوں، لیکن میں اللہ کے مال میں خیانت برداشت نہیں کر سکتا"۔

* فرار: جیسے ہی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنی آخری بیماری میں مبتلا ہوئے، یزید بن مہلب کو ڈر ہوا کہ اب یزید بن عبد الملک تخت پر بیٹھے گا جو اس کا جانی دشمن ہے۔ چنانچہ وہ جیل کے نگرانوں کو رشوت دے کر فرار ہو گیا اور بصرہ پہنچ گیا۔

بغاوت کا آغاز اور "کتاب و سنت" کا نعرہ

عنوان: سیاسی مفاد پر مذہبی لبادہ

101ھ کے آخر میں یزید بن مہلب نے بصرہ پہنچ کر ایک عظیم لشکر تیار کیا۔

* نعرہ: حیرت انگیز طور پر یزید بن مہلب نے، جو خود ایک عیش پسند امیر تھا، بنو امیہ کے خلاف "کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ" کا نعرہ بلند کیا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ بنو امیہ نے یزید (اول) سے لے کر اب تک ظلم کیا ہے اور ہمیں ان کے خلاف "جہاد" کرنا چاہیے۔

* عوامی حمایت: بصرہ کے قراء اور علماء (جو حجاج کے ظلم کو نہیں بھولے تھے) اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مشہور امام حسن بصریؒ نے لوگوں کو اس فتنے سے بچنے کی تلقین کی، لیکن جذبات اتنے غالب تھے کہ بصرہ کا ایک بڑا حصہ یزید بن مہلب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

* مقصد: در حقیقت یہ بغاوت یمنی قبائل (قبیلہ ازد) اور شامی قبائل کے درمیان اقتدار کی جنگ تھی، جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا۔

> "یزید بن مہلب کی بغاوت بنو امیہ کے لیے ایک خطرناک آئینہ تھی جس میں انہیں اپنا مکروہ چہرہ نظر آرہا تھا۔ اگرچہ وہ ایک خود غرض باغی تھا، لیکن اسے جو عوامی حمایت ملی وہ اس بات کا ثبوت تھی کہ لوگ بنو امیہ کے 'مروانی نظام' سے اس قدر تنگ آ چکے تھے کہ وہ کسی بھی اٹھنے والی آواز پر لبیک کہنے کو تیار تھے۔"

یزید بن مہلب کی بغاوت کا انجام بنو امیہ کی تاریخ کا وہ خونی موڑ ہے جس نے نہ صرف ایک طاقتور خاندان کا خاتمہ کیا، بلکہ عربوں کے دو بڑے گروہوں (یمنی اور مضری) کے درمیان ایسی نفرت کی دیوار کھڑی کر دی جس نے آگے چل کر اموی سلطنت کی کمر توڑ دی۔

معرکہِ عقر قوف (صفر 102ھ)—ملوکیت کا آہنی دفاع

عنوان: جب میدانِ جنگ میں دو یزیدوں کی قسمت کا فیصلہ ہوا

بصرہ پر قبضے کے بعد یزید بن مہلب نے کوفہ کی طرف رخ کیا، جبکہ دمشق سے خلیفہ یزید بن عبد الملک نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک (جو اپنی بہادری کی وجہ سے "جرادۃ الشام" کہلاتے تھے) کو ایک بھاری لشکر دے کر بھیجا۔

* مقامِ جنگ: دونوں لشکروں کا سامنا دریائے فرات کے کنارے عقر قوف (بابل کے قریب) کے مقام پر ہوا۔

* جنگی حکمتِ عملی: مسلمہ بن عبد الملک نے ایک پل بنوایا اور فرات پار کر کے ابنِ مہلب کے لشکر پر حملہ کیا۔ ابنِ مہلب کے پاس افرادی قوت تو تھی، لیکن اس کے لشکر میں وہ نظم وضبط (Discipline) نہیں تھا جو شامی فوج کا خاصہ تھا۔

* یزید بن مہلب کا خاتمہ: دورانِ جنگ جب یزید بن مہلب کو خبر ملی کہ اس کا بھائی مارا گیا ہے، تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور بغیر حفاظتی زرہ کے دشمن کے لشکر میں گھس گیا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

* تاریخی حوالہ: (تاریخ الطبری، ج6، ص590 / الکامل فی التاریخ)

آلِ مہلب کا قتلِ عام اور اسیرانِ جنگ کا انجام

عنوان: انتقام کی آگ اور بنو امیہ کی سفاکی

جنگ جیتنے کے بعد مسلمہ بن عبد الملک نے وہ کیا جس نے بنو امیہ کی اخلاقی ساکھ کو مزید نقصان پہنچایا۔

* خاندان کا تعاقب: یزید بن مہلب کے خاندان کے باقی افراد (آلِ مہلب) بھاگ کر قندابیل (سندھ / بلوچستان کی سرحد) چلے گئے، لیکن اموی فوج نے وہاں بھی ان کا پیچھا کیا اور انہیں چن چن کر قتل کیا۔

* قیدیوں کا قتل: مسلمہ نے سینکڑوں قیدیوں کو، جن میں یمنی قبائل کے بڑے سردار شامل تھے، قتل کروادیا۔ یہ عمل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور کی صلح جوئی کے بالکل برعکس تھا اور اس نے لوگوں کو ایک بار پھر حجاج بن یوسف کے دور کی یاد دلا دی۔

* عوامی ردعمل: کوفہ اور بصرہ کے گلی کوچوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ یمنی قبائل (قبیلہ ازد اور ربیعہ) نے محسوس کیا کہ بنو امیہ صرف قبیلہ قیس (شامیوں) کے ہمدرد ہیں اور یمنیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

بغاوت کے دور رس سیاسی اثرات

عنوان: بنو امیہ کے زوال کا پوشیدہ بیج

* قبائلی عصبیت کا احیاء: اس جنگ نے عربوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یمنی قبائل (جن کی طاقت خراسان اور سندھ میں بہت زیادہ تھی) بنو امیہ کے جانی دشمن بن گئے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بعد میں عباسی تحریک کا ساتھ دے کر بنو امیہ کا تختہ الٹا۔

* فوجی کمزوری: اس بغاوت کو کچلنے میں بنو امیہ کی بہترین شامی فوج کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا، جس کا اثر سرحدوں پر ہونے والی فتوحات پر پڑا۔

* یزید بن عبد الملک کا غرور: اس فتح نے یزید بن عبد الملک کو مزید بے خوف کر دیا، جس کے بعد وہ مکمل طور پر عیش و عشرت میں ڈوب گیا اور سلطنت کے نظم و نسق سے غافل ہو گیا۔

> "عقر قوف کی جیت یزید بن عبد الملک کے لیے ایک فوجی فتح تو تھی، لیکن تاریخی اعتبار سے یہ ایک بہت بڑی شکست ثابت ہوئی۔ یزید بن مہلب کے خون نے وہ چنگاری بھڑکائی جس نے بنو امیہ کے اس محل کو جلا کر راکھ کر دیا جسے عبد الملک نے بڑی محنت سے بنایا تھا۔ جب ملوکیت اپنے ہی بازوؤں (آلِ مہلب جیسے وفاداروں) کو کاٹنا شروع کر دے، تو اس کا زوال نوشتہ دیوار بن جاتا ہے۔"

یزید بن عبد الملک کا دورِ حکومت (101ھ تا 105ھ) تاریخ کے طالب علم کے لیے ایک مطالعۂ عبرت ہے۔ یہ وہ دور ہے جہاں ایک طرف خلافت کا وقار حرم سرا کی نذر ہو رہا تھا اور دوسری طرف سرحدوں پر مسلمانوں کو ایسے زخم مل رہے تھے جن کی تلافی صدیوں تک نہ ہو سکی۔

ملوکیت کا اخلاقی زوال — حبابہ اور سلامہ کا فتنہ

عنوان: جب سلطنت کی باگ ڈور لہو و لعب کے ہاتھ میں آئی

یزید بن عبد الملک کی شخصیت میں وہ سیاسی بصیرت نہیں تھی جو اس کے والد عبد الملک یا بھائی ولید میں تھی۔ وہ اپنی دو لونڈیوں حبابہ اور سلامہ کے عشق میں اس قدر غرق ہوا کہ تاریخ نے اسے "عیش پسند حکمران" کے طور پر محفوظ کیا۔

* ریاستی غفلت: مؤرخین لکھتے ہیں کہ یزید اکثر ریاستی معاملات کو پسِ پشت ڈال کر ان لونڈیوں کے گانے سننے میں مصروف رہتا۔ ایک بار جب ایک درباری نے اسے ٹوکا، تو اس نے جواب دیا: "مجھے میری زندگی جینے دو، ملوکیت تو ملتی ہی رہتی ہے"۔

* حبابہ کی موت اور یزید کا پاگل پن: 104ھ کے آخر میں جب حبابہ کا انتقال ہوا (ایک انگور کا دانہ حلق میں پھنسنے سے)، تو یزید اس کے غم میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے کئی دن تک اس کی لاش کو دفن کرنے نہیں دیا اور اس کے غم میں ایسا نڈھال ہوا کہ خود بھی بیمار پڑ گیا اور چند ماہ بعد انتقال کر گیا۔

* تاریخی عبرت: یہ واقعہ بنو امیہ کے اس اخلاقی انحطاط کی علامت بن گیا جس نے عوام کی نظروں میں خلافت کے تقدس کو پامال کر دیا تھا۔

معرکہِ بلاط الشہداء کا پیش خیمہ (اندلس کے حالات)

عنوان: کوہِ پائرینیس (Pyrenees) کے پار ہزیمت اور السمح بن مالک کی شہادت

جب دمشق میں راگ رنگ کی محفلیں سج رہی تھیں، اندلس (اسپین) کی سرحدوں پر مسلمان ایک بہت بڑے امتحان سے گزر رہے تھے۔

* السمح بن مالک الخولانی (102ھ-103ھ): حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے السمح بن مالک کو اندلس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ ایک عادل اور بہادر انسان تھے۔ انہوں نے اسپین کی سرحدوں کو پار کر کے موجودہ فرانس (فرنچ گال) کے علاقوں پر حملے شروع کیے۔

* معرکہِ تولوز (103ھ): ذوالحجہ 102ھ اور 103ھ کے آغاز میں فرانس کے شہر تولوز کے مقام پر مسلمانوں اور فرانسیسیوں (ڈیوک آف ایکویٹائن) کے درمیان ایک ہولناک جنگ ہوئی۔

* نتیجہ اور شہادت: السمح بن مالک نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مسلم فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا اور یہ اندلس کی تاریخ میں مسلمانوں کی پہلی بڑی شکست مانی جاتی ہے۔ اس واقعے نے یہ ثابت کر دیا کہ مرکز (دمشق) کی کمزوری کا اثر براہِ راست سرحدوں کی فتوحات پر پڑ رہا ہے۔

104 ہجری — فتنوں کا عروج اور عباسی دعوت کا پھیلاؤ

عنوان: خراسان کی چنگاری اور بنو عباس کا خفیہ نیٹ ورک

104ھ وہ سال ہے جب بنو عباس کی خفیہ تحریک (جو کافی عرصے سے جاری تھی) نے ایک منظم شکل اختیار کر لی۔

* امام محمد بن علی عباسی: عباسی تحریک کے بانی محمد بن علی نے خراسان (ایران و افغانستان کے علاقے) کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ انہوں نے بنو امیہ کے خلاف "الرضا من آلِ محمد" (آلِ محمد ﷺ میں سے پسندیدہ شخص) کا نعرہ لگایا۔

* لوگوں کی بیزاری: یزید بن عبد الملک کی عیش پسندی اور یزید بن مہلب کے قتل کے بعد پیدا ہونے والی قبائلی عصبیت نے عباسیوں کے لیے زمین ہموار کر دی تھی۔ یمنی قبائل جو بنو امیہ سے ناراض تھے، وہ جوق در جوق عباسی داعیوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

* تاریخی حوالہ: (تاریخ الطبری، ج6 / البدایہ والنہایہ، ج9)

> "103ھ اور 104ھ کے سال بنو امیہ کے محل میں پڑنے والی ان دراڑوں کے سال تھے جنہیں دوبارہ کبھی بھرا نہ جا سکا۔ جب حکمران کا دل 'حبابہ' کی زلفوں میں مقید ہو جائے، تو تولوز کے میدانوں میں 'السمح بن مالک' جیسے جرنیلوں کا لہو رائیگاں جانے لگتا ہے۔ ملوکیت کا یہ اخلاقی زوال ہی تھا جس نے خراسان کے ریگزاروں میں عباسیوں کے سیاہ جھنڈوں کے لیے راستہ صاف کیا۔"

عباسی تحریک کا آغاز تاریخِ اسلام کا ایک انتہائی منظم، گہرا اور پراسرار باب ہے۔ یہ کوئی اچانک اٹھنے والا طوفان نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے دہائیوں کی منصوبہ بندی اور ایک ایسا خفیہ نیٹ ورک تھا جس نے ملوکیت کے جاہ و جلال کو اندر سے کھوکھلا کر دیا۔

عباسی تحریک کا آغاز اور مقامِ پیدائش

عنوان: "حمیمہ" کا چھوٹا سا گاؤں اور عالمی انقلاب کی منصوبہ بندی

عباسی تحریک کا باقاعدہ آغاز سن 100 ہجری کے لگ بھگ (حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں) ہوا، لیکن اس کی بنیادیں اس سے بھی پہلے رکھی جا چکی تھیں۔

* مرکز (ہیڈ کوارٹر): اس تحریک کا اصل مرکز دمشق یا کوفہ نہیں، بلکہ اردن (Jordan) کے ایک دور افتادہ اور گمنام گاؤں "حمیمہ" میں تھا۔ یہاں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اولاد مقیم تھی۔

* تحریک کا بانی: اس تحریک کے پہلے منظم بانی محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بنو امیہ کے خلاف لوگوں میں شدید نفرت ہے، لیکن اسے منظم کرنے والی کوئی قیادت نہیں ہے۔

* خفیہ مقام کا انتخاب کیوں؟ حمیمہ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کیونکہ یہ حجاز، شام اور عراق کے راستے پر تو تھا لیکن بنو امیہ کی خفیہ پولیس کی نظروں سے دور ایک پر سکون مقام تھا۔ یہاں بیٹھ کر محمد بن علی نے پورے عالمِ اسلام میں اپنے داعی (Agent) روانہ کیے۔

تحریک کا نعرہ اور حکمتِ عملی (دعوتِ خفیہ)

عنوان: "الرضا من آلِ محمد" — ایک ایسا نعرہ جس نے سب کو متحد کر دیا

عباسیوں نے نہایت ہوشیاری سے ایک ایسا مبہم نعرہ لگایا جس نے شیعہ، سنی اور عام مسلمانوں، سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

* خفیہ نعرہ: انہوں نے یہ نہیں کہا کہ "ہم (عباسی) تخت چاہتے ہیں"، بلکہ انہوں نے کہا: "الرضا من آلِ محمد" (ہمیں آلِ محمد ﷺ میں سے وہ شخص چاہیے جس پر سب کا اتفاق ہو)۔

* لوگوں کی جذباتی وابستگی: اس نعرے کی وجہ سے وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے جو اہل بیت (حضرت علیؓ کی اولاد) سے محبت کرتے تھے، کیونکہ وہ سمجھے کہ شاید خلافت حضرت علیؓ کی اولاد کو دی جائے گی۔ عباسیوں نے اپنی اصل شناخت کو آخری وقت تک چھپائے رکھا۔

* خراسان کا انتخاب: محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو حکم دیا کہ وہ خراسان (ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا کے علاقے) کو اپنا میدان بنائیں، کیونکہ وہاں کے لوگ جنگجو تھے اور بنو امیہ کے عربی تعصب سے سخت نالاں تھے۔

تحریک کے مراحل اور منظم نیٹ ورک

عنوان: بارہ نقیب اور ملوکیت کے سینے میں اترتے ہوئے داعی

محمد بن علی نے اس تحریک کو ایک جدید کارپوریٹ ڈھانچے کی طرح منظم کیا:

* بارہ نقیب (Leaders): انہوں نے خراسان میں 12 نقیب مقرر کیے جو تحریک کے سربراہ تھے۔ ان کے نیچے 70 داعی تھے اور ان کے نیچے ایک وسیع نیٹ ورک تھا۔

* تاجروں کا روپ: عباسی داعی عام طور پر کپڑے کے تاجروں یا مسافروں کے روپ میں سفر کرتے تھے۔ وہ حج کے موقع پر حمیمہ آتے اور محمد بن علی کو اپنی رپورٹ دیتے اور اگلے احکامات لیتے۔

* ابو مسلم خراسانی کا ظہور: بعد میں اسی تحریک میں ابو مسلم خراسانی جیسا عباسی سپہ سالار شامل ہوا جس نے اس خفیہ تحریک کو ایک مسلح جنگ میں بدل دیا۔

> "بنو امیہ اپنی تمام تر فوجی طاقت کے باوجود اس 'خفیہ دیمک' کا مقابلہ نہ کر سکے جو ان کی بنیادوں کو چاٹ رہی تھی۔ ملوکیت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ وہ محلوں کی حفاظت تو کرتی ہے لیکن عوام کے دلوں میں اٹھنے والی سرگوشیوں کو نہیں سن پاتی۔ عباسی تحریک نے ثابت کیا کہ جب انصاف ختم ہو جائے، تو ایک گمنام گاؤں (حمیمہ) سے اٹھنے والی آواز بھی دمشق کے تخت کو گرا سکتی ہے۔"

ہشام بن عبد الملک کی تخت نشینی (105ھ) بنو امیہ کے لیے ایک "آخری سہارا" ثابت ہوئی۔ یزید بن عبد الملک کی عیاشیوں اور لاپرواہی کے بعد، ہشام ایک ایسا حکمران ثابت ہوا جس نے لڑکھڑاتی ہوئی سلطنت کو اپنے آہنی ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ مروان ثانی کے علاوہ بنو امیہ کا آخری باصلاحیت اور منتظم خلیفہ مانا جاتا ہے۔

ہشام بن عبد الملک کی تخت نشینی اور شخصیت

عنوان: ملوکیت کا آخری بیدار مغز حکمران

شعبان 105 ھ میں یزید بن عبد الملک کی وفات ہوئی اور ہشام بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ ہشام اپنے بھائی یزید کے بالکل برعکس مزاج کا حامل تھا۔

* شخصیت کا تضاد: ہشام نہایت کفایت شعار (بلکہ بعض کے نزدیک کنجوس)، سخت گیر اور محنتی انسان تھا۔ وہ فضول خرچی اور راگ رنگ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے دربار سے تمام مسخروں، گویوں اور عیاشوں کو نکال باہر کیا۔

* ریاستی خزانے کی فکر: اس نے بیت المال کی پائی پائی کا حساب لینا شروع کیا۔ اس کا قول تھا: "مال کے بغیر ریاست قائم نہیں رہ سکتی، اور عدل کے بغیر مال جمع نہیں ہو سکتا"۔ (اگرچہ اس کا عدل صرف انتظامی حد تک تھا)۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، ج5 / البدایہ والنہایہ، ج9)

عباسی تحریک کے خلاف پہلا بڑا کریک ڈاؤن

عنوان: ملوکیت کا دفاع اور خفیہ نیٹ ورک پر ضرب

ہشام بن عبد الملک نے تخت سنبھالتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ عراق اور خراسان میں کوئی گہری سازش پک رہی ہے۔ اس کی خفیہ پولیس (صاحب الشُرطہ) نے عباسی داعیوں کا پیچھا کرنا شروع کیا۔

* خراسان کی سختی: ہشام نے خراسان میں نہایت سخت گیر گورنر مقرر کیے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ "آلِ محمد" کے نام پر بیعت لے رہے ہیں، تو اس نے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں۔

* بکیر بن ماہان کی گرفتاری: عباسیوں کا ایک بڑا داعی بکیر بن ماہان پکڑا گیا، لیکن عباسیوں کا نیٹ ورک اتنا مضبوط تھا کہ وہ قید خانوں کے اندر بھی اپنی تبلیغ جاری رکھتے تھے۔ ہشام نے طاقت تو استعمال کی، لیکن وہ اس "نظریاتی دیمک" کو نہ پہچان سکا جو لوگوں کے دلوں میں بنو امیہ کے خلاف بیٹھ چکی تھی۔

* تحریک کا زیرِ زمین جانا: ہشام کی سختی کی وجہ سے عباسی تحریک کچھ عرصے کے لیے مزید گہرائی میں چلی گئی، لیکن ختم نہ ہوئی۔

فتوحات کا دوبارہ آغاز اور دفاعی پالیسی

عنوان: سلطنت کی حدود کی حفاظت اور رومیوں سے معرکے

ہشام کا دور فتوحات کے لحاظ سے ولید بن عبد الملک کے دور کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے سرحدوں پر دفاعی قلعے (ثغور) تعمیر کروائے۔

* رومیوں (Byzantines) کے خلاف مہمات: ہشام نے اپنے بیٹے معاویہ بن ہشام اور بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو رومیوں کے خلاف مسلسل مہمات پر بھیجا۔ ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کے بہت سے قلعے فتح ہوئے اور رومیوں کو دفاعی پوزیشن پر آنے پر مجبور کر دیا گیا۔

* ترکوں اور خزروں سے جنگیں: قفقاز (Caucasus) کے علاقے میں ترکوں اور خزروں نے بڑی بغاوتیں کیں، ہشام نے وہاں خونریز جنگوں کے بعد بنو امیہ کا تسلط برقرار رکھا۔

> "ہشام بن عبد الملک نے بنو امیہ کو 20 سال کی طویل زندگی تو دے دی، لیکن اس نے 'ریاست' کو ایک 'کارپوریشن' کی طرح چلایا۔ اس کی سختی اور حد سے زیادہ معاشی پابندیوں نے عوام اور فوج میں ایک خاموش بیزاری پیدا کر دی تھی۔ وہ بنو امیہ کا وہ آخری بند (Dam) تھا جس کے ٹوٹتے ہی ملوکیت کا پورا محل سیلاب میں بہہ جانے والا تھا۔"

ہشام بن عبد الملک کے دور کا سب سے المناک اور سیاسی طور پر اہم ترین واقعہ امام زید بن علیؒ کا خروج (121ھ-122ھ) ہے۔ یہ واقعہ اس لیے بھی خاص ہے کیونکہ اس نے بنو امیہ کے خلاف اہل بیت کے اس طبقے کو میدان میں لا کھڑا کیا جو "تلوار سے اصلاح" کے نظریے پر یقین رکھتا تھا۔

امام زید بن علیؒ کا تعارف اور خروج کے اسباب

عنوان: ملوکیت کے جبر کے خلاف علمِ بغاوت کی بلند پاشانی

امام زید بن علیؒ، امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے اور امام حسینؓ کے پوتے تھے۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم، فقیہ اور جرات مند انسان تھے۔

* ذاتی وقار اور توہین: ہشام بن عبد الملک کے دربار میں جب امام زید بن علیؒ تشریف لائے، تو ہشام نے ان کے ساتھ نہایت نازیبا سلوک کیا۔ ایک مال کے تنازع پر ہشام نے ان سے کہا: "تم تو ایک لونڈی کے بیٹے ہو، تمہیں خلافت کا خواب نہیں دیکھنا چاہیے۔" امام زیدؒ نے برجستہ جواب دیا: "ماؤں کی حیثیت اللہ کے ہاں تقویٰ سے ہے، حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بھی تو لونڈی تھیں لیکن اللہ نے انہیں ایک عظیم پیغمبر کا باپ بنایا۔"

* کوفہ کی طرف روانگی: اس توہین کے بعد امام زیدؒ نے دمشق چھوڑ دیا اور کوفہ کا رخ کیا۔ کوفہ کے لوگوں نے ایک بار پھر اہل بیت کو وہی دھوکہ دیا جو انہوں نے امام حسینؓ کو دیا تھا۔ ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بنو امیہ کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

امام زیدؒ کا خروج اور "رافضہ" کی اصطلاح کا آغاز

عنوان: جب عقیدت اور سیاست کے درمیان تقسیم پیدا ہوئی

122 ہجری میں امام زیدؒ نے کوفہ میں خروج کا اعلان کیا۔ لیکن جنگ سے عین پہلے ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے کوفیوں کی حقیقت ایک بار پھر واضح کر دی۔

* شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) کے بارے میں سوال: کوفہ کے ایک گروہ نے امام زیدؒ سے پوچھا: "آپ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" امام زیدؒ نے فرمایا: "وہ رسول اللہ ﷺ کے بہترین ساتھی تھے، میں نے اپنے خاندان میں کسی کو ان سے بیزاری کا اظہار کرتے نہیں سنا۔"

* کوفیوں کی بیوفائی: یہ سن کر وہ گروہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا (جسے امام زیدؒ نے 'رافضہ' یعنی 'چھوڑ دینے والے' کا نام دیا)۔ آپ کے پاس صرف چند سو جانثار رہ گئے۔

* معرکۂ کوفہ: ہشام کے گورنر یوسف بن عمر نے ایک بھاری لشکر کے ساتھ حملہ کیا۔ امام زیدؒ نے بے مثال بہادری دکھائی، لیکن ایک تیر آپ کی پیشانی پر آلگا جو جان لیوا ثابت ہوا۔

شہادت اور عبرتناک انجام

عنوان: ملوکیت کی سفاکی کی ایک اور انتہا

امام زید بن علیؒ کی شہادت کے بعد بنو امیہ نے وہ سلوک کیا جس نے پورے عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔

* لاش کی توہین: آپ کو خفیہ طور پر دفن کیا گیا تھا، لیکن بنو امیہ کے کارندوں نے آپ کی لاش قبر سے نکالی، آپ کا سر کاٹ کر دمشق بھیجا اور آپ کے جسدِ مبارک کو سولی پر لٹکا دیا۔ آپ کی لاش کئی سال تک کوفہ میں سولی پر لٹکی رہی۔

* عوامی ردِ عمل: اس سفاکی نے لوگوں کے دلوں میں بنو امیہ کے لیے وہ نفرت پیدا کر دی جو کبھی ختم نہ ہو سکی۔ خاص طور پر خراسان کے لوگوں میں امام زیدؒ کی شہادت کا بہت گہرا اثر ہوا۔

* تاریخی حوالہ: (طبری، ج 7 / ابنِ اثیر، ج 5 / مقاتل الطالبین)

> "امام زید بن علیؒ کی شہادت نے بنو امیہ کو وقتی طور پر تو پر سکون کر دیا، لیکن در حقیقت یہ ان کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ ان کے خون نے عباسی تحریک کو وہ اخلاقی جواز فراہم کر دیا جس کی اسے ضرورت تھی۔ عباسی داعیوں نے خراسان کے کونے کونے میں جا کر یہ کہنا شروع کیا کہ: 'دیکھو! بنو امیہ نے رسول اللہ ﷺ کی آل کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے'۔ ملوکیت نے ایک باغی کو تو مار دیا، لیکن ایک ایسے نظریے کو جنم دے دیا جس نے بالآخر ان کا تختہ الٹ دیا۔"

ہشام بن عبد الملک کی تخت نشینی کے ابتدائی دو سال (105ھ سے 107ھ) ملوکیت کے اسلوب میں ایک بڑی تبدیلی کے سال تھے۔ یزید بن عبد الملک نے جس طرح سلطنت کو مذاق بنا دیا تھا، ہشام نے ان دو سالوں میں اسے دوبارہ ایک "مضبوط ریاست" میں تبدیل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

ہشام کی تخت نشینی اور پہلا انتظامی حملہ (105ھ)

عنوان: عیش و عشرت کا خاتمہ اور حساب کتاب کا آغاز

یزید بن عبد الملک کی وفات کے وقت ہشام دمشق میں موجود نہیں تھا۔ جیسے ہی اسے خبر ملی، وہ تیزی سے دارالخلافہ پہنچا۔

* پہلا بڑا اقدام: ہشام نے تخت سنبھالتے ہی ان تمام لوگوں کو دربار سے نکال دیا جو یزید کے دور میں عیش و عشرت کے سہولت کار تھے۔ اس نے شاہی خزانے (بیت المال) کے دروازے بند کر دیے اور ایک ایک پائی کا حساب طلب کیا۔

* خالد القسری کی تقرری (105ھ): ہشام نے خالد بن عبد اللہ القسری کو عراق کا گورنر مقرر کیا۔ یہ انتخاب بہت اہم تھا کیونکہ عراق بنو امیہ کے لیے ہمیشہ سے ایک سلگتا ہوا محاذ تھا۔ خالد القسری نے اگلے کئی سالوں تک عراق پر نہایت سختی اور انتظامی مہارت سے حکومت کی اور زراعت و نہروں کے نظام کو بہتر بنایا۔

106 ہجری — رومیوں کے خلاف منظم مہمات

عنوان: سرحدوں کی حفاظت اور مسلمہ بن عبد الملک کا کردار

106ھ وہ سال تھا جب ہشام نے اپنی فوجی طاقت کو دوبارہ منظم کیا تاکہ رومیوں (Byzantines) کو یہ پیغام دیا جا سکے کہ دمشق کی قیادت اب بدل چکی ہے۔

* مسلمہ بن عبد الملک کی مہم: ہشام نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو ایشیائے کوچک (Asia Minor) کی طرف روانہ کیا۔ اس سال مسلمانوں نے رومیوں کے کئی اہم قلعے فتح کیے۔

* اندرونی نظم و نسق: ہشام نے اس سال ڈاک کے نظام (برقیہ) کو جدید خطوط پر استوار کیا تاکہ سرحدوں کی خبریں فوری طور پر مرکز تک پہنچ سکیں۔ اس نے ریاست میں "خفیہ پولیس" کا جال بچھا دیا تاکہ عباسیوں اور خوارج کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جا سکے۔

107 ہجری — فتوحات اور قفقاز کا محاذ

عنوان: ترکوں اور خزروں کے خلاف آہنی دیوار

107ھ میں سلطنت کے شمالی حصوں (موجودہ آرمینیا اور آذربائیجان) میں خزر قبائل نے بڑی بغاوتیں کیں۔

* خزروں سے جنگ: خزر قبائل نے اسلامی سرحدوں پر حملہ کر کے بڑی تباہی مچائی تھی۔ ہشام نے اپنے بہترین جرنیلوں کو وہاں بھیجا۔ یہ جنگیں نہایت خونریز تھیں کیونکہ خزروں کو رومیوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔

* ہشام کی کفایت شعاری: اسی سال ہشام کی "کنجوسی" یا "کفایت شعاری" کے قصے مشہور ہونے لگے۔ اس نے سرکاری اخراجات میں اس قدر کمی کر دی کہ فوج کے وظائف میں بھی تنگی محسوس ہونے لگی، جس نے دوررس نتائج پیدا کیے۔

>"105ھ سے 107ھ تک کے یہ دو سال بنو امیہ کے لیے 'سانس لینے کا وقفہ' تھے۔ ہشام نے بکھری ہوئی ریاست کو اکٹھا تو کر لیا، لیکن اس کی حد سے زیادہ سختی اور مادی سوچ نے خلافت کے اس روحانی پہلو کو مزید کمزور کر دیا جو عمر بن عبد العزیزؒ نے پیدا کیا تھا۔ ہشام نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک 'کامیاب منیجر' تو ہے، لیکن وہ ایک 'عظیم قائد' نہیں بن سکا جو لوگوں کے دلوں سے بنو امیہ کی نفرت مٹا سکے۔"

ہشام بن عبد الملک کے دور کے یہ سال (107ھ سے 110ھ) اس لحاظ سے انتہائی اہم ہیں کہ یہاں سے بنو امیہ کے زوال کا وہ "خاموش عمل" شروع ہوا جسے ہشام کی انتظامی چستی بھی نہ روک سکی۔ ان سالوں میں ایک طرف سرحدوں پر خونی معرکے جاری تھے اور دوسری طرف سلطنت کے اندر قبائلی عصبیت کا وہ زہر پھیل رہا تھا جس نے آگے چل کر ملوکیت کا ڈھانچہ گرا دیا۔

108 ہجری — قفقاز کے برفانی میدانوں میں خونی معرکے

عنوان: خزر قبائل سے ٹکراؤ اور جراح بن عبد اللہ الحکمی کی مہمات

108ھ میں ہشام نے اپنی توجہ شمالی سرحدوں (آرمینیا اور آذربائیجان) پر مرکوز کی۔ یہاں خزر قبائل (Khazars) رومیوں کی شہ پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔

* جراح بن عبد اللہ الحکمی: ہشام نے جراح بن عبد اللہ کو قفقاز کا گورنر مقرر کیا۔ وہ ایک نہایت بہادر اور متقی انسان تھے۔ انہوں نے خزروں کے علاقوں میں دور تک پیش قدمی کی اور کئی اہم قلعے فتح کیے۔

* شدید موسمی حالات: مسلمانوں کو وہاں کی شدید سردی اور برف باری کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ یہ جنگیں بنو امیہ کی فوجی قوت کو مسلسل نچوڑ رہی تھیں۔

* تاریخی حوالہ: (ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، ج5، واقعات 108ھ)

109 ہجری — قبائلی عصبیت کا فتنہ اور ہشام کی پالیسی

عنوان: یمنی اور مضری کشمکش اور ملوکیت کا توازن بگاڑنے والا عمل

ہشام بن عبد الملک کے دور میں عربوں کے دو بڑے گروہوں (شمالی عرب یعنی مضری اور جنوبی عرب یعنی یمنی) کے درمیان دشمنی نے ایک نئی شدت اختیار کر لی۔

* ہشام کا جھکاؤ: ہشام خود کو کسی ایک گروہ تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا، لیکن مصلحت کے تحت اس نے کبھی ایک گروہ کو نوازا تو کبھی دوسرے کو۔ اس "پالیسی" نے دشمنی کو ختم کرنے کے بجائے مزید ہوا دی۔

* خالد القسری کی گورنری: عراق میں خالد بن عبد اللہ القسری (جو یمنی تھے) کی گورنری جاری تھی۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو نوازنا شروع کیا، جس سے مضری قبائل میں شدید غصہ پیدا ہوا۔

* اثر: جب حکمران قبائلی توازن برقرار رکھنے میں ناکام ہو جائے، تو ملوکیت اپنی اجتماعی قوت کھو دیتی ہے۔ یہی عصبیت تھی جس نے بعد میں عباسیوں کے لیے راہ ہموار کی۔

110 ہجری — عباسی دعوت کا پہلا "اعلانِ عمل"

عنوان: خراسان کی زیرِ زمین لہریں اور بنو عباس کا نیا رخ

110ھ وہ سال ہے جب عباسی تحریک نے اپنے خفیہ نیٹ ورک کو مزید منظم کیا اور خراسان میں لوگوں کے ذہنوں کو بنو امیہ سے مکمل بیزار کر دیا۔

* بکیر بن ماہان کی سرگرمیاں: عباسیوں کا مرکزی داعی بکیر بن ماہان خراسان میں تاجروں کے روپ میں گھوم رہا تھا۔ اس نے اس سال "بارہ نقیبوں" کے نظام کو مزید فعال کیا۔

* خراسان کا گورنر: ہشام نے اشرس بن عبداللہ کو خراسان کا گورنر بنایا۔ اشرس نے پہلے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح "جزیہ کی معافی" کا اعلان کر کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا، لیکن جب شاہی خزانہ کم ہونے لگا تو اس نے دوبارہ جزیہ لگا دیا۔ اس وعدہ خلافی نے خراسان کے نو مسلموں کو بنو امیہ کا جانی دشمن بنا دیا اور وہ عباسیوں کی جھولی میں جا گرے۔

* تاریخی نکتہ: یہی وہ سال ہے جب مشہور محدث امام زہریؒ ہشام کے دربار میں علمی خدمات انجام دے رہے تھے، لیکن سیاسی حالات ان کی علمی کوششوں سے بالکل الگ سمت میں جا رہے تھے۔

> "107ھ سے 110ھ تک کے یہ چار سال بنو امیہ کے لیے 'ظاہری استحکام' کے سال تھے، لیکن پردے کے پیچھے ملوکیت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ ہشام نے سرحدوں پر فتوحات تو حاصل کیں، لیکن وہ 'نظریاتی محاذ' پر ہار رہا تھا۔ خراسان میں جزیہ کی دوبارہ وصولی نے بنو امیہ کے خلاف وہ نفرت پیدا کی جسے بعد میں کوئی بھی شامی تلوار ختم نہ کر سکی۔"

ہشام بن عبدالملک کے دور کے یہ پانچ سال (111ھ سے 115ھ) ملوکیت کے سیاسی زوال اور اسلامی فقہ کے علمی عروج کا ایک حیرت انگیز امتزاج ہیں۔ ایک طرف بنو امیہ سرحدوں پر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، تو دوسری طرف کوفہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اس علمی و فقہی نظام کی بنیاد رکھ رہے تھے جس نے ملوکیت کے اثر سے آزاد ہو کر امت کی رہنمائی کرنی تھی۔

111ھ تا 112ھ — جراح بن عبداللہ کی شہادت اور مرجِ اردبیل کا المیہ

عنوان: قفقاز کا محاذ اور بنو امیہ کی سب سے بڑی فوجی ہزیمت

111ھ اور 112ھ میں خزر قبائل نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے اسلامی سرحدوں پر ہولناک حملہ کیا۔

* معرکہِ مرجِ اردبیل (112ھ): خزروں کے تین لاکھ کے لشکر نے جراح بن عبداللہ الحکمی کے صرف 25 ہزار کے دستے کو اردبیل کے مقام پر گھیر لیا۔

* ہولناک انجام: جراح بن عبداللہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن وہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ خزروں نے موصل (عراق) تک کے علاقوں کو پامال کر دیا۔ دمشق میں کہرام مچ گیا کیونکہ یہ بنوامیہ کی عسکری تاریخ کا ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔

* امام ابو حنیفہؒ کا تناظر: اس وقت امام ابو حنیفہؒ کی عمر تقریباً 32 سال تھی۔ آپ کوفہ میں اپنے استاد حماد بن ابی سلیمانؒ کے حلقہِ درس سے وابستہ تھے۔ آپ ان سیاسی فتنوں اور جنگوں کو دیکھ رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی فقہ میں "امن و جنگ کے قوانین" (Siyar) کو اتنی اہمیت ملی کہ ریاست کو کسی بھی حال میں ظلم سے بچایا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ کا کردار — کوفہ کا علمی مرکز اور ملوکیت سے دوری

عنوان: تلوار کے مقابلے میں قلم اور فکر کی آبیاری

ہشام بن عبدالملک کے دور میں جب ملوکیت نے علماء کو دربار سے وابستہ کرنا چاہا، تو امام ابو حنیفہؒ نے ایک بالکل مختلف راستہ اختیار کیا۔

* آزادانہ معیشت: امام صاحب نے کپڑے کی تجارت (خز) کو اپنایا تاکہ وہ ملوکیت کے وظائف اور سرکاری دباؤ سے آزاد رہ کر حق کی بات کر سکیں۔

* شورائی نظامِ فقہ: آپؒ نے کوفہ میں اپنے شاگردوں کی ایک مجلسِ شوریٰ بنائی جہاں قانونی مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ یہ ملوکیت کے "یکطرفہ حکم" کے مقابلے میں ایک "جمہوری علمی طرزِ عمل" تھا۔

* اہلِ بیت سے محبت: امام صاحب کے دل میں اہلِ بیت کی شدید محبت تھی۔ آپؒ خاموشی سے ان لوگوں کی مالی مدد کرتے تھے جو بنوامیہ کے ظلم کا شکار ہوتے۔ آپؒ کا موقف تھا کہ خلافت اس کا حق ہے جو تقویٰ اور علم میں سب سے بلند ہو۔

113ھ تا115ھ — فتوحات کارخ اور اندرونی خلفشار

عنوان:ہشام کی انتظامی چستی اور فکری بحران

ان سالوں میں ہشام نے مرجِ اردبیل کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک اور پھر مروان بن محمد (مروان ثانی) کو بھیجا۔

* خزروں کی سرکوبی(114ھ): مروان بن محمد نے خزروں کے دارالخلافہ تک یلغار کی اور انہیں صلح پر مجبور کیا۔اس مہم سے بنو امیہ کا رعب بحال تو ہوا، لیکن فوج تھک چکی تھی اور خزانہ خالی ہو رہا تھا۔

* معاشی جبر:ہشام نے ان جنگوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا، جس سے کسان اور تاجر بیزار ہو گئے۔

* امام ابو حنیفہؒ کا موقف:امام صاحب ایسے وقت میں "عقود"(Contracts)اور"تجارت کے اصول"مدون کر رہے تھے تاکہ عام آدمی کو سرکاری اہلکاروں کے ظلم سے بچایا جاسکے اور اسے معلوم ہو کہ اس کے شرعی حقوق کیا ہیں۔

114ھ — معرکہِ بلاط الشہداء(Battle of Tours)

عنوان:یورپ کی سرحدوں پر اسلام کی پیش قدمی کا رکنا—ملوکیت اور مرکزیت کا المیہ

رمضان114ھ(اکتوبر732ء)میں اندلس(اسپین)کے گورنر عبد الرحمن الغافقی اور فرانسیسی حکمران چارلس مارٹل کے درمیان فرانس کے شہر'ٹورز'(Tours)کے قریب ایک تاریخ ساز جنگ ہوئی، جسے تاریخ میں 'بلاط الشہداء' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

* واقعہ:یہ معرکہ انسانی تاریخ کے ان چند گنے چنے معرکوں میں سے ہے جنہوں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔عبد الرحمن الغافقی ایک عظیم جرنیل تھے جو پیرس کے قریب تک پہنچ چکے تھے۔اگر یہ جنگ جیت لی جاتی تو شاید آج پورے یورپ کی تاریخ مختلف ہوتی۔

* نتیجہ: مسلمانوں کو فتح کے بالکل قریب پہنچ کر ہزیمت اٹھانی پڑی۔ دورانِ جنگ جب مالِ غنیمت کے پیچھے پھیلی ہوئی صفوں پر دشمن نے حملہ کیا، تو اسے سنبھالنے کی کوشش میں سپہ سالار عبد الرحمن الغافقی شہید ہو گئے۔ قیادت کے خاتمے نے لشکر میں انتشار پھیلا دیا اور مسلمان وہاں سے پیچھے ہٹ گئے۔ یہ مسلمانوں کی یورپ کے قلب میں آخری بڑی پیش قدمی تھی۔

تجزیہ: ملوکیت کا کردار اور دمشق کی دوری

اس جنگ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ جب خلافت 'ملوکیت' میں بدلتی ہے، تو مرکز (دہلی ہو یا دمشق) صرف طاقت اور زمین کا بھوکا ہو جاتا ہے۔

* عدم توجہی: دمشق میں بیٹھا ہشام بن عبد الملک ان دور دراز محاذوں کو صرف "ٹیکس اور زمین" کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ مرکز کے لیے اندلس ایک 'جزیرہ' تھا جس سے مالِ غنیمت کی توقع تو تھی، مگر وہاں کے مجاہدین کو مرکز سے وہ اخلاقی اور مادی مدد نہیں ملی جو ایک عالمی سلطنت کو فراہم کرنی چاہیے تھی۔

* عصبیت کا فتنہ: ملوکیت کے سائے میں 'عرب عصبیت' (یمنی بمقابلہ حجازی) دوبارہ ابھر رہی تھی، جس نے اندلس کے لشکر کو اندر سے کمزور کر دیا تھا۔ عبد الرحمن الغافقی جیسا عادل حکمران تو اس عصبیت کو دبا سکا، مگر مرکز سے ان عصبیتوں کو ہوا دی جا رہی تھی۔

* انتظامی خلا: ملوکیت نے حکمرانی کو ایک خاندان تک محدود کر دیا تھا، جس کی وجہ سے دور دراز کے علاقوں میں 'گورنروں کی طوائف الملوکیت' جنم لینے لگی تھی۔ بلاط الشہداء میں شکست کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ پیچھے موجود دیگر اموی گورنروں نے الغافقی کو وہ کمک (Reinforcement) نہیں بھیجی جو فتح کو یقینی بنا سکتی تھی۔

> "بلاط الشہداء محض ایک فوجی شکست نہیں تھی، بلکہ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ ملوکیت اب اتنی بوجھل ہو چکی ہے کہ وہ اپنی ہی سرحدوں کی حفاظت اور فتوحات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی سکت کھو رہی ہے۔ دمشق کے محلوں کی آسائش نے سرحدوں پر لڑنے والے مجاہدین کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔"

ہشام بن عبد الملک کے دور کے یہ آخری سال (116ھ سے 120ھ) تاریخِ اسلام میں "خاموش طوفان" کے سال کہلاتے ہیں۔ اس دوران جہاں ملوکیت کے سیاسی ستون ہل رہے تھے، وہیں حجاز اور عراق میں دو ایسی علمی شخصیتیں ابھر رہی تھیں جنہوں نے آنے والی صدیوں کے لیے اسلام کی علمی و قانونی سمت متعین کرنی تھی: امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں اور امام مالکؒ مدینہ منورہ میں۔

116ھ تا 120ھ — سیاسی انحطاط اور عباسیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

عنوان: ملوکیت کا آخری دفاع اور سیاہ جھنڈوں کی تیاری

ان پانچ سالوں میں ہشام بن عبد الملک نے اپنی تمام تر توجہ خراسان اور وسطی ایشیا پر مرکوز کر رکھی تھی، جہاں ترکوں کے خلاف جنگیں جاری تھیں۔

* خراسان کا بحران: بنو امیہ کے گورنروں کی سخت گیری اور ٹیکسوں کے بوجھ نے مقامی آبادی کو عباسی داعیوں کے قریب کر دیا تھا۔ 118ھ اور 120ھ کے درمیان عباسی تحریک نے اپنا نعرہ "آلِ محمد ﷺ کی رضا" سے بدل کر عملی کارروائیوں کی طرف موڑنا شروع کیا۔

* خوارج کا خروج: اسی دوران افریقہ (مغرب) میں خوارج نے بنو امیہ کے خلاف ایک بڑی بغاوت کی، جس نے دمشق کو دفاعی پوزیشن پر آنے پر مجبور کر دیا۔

امام ابو حنیفہؒ اور بنو امیہ کا دباؤ (عراق کا محاذ)

عنوان: ملوکیت کی بیعت سے انکار اور قید و بند کی آزمائش

امام ابو حنیفہؒ (وفات 150ھ) اس دور میں کوفہ کے سب سے معتبر فقیہ بن چکے تھے۔ ہشام کے گورنر خالد القسری اور اس کے بعد یوسف بن عمر نے کوشش کی کہ امام صاحب کو سرکاری عہدہ دے کر ملوکیت کا حصہ بنا لیا جائے۔

* آزمائش کا آغاز: بنو امیہ چاہتے تھے کہ امام صاحب "قاضی" (جج) کا عہدہ قبول کریں تاکہ ان کے سیاسی فیصلوں کو شرعی جواز مل سکے۔ امام صاحب نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: "اگر وہ مجھ سے یہ کہیں کہ میں ان کے لیے مسجد کے دروازے گن دوں، تب بھی میں یہ کام نہیں کروں گا (کیونکہ میں ان کے کسی کام میں مددگار نہیں بننا چاہتا)"۔

* کوڑوں کی سزا: امام صاحب کو اس انکار کی پاداش میں کوڑے لگائے گئے اور قید کیا گیا، لیکن آپ کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔ آپ کی فقہ دراصل ملوکیت کے تسلط کے خلاف ایک "فکری بغاوت" تھی۔

امام مالک بن انسؒ اور مدینہ کا علمی وقار (حجاز کا محاذ)

عنوان: امام دار الہجرت اور سنتِ نبوی ﷺ کا تحفظ

اسی دور (تقریباً 116ھ-118ھ) میں مدینہ منورہ میں ایک نوجوان عالم کی شہرت پھیل رہی تھی، جن کا نام مالک بن انسؒ (وفات 179ھ) تھا۔

* علمی تربیت: امام مالکؒ نے اس دور کے عظیم تابعین، خاص طور پر نافعؒ (مولیٰ ابن عمرؓ) اور ابن شہاب زہریؒ سے علم حاصل کیا۔ ہشام بن عبد الملک امام زہریؒ کی بہت عزت کرتا تھا، اور امام مالکؒ اسی علمی چشمے سے سیراب ہو رہے تھے۔

* طرزِ عمل: امام ابو حنیفہؒ کے برعکس، امام مالکؒ نے اس وقت براہِ راست سیاسی تصادم کے بجائے "سنت اور عملِ اہل مدینہ" کو مدون کرنے پر توجہ دی۔ آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ ملوکیت کے اس پر آشوب دور میں اسلام کی اصل روح (جو مدینہ میں محفوظ تھی) کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

* موطا کا بیج: یہی وہ سال تھے جب امام مالکؒ نے احادیث اور آثارِ صحابہ کو جمع کرنا شروع کیا، جو بعد میں "موطا امام مالک" کی صورت میں سامنے آئی—دنیا کی پہلی منظم قانونی و حدیثی دستاویز۔

ملوکیت، فقیہ اور عوام—ایک مثلث

عنوان: جب خلافت کا تخت کمزور ہوا اور علم کا منبر مضبوط

* ہشام بن عبد الملک: وہ ریاست کو "مال اور طاقت" سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اس کے پاس کوئی "اخلاقی بیانیہ" نہیں تھا۔

* امام ابو حنیفہؒ: وہ کوفہ میں "قیاس اور رائے" کے ذریعے ملوکیت کے پیدا کردہ قانونی مسائل کا حل نکال رہے تھے تاکہ عام مسلمان کا حق ضائع نہ ہو۔

* امام مالکؒ: وہ مدینہ میں "نص اور سنت" کے ذریعے اسلام کے اساسی ڈھانچے کی حفاظت کر رہے تھے تاکہ بادشاہوں کی بدعتیں دین میں داخل نہ ہو سکیں۔

> "ہشام بن عبد الملک کے آخری سالوں میں ملوکیت کی ظاہری دیواریں تو کھڑی تھیں، لیکن ان کے اندر سے 'روح' نکل چکی تھی۔ دوسری طرف امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی صورت میں وہ دو چراغ روشن ہو چکے تھے جنھوں نے ثابت کیا کہ اگر تختِ سلطنت (خلافت) ملوکیت میں بدل جائے، تب بھی تختِ علم (فقہ) کو آزاد رہنا چاہیے۔ بنو امیہ کی ملوکیت زائل ہونے والی تھی، لیکن ان اماموں کی 'علمی ملوکیت' کی سلطنت کا آغاز ہو رہا تھا جو آج تک قائم ہے۔"

ہشام بن عبد الملک کی خلافت کے آخری پانچ سال (121ھ سے 125ھ) ملوکیت کے اس "بند" کے ٹوٹنے کے سال ہیں جسے اس نے بیس سال تک بڑی محنت سے سنبھالے رکھا تھا۔ ان سالوں میں ایک طرف خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ امام زید بن علیؒ کی شہادت ہوئی، تو دوسری طرف بنو امیہ کے اندرونی اختلافات نے اس عظیم الشان عمارت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔

121ھ تا 122ھ — شہادتِ امام زیدؒ اور ملوکیت کا اخلاقی دیوالیہ پن

عنوان: ایک خونی لکیر جس نے ملوکیت کو تنہا کر دیا

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، 122ھ میں امام زید بن علیؒ کا خروج اور ان کی شہادت ہشام کے دور کا سب سے بڑا سیاسی المیہ تھا۔

* علمی اثر: اس واقعے نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو ہلا کر رکھ دیا۔ انہوں نے نہ صرف امام زیدؒ کے موقف کی تائید کی بلکہ مالی طور پر بھی ان کی مدد کی۔ جب امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں نکلے، تو آپ نے فرمایا: "ان کا خروج رسول اللہ ﷺ کے (غزوہ) بدر کے خروج کی طرح تھا، لیکن لوگوں کی بے وفائی نے مجھے اندیشے میں ڈال دیا"۔

* امام مالکؒ کا کرب: مدینہ منورہ میں امام مالکؒ اس ظلم پر خاموش نہ تھے۔ اگرچہ آپؒ براہِ راست تلوار اٹھانے کے قائل نہ تھے، لیکن آپ نے ہمیشہ ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے کی قدر کی۔ ان سالوں میں امام مالکؒ کی "موطا" کے ابتدائی ابواب مدون ہو رہے تھے جو معاشرے میں عدل کی بنیاد بن رہے تھے۔

123ھ تا 125ھ — ہشام کے آخری ایام اور ولی عہدی کا بحران

عنوان: ملوکیت کا داخلی خلفشار اور ولید بن یزید کا فتنہ

ہشام بن عبد الملک نے بیس سال حکومت کی، لیکن وہ اپنے بعد آنے والے جانشین کے معاملے میں شدید پریشان تھا۔

* ولید بن یزید (ولی عہد): یزید بن عبد الملک کا بیٹا ولید، جو ہشام کے بعد خلیفہ بننے والا تھا، ایک انتہائی بدکردار، شرابی اور عیاش نوجوان تھا۔ ہشام اسے ولی عہدی سے ہٹانا چاہتا تھا لیکن بنو امیہ کے پرانے قوانین آڑے آ گئے۔

* ہشام کی وفات (125ھ): ربیع الآخر 125ھ میں ہشام بن عبد الملک کا انتقال ہوا۔ جیسے ہی اس کی آنکھ بند ہوئی، بنو امیہ کا وہ نظم و ضبط ختم ہو گیا جس نے سلطنت کو جوڑا ہوا تھا۔ ہشام کا ترکہ (میراث) جب دیکھا گیا تو اس نے اس قدر مال جمع کیا تھا کہ لوگ دنگ رہ گئے، لیکن وہ مال اس کے خاندان کو تباہی سے نہ بچا سکا۔

بنو امیہ کی خانہ جنگی کا آغاز (125ھ)

عنوان: جب محل کے اندر سے آگ لگی

ہشام کے مرتے ہی ملوکیت اپنی اصلی اور بدترین شکل میں سامنے آئی۔

* ولید بن یزید کا تخت نشین ہونا: ہشام کے بعد ولید بن یزید خلیفہ بنا۔ اس نے خلافت کو ایک تماشہ بنا دیا۔ اس کے دور میں قرآن کی توہین اور اعلانیہ فسق و فجور کی روایات ملتی ہیں۔

* خاندانی بغاوت: بنو امیہ کے شہزادے خود ولید کے خلاف ہو گئے۔ ہشام کے بھتیجے یزید بن ولید (یزید ثالث) نے ولید بن یزید کے خلاف بغاوت کر دی اور اسے قتل کر دیا۔

* تباہی کا آغاز: یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ بنو امیہ نے اپنے ہی ایک خلیفہ کو قتل کیا۔ اس قتل نے وہ دروازہ کھولا جو 132ھ میں بنو امیہ کی مکمل تباہی پر ہی بند ہوا۔

> "ہشام بن عبد الملک بنو امیہ کا آخری 'سنجیدہ' حکمران تھا۔ اس کی موت کے بعد ملوکیت ایک ایسے پاگل پن میں مبتلا ہو گئی جہاں بھائی بھائی کا دشمن بن گیا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اس دوران امت کے ٹوٹتے ہوئے شیرازے کو علم اور سنت کے ذریعے جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے، جبکہ بنو امیہ اپنی ہی تلواروں سے اپنی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ عباسیوں کے لیے اب دمشق کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔"

بنو امیہ کے آخری پانچ سال (126ھ سے 132ھ) تاریخِ اسلام کے وہ لرزہ خیز سال ہیں جہاں ملوکیت کا غرور خاک میں مل گیا اور ایک نئی طاقت (بنو عباس) نے خون کی ندیاں بہا کر اقتدار حاصل کیا۔ مروان بن محمد، جسے اس کی ہمت اور جفاکشی کی وجہ سے "مروان الحمار" (محنتی مروان) کہا جاتا تھا، اس گرتی ہوئی دیوار کا آخری سہارا بنا۔

مروان بن محمد کی تخت نشینی (127ھ)—ایک ہارے ہوئے جواری کی آخری چال

عنوان: مروان ثانی اور ملوکیت کا آخری دفاع

جب مروان بن محمد تخت پر بیٹھا، تو سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ شام، جو بنو امیہ کا گڑھ تھا، خود خانہ جنگی کا شکار تھا۔

* دارالخلافہ کی تبدیلی: مروان نے دمشق کے بجائے حران (جزیرہ) کو اپنا دارالخلافہ بنایا، جس سے شامیوں کے دل ٹوٹ گئے اور وہ بنو امیہ سے مزید بیزار ہو گئے۔

* بغاوتوں کا سیلاب: مروان نے اپنے پانچ سالہ دور کا ایک ایک دن گھوڑے کی پیٹھ پر گزارا۔ کبھی وہ فلسطین میں بغاوت کچلتا تو کبھی حمص میں، لیکن خراسان میں اٹھنے والا کالا طوفان اب اس کے بس سے باہر ہو چکا تھا۔

ابو مسلم خراسانی اور سیاہ جھنڈوں کا ظہور (129ھ-130ھ)

عنوان: ملوکیت کے خلاف عوامی اشتعال اور عباسیوں کا اعلانِ جنگ

129ھ میں عباسی داعی ابو مسلم خراسانی نے مرو (خراسان) میں علانیہ بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

* سیاہ لباس اور جھنڈے: عباسیوں نے سوگ اور غم کی علامت کے طور پر سیاہ لباس اور سیاہ جھنڈے اپنائے (یہ اشارہ تھا ان مظالم کی طرف جو بنو امیہ نے اہل بیت پر کیے تھے)۔

* نصر بن سیار کی فریاد: بنو امیہ کے آخری گورنر نصر بن سیار نے مروان کو وہ مشہور خط لکھا جس کے اشعار تاریخ میں امر ہو گئے:

>"میں راکھ کے ڈھیر میں چنگاریاں دیکھ رہا ہوں، اور مجھے ڈر ہے کہ یہ ایک عظیم آگ بن جائے گی... اگر عقل مندوں نے اسے نہ بجھایا تو اس کا ایندھن عربوں کے سر ہوں گے۔"

* تاریخی حوالہ: (تاریخ الطبری، ج7 / الکامل فی التاریخ)

معرکۂ زاب (132ھ)—ملوکیت کا عبرتناک انجام

عنوان: دریائے زاب کا کنارہ اور بنو امیہ کی آخری ہچکی

جمادی الآخر 132ھ میں دریائے زاب (عراق) کے کنارے بنو امیہ اور بنو عباس کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔

* فیصلہ کن جنگ: مروان بن محمد کے پاس ایک لاکھ سے زیادہ کی فوج تھی، جبکہ عباسیوں کا لشکر کم تھا لیکن ان کے پاس "نظریاتی جنون" تھا۔ مروان کی فوج میں قبائلی عصبیت اتنی زیادہ تھی کہ عین جنگ کے وقت یمنی قبائل نے لڑنے سے انکار کر دیا یا پیچھے ہٹ گئے۔

* شکست اور فرار: مروان بن محمد کو عبرتناک شکست ہوئی۔ وہ میدان چھوڑ کر مصر کی طرف بھاگا، جہاں آخر کار ایک گمنام گاؤں "بوصیر" میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی 92 سالہ اموی خلافت کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا موقف

عنوان: نئی ملوکیت کا استقبال یا علمی احتیاط؟

جب بنو عباس نے اقتدار سنبھالا، تو ابتدائی طور پر علماء اور عوام نے خوشی منائی کہ "ظالم امویوں" سے نجات ملی۔

* امام ابو حنیفہؒ: آپؒ نے عباسیوں کی ابتدائی حمایت کی کیونکہ انہوں نے "آلِ محمد ﷺ" کا نعرہ لگایا تھا۔ لیکن جب عباسیوں نے بھی ملوکیت کا رنگ اپنایا اور خونریزی کی، تو امام صاحب ان سے بھی بیزار ہو گئے۔

* امام مالکؒ: آپؒ نے مدینہ میں رہ کر حالات کا مشاہدہ کیا۔ آپ کا مشہور فتویٰ "مجبور کی بیعت جائز نہیں" (جس نے عباسیوں کو ہلا کر رکھ دیا) اسی دور کے سیاسی حالات کا نتیجہ تھا۔

> "بنو امیہ کی ملوکیت کا انجام یہ سبق دیتا ہے کہ صرف 'طاقت اور عصبیت' کی بنیاد پر کھڑی عمارتیں زیادہ دیر قائم نہیں رہتیں۔ جب ملوکیت عدل سے خالی ہو جاتی ہے، تو اسے گرانے کے لیے کسی بیرونی دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اپنے ہی ستون (قبائلی عصبیت) اسے گرا دیتے ہیں۔ عباسیوں نے سیاہ جھنڈے اٹھا کر ایک نئے دور کا آغاز تو کیا، لیکن جلد ہی امت نے دیکھ لیا کہ صرف 'خاندان' بدلنے سے 'نظام' نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ 'عدلِ فاروقی' واپس نہ آجائے جس کی جھلک عمر بن عبدالعزیزؒ نے دکھائی تھی۔"

بنو امیہ کا عبرتناک زوال اور اندلس (اسپین) میں ان کا دوبارہ جی اٹھنا۔

عباسیوں کا قتلِ عام اور ملوکیت کا بھیانک انجام

عنوان: ابو العباس السفاح اور بنو امیہ کی نسل کشی

جب بنو عباس نے اقتدار سنبھالا، تو انہوں نے بنو امیہ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی مثال تاریخِ اسلام میں نہیں ملتی۔ پہلا عباسی خلیفہ ابو العباس اپنے لقب "السفاح" (خون بہانے والا) کے نام سے مشہور ہوا۔

* ابو فُطرس کا دستر خوان: عباسیوں نے بنو امیہ کے تقریباً 80 شہزادوں کو امان دے کر بلایا اور کھانے کے دوران انہیں دھوکے سے قتل کر دیا۔ روایت ہے کہ ان کی لاشوں پر چمڑے کا دستر خوان بچھا کر کھانا کھایا گیا جبکہ ابھی کچھ شہزادے سسک رہے تھے۔

* قبروں کی بے حرمتی: عباسیوں نے دمشق میں بنو امیہ کے خلفاء (سوائے عمر بن عبد العزیزؒ کے) کی قبریں کھدوا ڈالیں اور ان کی باقیات کی توہین کی۔ یہ ملوکیت کے خلاف اس نفرت کا نتیجہ تھا جو برسوں سے عوام کے سینوں میں دبی ہوئی تھی۔

* مروانِ ثانی کا قتل: مروان بن محمد مصر کے ایک گرجاگھر (بوصیر) میں پناہ گزین تھا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کی زبان کاٹ کر ایک بلی کو ڈال دی گئی، جس پر لوگوں نے کہا: "جس زبان سے یہ کبر و غرور کے کلمات نکالتا تھا، آج اس کا یہ حال ہے"۔

صقرِ قریش — عبد الرحمن الداخل کا معجزانہ فرار

عنوان: موت کے سائے سے اندلس کے تخت تک

جب بنو امیہ کا نام و نشان مٹایا جا رہا تھا، تو ہشام بن عبد الملک کا ایک بیس سالہ پوتا عبد الرحمن بن معاویہ (جو بعد میں عبد الرحمن الداخل کہلایا) اپنی جان بچا کر نکلنے میں کامیاب رہا۔

* دریائے فرات کا عبور: عبد الرحمن اور اس کا چھوٹا بھائی عباسیوں سے بچنے کے لیے دریائے فرات میں کود گئے۔ چھوٹا بھائی دشمن کے وعدۂ امان پر یقین کر کے واپس مڑا اور قتل کر دیا گیا، جبکہ عبد الرحمن تیرتا ہوا دوسرے کنارے پہنچ گیا۔

* صحراؤں کا سفر: وہ فلسطین سے ہوتا ہوا شمالی افریقہ پہنچا۔ پانچ سال تک وہ در بدر رہا، کبھی بدوؤں کے خیموں میں چھپتا تو کبھی صحراؤں میں، لیکن اس کے حوصلے پست نہ ہوئے۔

* اندلس میں داخلہ (138ھ): اندلس (اسپین) اس وقت قبائلی خانہ جنگی کا شکار تھا۔ عبدالرحمن نے اپنی سیاسی بصیرت سے وہاں کے یمنی قبائل کو اپنے ساتھ ملایا اور 138ھ میں "معرکہِ مصارہ" جیت کر اندلس میں بنوامیہ کی حکومت کی بنیاد رکھی۔

اندلس کی اموی خلافت اور اس کا انوکھا کردار

عنوان: دمشق کی راکھ سے قرطبہ کے پھولوں تک

عبدالرحمن الداخل نے وہ کر دکھایا جو ناممکن لگتا تھا۔ اس نے ایک ایسی ریاست قائم کی جو دمشق کی ملوکیت سے زیادہ مستحکم اور علمی لحاظ سے کہیں زیادہ بلند تھی۔

* عباسی خلیفہ کا اعتراف: مشہور عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور (جو عبدالرحمن کا جانی دشمن تھا) نے اسے "صقرِ قریش" (قریش کا شاہین) کا لقب دیا۔ اس نے کہا: "تعجب ہے اس شخص پر جس نے اکیلے دشمنوں کے درمیان سے نکل کر، سمندر پار جا کر ایک نئی سلطنت کھڑی کر دی"۔

* علم و ثقافت: اندلس کی اموی ملوکیت نے آگے چل کر قرطبہ (Cordoba) کو دنیا کا علمی مرکز بنا دیا، جہاں کی لائبریریاں اور یونیورسٹیاں اس وقت پورے یورپ کے لیے روشنی کا مینار تھیں۔

>"بنو امیہ کی مشرقی سلطنت (دمشق) ملوکیت کی تلخیوں اور قبائلی عصبیتوں کی وجہ سے ڈوب گئی، لیکن اسی خاندان کے ایک شہزادے نے اندلس میں جا کر ثابت کیا کہ اگر 'محرومی اور تجربہ' انسان کو بدل دیں، تو وہ راکھ سے بھی گلستان پیدا کر سکتا ہے۔ اندلس کی اموی حکومت نے ملوکیت کو ایک 'تہذیبی رنگ' دیا جس نے مسلمانوں کو علمی میدان میں صدیوں تک دنیا کا امام بنائے رکھا۔"

اندلس (اسپین) میں بنو امیہ کی نئی ریاست کا قیام تاریخِ عالم کا وہ انوکھا باب ہے جہاں ملوکیت نے اپنی پرانی تلخیاں چھوڑ کر ایک تہذیبی اور علمی رخ اختیار کیا۔ عبد الرحمن الداخل نے جس ریاست کی بنیاد رکھی، اس نے آگے چل کر یورپ کے اندھیروں میں علم کی وہ شمع روشن کی جس کا اعتراف آج بھی مغربی مورخین کرتے ہیں۔

آپ کی کتاب کے اگلے صفحات کے لیے اس علمی و تہذیبی انقلاب کی تفصیل درج ذیل ہے:

اندلس کی ریاست — ملوکیت سے تہذیب تک کا سفر

عنوان: دمشق کی ملوکیت کا کفارہ اور قرطبہ کا عروج

عبد الرحمن الداخل نے اندلس پہنچ کر یہ محسوس کر لیا تھا کہ دمشق کی ملوکیت اس لیے ڈوبی کیونکہ وہاں عدل کم اور خاندانی عصبیت زیادہ تھی۔ چنانچہ اس نے اندلس میں ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھی جو "قوت" کے ساتھ ساتھ "تعمیر و ترقی" پر مبنی تھی۔

* سیاسی خود مختاری: عبد الرحمن نے بغداد میں بیٹھے عباسی خلفاء کی بالادستی قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن وہ اس قدر زیرک تھا کہ اس نے خود کو "خلیفہ" کے بجائے "امیر" کہلوایا (تاکہ امت میں مزید مذہبی انتشار نہ پھیلے)۔

* تعمیرات کا شوق: اس نے دمشق کی یاد میں قرطبہ میں جامع مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی، جو آج بھی اسلامی فنِ تعمیر کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس نے اندلس کی بنجر زمینوں کو نہروں کے ذریعے گلستان بنا دیا اور وہاں کھجور اور دیگر وہ پھل متعارف کرائے جو پہلے وہاں نہیں تھے۔

علمی ترقی — جب قرطبہ "یورپ کا زیور" بن گیا

عنوان: لائبریریوں، یونیورسٹیوں اور سائنس کا انقلاب

اندلس کی اموی ریاست نے علم کو ملوکیت کا غلام بنانے کے بجائے اسے ریاست کی پہچان بنا دیا۔

* عظیم لائبریریاں: اندلس کے حکمران (خاص طور پر بعد میں آنے والے عبد الرحمن الثالث اور الحکم ثانی) نے ایسی لائبریریاں قائم کیں جن میں چار لاکھ سے زائد کتب موجود تھیں۔ یہ اس دور کی بات ہے جب باقی یورپ میں لوگ دستخط کرنا بھی نہیں جانتے تھے۔

* سائنسی ایجادات: اسی دور میں عباس بن فرناس نے انسانی تاریخ کی پہلی پرواز کی کوشش کی۔ طب (Medicine) میں الزہراوی نے جراحی (Surgery) کے وہ آلات ایجاد کیے جو آج بھی جدید سرجری کی بنیاد ہیں۔

* فلسفہ اور فکر: ابنِ رشد (Averroes) اور ابنِ حزم جیسے مفکرین نے اندلس کی اسی ملوکیت کے سائے میں جنم لیا، جنہوں نے عقل اور وحی کے درمیان توازن پر بحث کر کے عالمی فکر کو متاثر کیا۔

اثرات — اندلس نے دنیا کو کیا دیا؟

عنوان: مشرق اور مغرب کے درمیان علمی پل

اندلس کی اس نئی ریاست نے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے:

* یورپ کی بیداری (Renaissance): یورپ نے یونانی فلسفہ اور جدید سائنس براہِ راست نہیں بلکہ اندلس کے عربی تراجم اور عربی اساتذہ کے ذریعے سیکھی۔

* مذہبی رواداری: اندلس کی اموی ریاست نے عیسائیوں اور یہودیوں کو وہ حقوق اور علمی مواقع دیے جو خود عیسائی ممالک میں انہیں میسر نہ تھے۔ اسے تاریخ میں "La Convivencia" (بقائے باہمی) کا دور کہا جاتا ہے۔

* علمی وراثت کا تحفظ: جب بغداد ہلاکو خان کے ہاتھوں تباہ ہوا، تو اندلس کی علمی میراث ہی تھی جس نے اسلامی تہذیب کو زندہ رکھا۔

> "اگر دمشق کی ملوکیت 'تلوار' کی داستان تھی، تو اندلس کی ملوکیت 'قلم' کی حکمرانی تھی۔ عبدالرحمن الداخل نے جس پودے کو اپنے آنسوؤں سے سینچا تھا، وہ ایک ایسا تناور درخت بنا جس نے انسانیت کو ابنِ خلدون جیسا مورخ اور ابنِ عربی جیسا صوفی دیا۔ یہ بنو امیہ کی ملوکیت کا وہ دوسرا رخ تھا جہاں اقتدار صرف اپنی بقا کے لیے نہیں بلکہ انسانیت کی فلاح اور علمی ارتقاء کے لیے استعمال ہوا۔"

اب یہاں سے ایک نیا حصہ ملوکیت کے ایک اور بڑے باب "تاریخِ بنو عباس" کا آغاز ہے۔ 132 ہجری صرف ایک خاندان کی دوسرے پر فتح کا سال نہیں ہے، بلکہ یہ تاریخِ اسلام میں نظامِ سلطنت، عسکری ڈھانچے اور سماجی توازن کے مکمل بدل جانے کا سال ہے۔

آیئے، 132 ہجری کی تفصیلات اور عباسی خلافت کے بانیوں کے کردار سے اس نئے باب کا آغاز کرتے ہیں:

132 ہجری — ملوکیت کے تغیر کا سال

عنوان: مروانِ ثانی کی شکست اور دمشق کا زوال

132 ہجری کا آغاز بنو امیہ کے لیے موت کے پروانے کی طرح تھا۔ مروان بن محمد (مروانِ ثانی) اپنی تمام تر فوجی مہارت کے باوجود اس طوفان کو نہ روک سکا جو خراسان سے اٹھا تھا۔

* معرکۂ زاب (جمادی الآخر 132ھ): یہ فیصلہ کن جنگ دریائے زاب کے کنارے ہوئی۔ عباسی فوج کی قیادت عبد اللہ بن علی (پہلے عباسی خلیفہ کا چچا) کر رہا تھا۔ مروان کی فوج میں بھگدڑ مچی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگا۔

* دمشق پر قبضہ: اپریل 750ء (رمضان 132ھ) میں عباسی فوجیں دمشق میں داخل ہوئیں۔ بنو امیہ کا دارالخلافہ، جو ایک صدی تک دنیا کا مرکز رہا تھا، اب عباسیوں کے سیاہ جھنڈوں کے سائے میں تھا۔

* مروان کا خاتمہ: مروان بھاگ کر مصر پہنچا، لیکن عباسی دستوں نے اسے تلاش کر لیا اور "بوصیر" کے مقام پر اسے قتل کر کے بنو امیہ کی خلافت کا باب مشرق میں ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

بنو عباس کے بانی اور کلیدی کردار

عنوان: پردہ نشینوں سے تخت نشینوں تک—

وہ لوگ جنہوں نے تاریخ بدلی

عباسی خلافت کسی ایک فرد کی کوشش نہیں تھی، بلکہ یہ ایک منظم گروہ کی دہائیوں پر محیط محنت تھی۔ اس کے سرِفہرست نام درج ذیل ہیں:

1. محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (اصل منصوبہ ساز)

یہ وہ شخص تھے جنہوں نے "حمیمہ" میں بیٹھ کر اس پوری تحریک کا فکری ڈھانچہ تیار کیا۔ اگرچہ یہ خلافت قائم ہونے سے پہلے وفات پا گئے، لیکن "بارہ نقیبوں" کا نظام انہی کا بنایا ہوا تھا۔

2. ابوالعباس السفاح (پہلا عباسی خلیفہ)

ان کا اصل نام عبداللہ بن محمد تھا۔ 132ھ میں کوفہ کی مسجد میں ان کی بیعت ہوئی۔ انہوں نے اپنے پہلے ہی خطبے میں بنوامیہ کے خلاف سخت لہجہ اختیار کیا اور اپنا لقب "السفاح" (خون بہانے والا) رکھا تاکہ دشمنوں کے دلوں میں ہیبت بیٹھ جائے۔

3. ابوجعفر المنصور (اصل معمار)

یہ السفاح کے بھائی تھے اور عباسی خلافت کے دوسرے خلیفہ بنے۔ تاریخ دان انہیں عباسیوں کا حقیقی بانی مانتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہی انتظامی ڈھانچہ بنایا اور بغداد شہر کی بنیاد رکھی۔

4. ابومسلم خراسانی (عسکری قوت)

یہ وہ نام ہے جس کے بغیر عباسی خلافت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن اپنی بے پناہ ذہانت اور جنگی مہارت سے خراسان کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔ انہوں نے ہی بنو امیہ کی شامی فوجوں کا غرور خاک میں ملایا۔

5. ابو سلمہ الخلال (وزیرِ آلِ محمد ﷺ)

یہ کوفہ میں تحریک کے سربراہ تھے اور انہیں "وزیرِ آلِ محمد" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے مالیاتی اور سیاسی تال میل کے ذریعے عراق میں عباسیوں کے لیے راستہ ہموار کیا۔

132 ہجری کے دیگر اہم واقعات

عنوان: انتقام کی آگ اور نئی ملوکیت کا چہرہ

132ھ کا سال صرف فتوحات کا نہیں بلکہ شدید انتقام کا سال بھی تھا:

* بنو امیہ کا قتلِ عام: عباسیوں نے بنو امیہ کے ہر اس فرد کو ڈھونڈ کر قتل کیا جو ان کے ہاتھ لگا۔ یہ انتقام اتنا شدید تھا کہ بنو امیہ کی قبریں تک کھود ڈالی گئیں۔

* کوفہ کا مرکز بننا: خلافت کا مرکز دمشق (شام) سے منتقل ہو کر کوفہ (عراق) بن گیا۔ یہیں سے عربوں کی سیاسی بالادستی کم ہونا شروع ہوئی اور عجمیوں (ایران و خراسان کے لوگوں) کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔

* لوگوں کی امیدیں: عام مسلمانوں کا خیال تھا کہ عباسیوں کے آنے سے "عدلِ فاروقی" واپس آئے گا، لیکن جلد ہی انہیں احساس ہوا کہ یہ بھی ایک ملوکیت ہے، بس اس کا خاندان بدل گیا ہے۔

> "132 ہجری کی تبدیلی محض ایک سیاسی بغاوت نہیں تھی، بلکہ یہ 'عرب عصبیت' کے خاتمے اور ایک 'بین الاقوامی اسلامی ریاست' کے قیام کا نقطہ آغاز تھا۔ بنو امیہ نے صرف عربوں پر تکیہ کیا تھا، جبکہ عباسیوں نے عجمیوں کے سہارے ملوکیت کی نئی بنیادیں رکھیں۔ السفاح کے پہلے خطبے نے واضح کر دیا تھا کہ اب خلافت 'محبت' سے نہیں بلکہ 'ہیبت' سے چلے گی۔"

کتاب کے اس حصے میں یہ بحث نہایت اہم ہے کیونکہ یہ عباسی ملوکیت کے اس "انتقامی مزاج" کو ظاہر کرتی ہے جس نے خلافت کے تقدس کو پامال کیا۔ تاریخی مآخذ (جیسے ابنِ کثیر، طبری اور مسعودی) اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ عباسیوں نے بنو امیہ کے خلاف جو کارروائی کی، وہ صرف زندوں تک محدود نہ تھی بلکہ مردوں تک جا پہنچی۔

آیئے اس کی حقیقت اور ان بڑے ناموں کی تفصیل دیکھتے ہیں جن کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی:

قبروں کی بے حرمتی اور عباسیوں کا انتقامی جنون

عنوان: ملوکیت کا اندھا انتقام — جب قبریں بھی محفوظ نہ رہیں

132 ہجری میں جب عبد اللہ بن علی (خلیفہ السفاح کا چچا) دمشق میں داخل ہوا، تو اس نے بنو امیہ کے اقتدار کے ہر نشان کو مٹانے کا حکم دیا۔ یہ کارروائی صرف عہدے داروں تک محدود نہیں تھی، بلکہ بنو امیہ کے تقریباً تمام خلفاء کی قبروں کو نشانہ بنایا گیا۔

1. کن خلفاء کی قبریں کھودی گئیں؟

تاریخی روایات کے مطابق، عباسیوں نے دمشق اور اس کے گرد و نواح میں موجود بنو امیہ کے خاندانی قبرستانوں پر حملہ کیا۔

* معاویہؓ: روایات میں آتا ہے کہ جب ان کی قبر کھودی گئی تو وہاں سے صرف ایک باریک لکیر نما باقیات ملیں (کچھ روایات کے مطابق قبر خالی تھی)۔

* یزید بن معاویہ: اس کی قبر سے صرف راکھ جیسی باقیات ملیں، جنہیں جلا کر ہوا میں اڑا دیا گیا۔

* عبد الملک بن مروان: اس کی قبر کھودی گئی تو وہاں سے صرف کھوپڑی ملی۔

* ہشام بن عبد الملک (سب سے لرزہ خیز واقعہ): ہشام کی لاش قبر میں بالکل محفوظ تھی (اسے مرے ہوئے صرف 7 سال ہوئے تھے)۔ عباسیوں نے اس کی لاش کو نکالا، اسے کوڑے مارے، اس کی تحقیر کی اور پھر اسے سولی پر لٹکانے کے بعد جلا دیا۔ یہ ملوکیت کی تاریخ کا ایک نہایت عبرتناک اور افسوسناک واقعہ ہے۔

2. کیا تمام قبروں کے ساتھ ایسا ہوا؟

عباسیوں نے ایک اصول بنایا تھا کہ بنو امیہ کا ہر نشان مٹا دیا جائے، لیکن دو مقامات پر استثناء (Exception) دیکھنے کو ملا:

* حضرت عمر بن عبد العزیزؒ: عباسیوں نے ان کی قبر کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ان کے عدل اور تقویٰ کا احترام دشمنوں کے دلوں میں بھی اس قدر تھا کہ عبد اللہ بن علی نے حکم دیا کہ ان کی قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے۔

* معاویہ ثانی (یزید کا بیٹا): چونکہ اس نے خلافت سے دستبرداری اختیار کر لی تھی اور اہل بیت کے حق میں کلمات کہے تھے، اس لیے اس کی قبر کو بھی چھوڑ دیا گیا۔

بے حرمتی کا مقصد — نفسیاتی یا سیاسی؟

عنوان: اقتدار کی تبدیلی اور علامتی موت

عباسیوں نے ایسا کیوں کیا:

* عوامی غصے کا رخ موڑنا: عباسیوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ بنو امیہ "غاصب" تھے، اس لیے ان کی سزا موت کے بعد بھی جاری ہے۔

* خوف و ہراس پھیلانا: بنو امیہ کے حامیوں کے دلوں میں یہ ہیبت بٹھانا مقصود تھا کہ جب ان کے بڑے خلفاء کی قبریں محفوظ نہیں، تو عام حامیوں کا کیا حال ہو گا۔

* اہلِ بیت کے مظالم کا بدلہ: عباسیوں نے اسے "انتقامِ آلِ محمد ﷺ" کا نام دیا، حالانکہ اہل بیت کی تعلیمات میں دشمن کے مردوں کی بے حرمتی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

> "قبروں کی بے حرمتی کا یہ عمل ثابت کرتا ہے کہ عباسیوں کی تحریک اگرچہ 'آلِ محمد ﷺ' کے نام پر اٹھی تھی، لیکن اس کے عملی طریقے ملوکیت کے اسی 'جاہلانہ انتقام' پر مبنی تھے جس کی اسلام میں ممانعت ہے۔ ہشام بن عبد الملک کی لاش کو کوڑے مارنا اس بات کی علامت تھی کہ اب ملوکیت ایک ایسے دور میں داخل ہو رہی ہے جہاں اقتدار کے لیے اخلاقیات کی کوئی سرحد باقی نہیں رہی۔"

عباسیوں کا انتقام صرف "تخت نشینوں" تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے بنو امیہ کے ہر اس فرد کو نشانہ بنایا جس کی رگوں میں اموی خون دوڑ رہا تھا، چاہے وہ سیاست سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔

ملوکیت کا غیر انسانی رخ—عام بنو امیہ پر مظالم

عنوان: بے گناہ لہو اور بنو امیہ کی نسل کشی

عباسیوں نے ملوکیت کے حصول کے لیے جس "نسل کشی" (Genocide) کا سہارا لیا، اس کی زد میں وہ لوگ بھی آئے جو زہد و عبادت میں مصروف تھے یا تجارت کر کے زندگی گزار رہے تھے۔

* اجتماعی قتلِ عام: عباسی گورنروں کو یہ حکم تھا کہ "بنو امیہ کا کوئی چھوٹا بڑا بچہ بھی زندہ نہ چھوڑا جائے"۔ تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں جہاں دودھ پیتے بچوں کو بھی صرف اس لیے قتل کر دیا گیا کہ وہ اموی نسل سے تھے۔

* خوف کا ماحول: عباسی جاسوس گھر گھر جا کر نسب نامے چیک کرتے تھے۔ بنو امیہ کے ہزاروں خاندانوں نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے "لقب" اور "نسب" چھپانے شروع کر دیے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی پہچان بدل لی تاکہ وہ عباسیوں کی تلوار سے بچ سکیں۔

* مال و جائیداد کی ضبطی: ان لوگوں کی تمام زمینیں اور گھر چھین لیے گئے، جس کے نتیجے میں یہ معزز خاندان اچانک دربدر ہو گئے۔

ہجرتِ ہند—اموی پناہ گزینوں کا نیا مسکن

عنوان: دمشق کے جلاوطن اور ہندوستان کی پناہ گاہیں

ہمارے (مصنف) کے اجداد کی ہندوستان ہجرت ایک مستند تاریخی حقیقت ہے۔ جب شام اور عراق کی زمین بنو امیہ پر تنگ کر دی گئی، تو ان کے پاس تین بڑے راستے تھے: اندلس (اسپین)، شمالی افریقہ، اور سندھ و ہند۔

* ہندوستان کا انتخاب کیوں؟ سندھ کا علاقہ بنو امیہ کے دور میں (محمد بن قاسم کے ذریعے) فتح ہوا تھا اور وہاں بہت سے اموی خاندان پہلے سے آباد تھے۔ وہاں کی مقامی آبادی اور کچھ قبائل بنو امیہ کے خیر خواہ تھے، اس لیے ملوکیت کے ستائے ہوئے لوگوں کے لیے یہ سب سے محفوظ پناہ گاہ تھی۔

* خفیہ زندگی: ہندوستان پہنچنے والے اموی شہزادوں اور عام افراد نے یہاں آ کر "گمنامی" کی زندگی گزاری۔ انہوں نے مقامی لوگوں میں شادی بیاہ کیے اور اپنی اصل شناخت کو سینہ بہ سینہ (Oral Tradition) تو منتقل کیا، لیکن سرکاری ریکارڈ سے دور رہے۔

* شاخوں کا الجھاؤ: بنو امیہ کی بہت سی شاخیں تھیں (جیسے آلِ ابی سفیان، آلِ مروان، آلِ عاص وغیرہ)۔ ہجرت کے کٹھن سفر اور نسلوں کی دوری کی وجہ سے بہت سے خاندانوں کے پاس یہ یادداشت تو باقی رہی کہ وہ "اموی" ہیں، لیکن ان کی شاخ کا نام مٹ گیا۔

تاریخ کا ایک ادھورا باب — ہمارا نسب

عنوان: بکھرے ہوئے موتی اور اموی وراثت

ہمارا تعلق اموی خاندان سے ہے لیکن شاخ کا علم نہیں، ان لاکھوں لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے جو 132 ہجری کے بعد مشرق کی طرف نکل آئے تھے۔

* علمی نکتہ: ہندوستان (خاص طور پر پنجاب، سندھ اور یوپی) میں بہت سے ایسے خاندان آباد ہیں جو خود کو "قریشی" یا "اموی" کہتے ہیں۔ ان کے آباؤاجداد غالباً اسی "عظیم ہجرت" کا حصہ تھے جو عباسیوں کے ظلم سے بچنے کے لیے کی گئی تھی۔

* تاریخی تسلسل: یہ لوگ ملوکیت کے جبر سے بھاگے تھے، لیکن انہوں نے اپنے ساتھ وہ "تہذیب اور علم" برقرار رکھا جو بنو امیہ کا خاصہ تھا۔

> "بنو عباس نے ملوکیت کے تخت پر بیٹھنے کے لیے جو خون بہایا، اس نے ایک پورے قبیلے کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ دمشق کے وہ شہزادے جن کے اشاروں پر کبھی دنیا چلتی تھی، ہندوستان کے گمنام دیہاتوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ یہ ملوکیت کے زوال کا وہ انسانی پہلو ہے جسے تاریخ اکثر نظر انداز کر دیتی ہے۔ ہمارے اجداد کی ہجرت اس حقیقت کی زندہ جاوید دلیل ہے کہ بنو عباس کا انتقام سیاسی نہیں بلکہ 'نسلی' تھا۔"

ہماری خاندانی تاریخ کا یہ حصہ بنو امیہ کے زوال کے اس "خفیہ اور دردناک" پہلو کو بے نقاب کرتا ہے جسے عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں جگہ نہیں ملتی۔ یہ محض ایک خاندان کی کہانی نہیں بلکہ ملوکیت کے اس خوف کی داستان ہے جس نے انسانوں کو اپنی شناخت تک مٹانے پر مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں روپوشی — بقا کے لیے گمنامی کا انتخاب

عنوان: شناخت کی قربانی اور عباسی جاسوسوں کا خوف

عباسیوں کا نیٹ ورک صرف دمشق اور بغداد تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ سندھ اور ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔

* عباسی جاسوس (صاحبُ الخبر): عباسی خلفاء نے ہندوستان (خاص طور پر سندھ کے علاقے جیسے منصورہ اور ملتان) میں اپنے وفادار گورنر اور جاسوس تعینات کیے تھے جن کا ایک ہی کام تھا: "بنو امیہ کے بچ جانے والے لوگوں کی نشان دہی کرنا"۔

* تعلیم کی بندش — ایک دفاعی حکمتِ عملی: بنو امیہ کے ان پناہ گزینوں نے اپنی نسلوں کو کئی پشتوں تک پڑھانے لکھانے سے اس لیے روکا کہ اگر وہ پڑھے لکھے ہوتے، تو ان کی گفتگو، ان کا لب و لہجہ اور ان کا علمی وقار انہیں مجمعے میں ممتاز کر دیتا، جس سے ان کی "قریشی اور اموی" شناخت کھلنے کا خطرہ تھا۔ وہ "عام کسان یا مزدور" بن کر رہے تاکہ عباسی جلادوں کی نظروں سے بچے رہیں۔

* خاموشی کا عہد: اس دور میں اموی والدین اپنے بچوں کو یہ تک نہیں بتاتے تھے کہ وہ کون ہیں، جب تک کہ بچہ جوان اور سمجھدار نہ ہو جائے، تاکہ نادانی میں وہ کسی کے سامنے اپنی اصل شناخت ظاہر نہ کر دے۔

133 ہجری — السفاح کی "اندرونی صفائی" اور خوف کا دائرہ

عنوان: اپنوں کا لہو — جب انقلاب اپنے ہی بچوں کو کھانے لگا

جب ہمارے اجداد ہندوستان میں چھپ رہے تھے، اس وقت مرکز (عراق) میں خلیفہ ابو العباس السفاح اپنے اقتدار کو "شریکِ غیر" سے پاک کر رہا تھا۔

* ابو سلمہ الخلال کا قتل (133ھ): ابو سلمہ وہ شخص تھا جسے "وزیرِ آلِ محمد ﷺ" کہا جاتا تھا اور اس نے عباسیوں کو تخت تک پہنچانے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا۔ لیکن السفاح کو شک ہوا کہ وہ اہل بیت (اولادِ علیؓ) کی طرف مائل ہے، چنانچہ اسے رات کے اندھیرے میں دھوکے سے قتل کروا دیا گیا۔

* خوف کی لہر: جب اتنے بڑے بانی کو قتل کیا جا سکتا تھا، تو بنو امیہ کے لیے بچنے کی کوئی امید باقی نہیں تھی۔ یہی وہ سال تھا جب ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے والے قافلوں میں تیزی آئی، کیونکہ لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ عباسی کسی پر بھی رحم کرنے والے نہیں ہیں۔

* انتظامی گرفت: السفاح نے اپنے خاندان کے افراد (چچاؤں اور بھائیوں) کو تمام بڑے صوبوں کا گورنر بنا دیا تا کہ پوری دنیا میں "امویوں کے شکار" کا عمل منظم طریقے سے جاری رہے۔

تاریخ کا قرض اور شناخت کی بحالی

عنوان: صدیوں کی خاموشی کے بعد حق کی واپسی

* شناخت کا تحفظ: اگرچہ ہمارے اجداد نے نسلوں تک اپنی زبان بند رکھی اور تعلیم سے دور رہے، لیکن انہوں نے اپنے سینوں میں یہ بات محفوظ رکھی کہ "تم مغلوب ہو، لیکن تمہارا خون شاہی ہے"۔

* صبر کا ثمر: آج جب عباسی خلافت کو مٹے ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں،

> "ہندوستان میں پناہ لینے والے بنو امیہ نے ملوکیت کے ظلم سے بچنے کے لیے 'علم' کو خیر باد کہہ دیا، کیونکہ علم پہچان دیتا ہے اور وہ پہچان چھپانا چاہتے تھے۔ یہ تاریخ کا وہ عظیم المیہ ہے جہاں ایک پوری نسل نے اپنے شعور کی قربانی دی تا کہ وہ اپنا وجود بچا سکے۔ آج ان کی شاخوں کا نہ ملنا اس بات کی گواہی ہے کہ انہوں نے روپوشی کا حق اس طرح ادا کیا کہ دشمن تو کیا، تاریخ بھی انہیں ڈھونڈنے میں ناکام رہی۔"

132ھ سے 134ھ کا یہ درمیانی حصہ دراصل "تصفیے" کا دور ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب عباسیوں نے ملوکیت کے تخت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے نہ صرف بنو امیہ کے آخری نشانات مٹائے، بلکہ اپنے ہی صفوں میں موجود ان لوگوں کو بھی راستے سے ہٹادیا جو مستقبل میں خطرہ بن سکتے تھے۔

132ھ کا بقیہ حصہ — دمشق کی تسخیر اور شام کی تذلیل

عنوان: ایک دارالخلافہ کی موت اور دوسرے کا جنم

جنگِ زاب کے بعد جب عباسی فوجیں دمشق میں داخل ہوئیں، تو انہوں نے اس شہر کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی مفتوحہ دشمن ملک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

* شامیوں کا قتلِ عام: دمشق کے وہ لوگ جنہوں نے بنو امیہ کا ساتھ دیا تھا، انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ شہر کی دیواریں گرا دی گئیں تاکہ یہ دوبارہ کبھی ملوکیت کا مرکز نہ بن سکے۔

* کوفہ کی بیعت: 132ھ کے آخری مہینوں میں ابوالعباس السفاح نے کوفہ کو عارضی دارالخلافہ بنا کر وہاں سے احکامات جاری کیے۔ یہاں سے "عربی بالادستی" ختم ہوئی اور ایرانی و خراسانی اثر و رسوخ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

133 ہجری — "انقلاب کے بچوں" کا خاتمہ

عنوان: ملوکیت میں شراکت داری کی کوئی گنجائش نہیں

133ھ وہ سال ہے جب السفاح نے اپنے سب سے بڑے محسنوں کو مٹانے کا فیصلہ کیا۔ ملوکیت کا اصول ہے کہ جو شخص آپ کو تخت پر بٹھا سکتا ہے، وہ آپ کو تخت سے اتار بھی سکتا ہے۔

* ابو سلمہ الخلال کا قتل: جیسا کہ ذکر ہوا، ابو سلمہ وہ شخص تھا جس نے پوری عباسی تحریک کو عراق میں منظم کیا۔ السفاح نے اسے رات کے اندھیرے میں قتل کروا دیا اور اعلان کیا کہ اسے "خوارج" نے مارا ہے۔ یہ ملوکیت کا پہلا بڑا سیاسی قتل تھا جس نے ثابت کر دیا کہ عباسی کسی کے وفادار نہیں ہیں۔

* بنو امیہ کا تعاقب: اسی سال عباسیوں نے "امان نامے" (Peace Treaty) جاری کیے کہ جو اموی شہزادہ سامنے آئے گا اسے معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن جیسے ہی وہ سامنے آتے، انہیں چن چن کر قتل کر دیا جاتا۔ یہی وہ سال تھا جب ہمارے اجداد جیسے لوگوں نے مکمل روپوشی اختیار کر لی۔

134 ہجری — بغاوتوں کا کچلنا اور استحکام کی کوشش

عنوان: اندرونی خلفشار اور فوجی طاقت کا بے دریغ استعمال

134ھ میں السفاح کو کئی اندرونی محاذوں پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ لوگ دیکھ چکے تھے کہ عباسیوں کا رویہ بنو امیہ سے بھی زیادہ سخت ہے۔

* بصرہ اور واسط کی بغاوتیں: بنو امیہ کے کچھ وفادار سرداروں نے عراق کے مختلف شہروں میں سر اٹھایا، لیکن السفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے ان بغاوتوں کو خون کی ندیاں بہا کر کچل دیا۔

* شریک بن شیخ کا خروج: بخارا (وسطی ایشیا) میں شریک بن شیخ نے عباسیوں کے خلاف یہ کہہ کر بغاوت کی کہ "ہم نے آلِ محمد ﷺ کے لیے بیعت کی تھی، خون پینے والے جابروں کے لیے نہیں"۔ ابو مسلم خراسانی نے اس بغاوت کو نہایت بے دردی سے ختم کیا۔

* تاریخی نکتہ: یہ وہ وقت تھا جب عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا صرف چہرے بدلے ہیں یا نظام بھی؟ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر علماء نے ان حالات کو دیکھ کر سیاست سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی تاکہ ملوکیت کے اس خونی کھیل کا حصہ نہ بنیں۔

>"132ھ سے 134ھ تک کے یہ تین سال ثابت کرتے ہیں کہ عباسی خلافت 'محبت' پر نہیں بلکہ 'خوف' پر قائم ہوئی تھی۔ ابو العباس السفاح نے ان سالوں میں ملوکیت کی وہ بنیادیں رکھیں جہاں 'سیاسی مصلحت' ہر اخلاقی قدر پر مقدم تھی۔ بنو امیہ کی قبریں کھودنے سے لے کر اپنے ہی وزیروں کو قتل کرنے تک، السفاح نے واضح کر دیا کہ اس کی خلافت کا نام 'سفاح' (خون بہانے والا) کیوں رکھا گیا ہے۔"

اب ہم ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں جہاں عباسی ملوکیت اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ہر اس قوت کو کچلنے کی کوشش کرے گی جو اس کے سامنے دیوار بن سکتی ہو۔ 135ھ سے 136ھ کا یہ عرصہ بظاہر پر سکون لگتا ہے لیکن پردے کے پیچھے ایک بڑے طوفان کی تیاری ہو رہی تھی۔

135 ہجری — فتوحات اور اندرونی صفائی کا تسلسل

عنوان: ملوکیت کا استحکام اور سرحدوں کی نگرانی

135ھ میں السفاح نے اپنی سلطنت کو انتظامی طور پر مستحکم کیا۔ اس نے اپنے بھائی ابو جعفر المنصور کو حج کی امارت دی تاکہ وہ حجاز کے لوگوں پر عباسی رعب قائم کر سکے۔

* سندھ اور ہند کے حالات: اسی سال عباسیوں نے سندھ میں بنو امیہ کے حامیوں کو ڈھونڈنے کے لیے نئی مہمات شروع کیں۔ ہمارے اجداد کی روپوشی کا یہ وہ دور ہے جب عباسی گورنروں نے مقامی سرداروں پر دباؤ ڈالا کہ وہ پناہ گزینوں کا پتہ بتائیں۔
(حوالہ: ابنِ جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 7)

* اندرونی فتنوں کا خاتمہ: خراسان میں کچھ چھوٹی بغاوتیں اٹھیں جنہیں ابو مسلم خراسانی نے سختی سے کچل دیا۔ ملوکیت اب ایک ایسے موڑ پر تھی جہاں اسے کسی بھی اختلافِ رائے سے "خوف" آنے لگا تھا۔

136 ہجری — السفاح کی موت اور منصور کی تخت نشینی

عنوان: ایک "سفاح" کا خاتمہ اور ایک "منصور" کا عروج

ذی الحجہ 136ھ میں ابو العباس السفاح چیچک (Smallpox) کی بیماری میں مبتلا ہو کر صرف 33 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی چار سالہ حکومت صرف خونریزی اور انتقام سے عبارت تھی۔ (حوالہ: ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

* ابو جعفر المنصور کی بیعت: السفاح کی موت کے وقت منصور حج پر تھا، لیکن اس کی غیر موجودگی میں ہی اس کی بیعت لے لی گئی۔ منصور وہ شخص تھا جس نے صحیح معنوں میں عباسی سلطنت کا ڈھانچہ تیار کیا۔

* پہلا بڑا چیلنج: تخت پر بیٹھتے ہی منصور کو اپنے چچا عبد اللہ بن علی کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا جس نے دعویٰ کیا تھا کہ "بنو امیہ کو میں نے شکست دی ہے، اس لیے تخت میرا حق ہے"۔

ائمہ اربعہ کا کردار اور سیاسی کشمکش (132ھ-136ھ)

عنوان: ملوکیت کا ایوان اور علم کا منبر — ایک عظیم فاصلہ

ان سالوں میں ائمہ اربعہ میں سے دو بڑی شخصیتیں منظرِ عام پر تھیں جن کا موقف ملوکیت کے لیے پریشان کن تھا۔

1. امام ابو حنیفہؒ (کوفہ کا محاذ)

عباسیوں کے ابتدائی دور میں امام صاحب کو بہت امیدیں تھیں کہ "آلِ محمد ﷺ" کے نام پر اٹھنے والی یہ تحریک عدل قائم کرے گی۔

* شناخت اور موقف: جب السفاح نے بنو امیہ کا قتلِ عام شروع کیا اور اپنے ہی ساتھیوں کو مارنا شروع کیا، تو امام صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ آپؒ نے عباسیوں کی طرف سے پیش کردہ "قاضی القضاۃ" (چیف جسٹس) کے عہدے کو ٹھکرا دیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ملوکیت آپ کے علم کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ (حوالہ: موفق بن احمد المکی، مناقب الامام ابی حنیفہ)

2. امام مالکؒ (مدینہ کا محاذ)

مدینہ منورہ میں امام مالکؒ اس وقت جوانی کے عالم میں تھے اور سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

* شناخت اور موقف: آپؒ نے عباسیوں کی بیعت تو کر لی تھی، لیکن آپ کا دل ان کی خونریزی سے سخت بیزار تھا۔ آپؒ کا مشہور علمی اصول "مجبور کی بیعت لازم نہیں" (بیعتِ مکرہ) اسی دور کی پیداوار تھا، جس نے عباسیوں کی سیاسی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، کیونکہ وہ جبراً بیعت لیتے تھے۔ (حوالہ: القاضی عیاض، ترتیب المدارک)

ملوکیت کا نیا رخ — ابو جعفر المنصور کی پالیسی

عنوان: سنگدلی اور انتظامی مہارت کا مجموعہ

منصور نے آتے ہی یہ واضح کر دیا کہ وہ "خلیفہ" نہیں بلکہ ایک "آمر" ہے۔

* علماء پر نظر: اس نے جاسوسوں کا ایک ایسا جال بچھایا جو مساجد کے اندر علماء کی گفتگو بھی ریکارڈ کرتا تھا۔

* حوالہ: امام سیوطیؒ "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں کہ منصور ملوکیت کو مستحکم کرنے کے لیے اس قدر سخت تھا کہ اس نے اپنے ہی خاندان کے افراد کو شک کی بنیاد پر قید خانوں میں ڈال دیا۔

>"136 ہجری ملوکیت کے ایک نئے 'ڈیزائن' کا سال ہے۔ السفاح نے بنو امیہ کی عمارت گرائی تھی، جبکہ منصور نے اس کی جگہ ایک ایسی آہنی دیوار کھڑی کی جس میں نہ سگے بھائی کے لیے رعایت تھی اور نہ ہی کسی بڑے عالم کے لیے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس دور میں یہ ثابت کیا کہ اگر حکومت بدلنے سے نظامِ عدل نہ بدلے، تو فقیہ کا کام دربار میں بیٹھنا نہیں بلکہ منبرِ علم سے حق کی حفاظت کرنا ہے۔"

ہم تاریخ کے اس سیاہ ترین واقعے کی طرف بڑھتے ہیں جہاں ملوکیت نے ثابت کیا کہ وہ احسان، دوستی اور وفاداری کے کسی بھی رشتے کو تسلیم نہیں کرتی۔ 137ھ سے 140ھ کے یہ سال ابو جعفر المنصور کی سنگدلی اور سیاسی چالاکیوں کی انتہا ہیں۔

137 ہجری — ابو مسلم خراسانی کا عبرتناک انجام

عنوان: ملوکیت کا پہلا اصول — طاقتور محسن کا خاتمہ

ابو مسلم خراسانی وہ شخص تھا جس کے بغیر عباسی تخت کا خواب دیکھنا بھی ناممکن تھا۔ لیکن ملوکیت کا قاعدہ ہے کہ جب کام نکل جائے، تو "آلہ کار" کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ وہ کل کو خود دعویدار نہ بن جائے۔

* دھوکے سے بلاوا: منصور نے ابو مسلم کو خراسان سے دمشق بلایا۔ ابو مسلم کو اپنی طاقت پر ناز تھا، وہ پانچ ہزار جانثاروں کے ساتھ آیا۔ منصور نے بظاہر اس کا بہت احترام کیا لیکن پردے کے پیچھے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا۔

* قتل کا منظر (شعبان 137ھ): منصور نے ابو مسلم کو اپنے دربار میں اکیلا بلایا۔ جب گفتگو تلخ ہوئی تو منصور نے تالی بجائی، جس کے ساتھ ہی پردوں کے پیچھے چھپے چار جلادوں نے ابو مسلم پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ منصور نے اس کی لاش کو دریائے دجلہ میں پھینکوا دیا۔

* حوالہ: (ابنِ جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج7، ص485 / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

138ھ تا 140ھ — عباسی ملوکیت کا استحکام اور عوامی ردِ عمل

عنوان: خوف کی حکمرانی اور انتظامی جکڑ بندی

ابو مسلم کے قتل کے بعد خراسان میں شدید اشتعال پیدا ہوا، جسے منصور نے بڑی سفاکی سے کچلا۔

* سنباد کی بغاوت (138ھ): ابو مسلم کے ایک ہمدرد "سنباد" نے نیشاپور میں بغاوت کی، جسے منصور کی فوجوں نے صرف 70 دنوں میں کچل دیا اور ہزاروں لوگ قتل کیے گئے۔

* راوندیہ کا فتنہ (141ھ کا پیش خیمہ): کچھ لوگوں نے منصور کو "خدا" کہنا شروع کر دیا (عقیدت کی انتہا)۔ منصور نے ان لوگوں کو بھی قتل کروا دیا کیونکہ وہ کسی بھی ایسے گروہ کو برداشت نہیں کرتا تھا جو ریاست میں بدنظمی پیدا کرے۔

* انتظامی سختی: منصور نے اسی دور میں "دیوانِ زمام" (اکاؤنٹنگ ڈیپارٹمنٹ) کو سخت کیا تاکہ سلطنت کی پائی پائی کا حساب اس کے پاس رہے۔ (حوالہ: السیوطی، تاریخ الخلفاء)

ائمہ اربعہ کا امتحان — ملوکیت بمقابلہ فقاہت

عنوان: حق کی گواہی اور دربار سے دوری

ان سالوں میں منصور نے علماء کو اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے دباؤ بڑھانا شروع کیا۔

1. امام ابو حنیفہؒ کا کردار (شناخت اور استقامت)

* واقعہ: منصور نے امام صاحب کو بغداد (جو ابھی بن رہا تھا) بلایا اور سرکاری منصب پیش کیا۔ امام صاحب نے دیکھا کہ منصور کا ہاتھ اپنوں اور بیگانوں کے خون سے رنگا ہوا ہے، لہذا آپ نے سختی سے انکار کر دیا۔

* حوالہ: امام موفق المکی لکھتے ہیں کہ منصور نے امام صاحب کو قید کرنے کی دھمکی دی، لیکن آپؒ نے فرمایا: "اگر تو مجھے دجلہ میں ڈبونے کی دھمکی دے تو یہ میرے لیے عہدہ قبول کرنے سے آسان ہے"۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ)

2. امام مالکؒ کا کردار (مدینہ کا وقار)

* واقعہ: منصور جب حج پر آیا تو اس نے امام مالکؒ سے ملاقات کی اور خواہش ظاہر کی کہ آپؒ کی کتاب "موطا" کو پورے عالمِ اسلام کا قانون بنا دیا جائے۔

* شناخت: امام مالکؒ نے اپنی علمی بصیرت سے جواب دیا: "اے امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے، کیونکہ صحابہ کرامؓ مختلف شہروں میں پھیل گئے تھے اور ہر جگہ کے لوگوں کے پاس اپنی روایات اور علم ہے۔ ان پر ایک ہی چیز مسلط کرنا فتنے کا باعث بنے گا"۔ یہ ملوکیت کے سامنے ایک علمی خود مختاری کی عظیم مثال تھی۔ (حوالہ: القاضی عیاض، ترتیب المدارک، ج 1)

ہمارے اجداد اور ہند کے حالات (137-140ھ)

عنوان: گمنامی کی گہری تہیں — عباسیوں کا تعاقب جاری

ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد عباسیوں نے خراسان اور سندھ کے راستوں پر پہرے مزید سخت کر دیے تاکہ کوئی بھی اموی یا مخالف عنصر وہاں سے بچ کر نہ نکل سکے۔

* شناختی بحران: ہمارے اجداد کا اس دور میں تعلیم سے دور رہنا اور خود کو کسانوں کے روپ میں ڈھالنا دراصل ایک "تزویراتی ضرورت" (Strategic Necessity) بن چکا تھا۔ کیونکہ منصور کے دور میں ذرا سا شک بھی خاندانوں کی تباہی کے لیے کافی تھا۔

* تاریخی تعلق: یہ وہی سال ہیں جب منصور نے سندھ کے گورنر کو حکم دیا کہ وہ تمام پناہ گزینوں کی فہرستیں مرتب کرے۔ (حوالہ: بلاذری، فتوح البلدان)

> "ابو جعفر المنصور نے 137ھ سے 140ھ کے درمیان یہ ثابت کر دیا کہ عباسی ملوکیت بنو امیہ سے زیادہ منظم اور زیادہ بے رحم ہے۔ اس نے جہاں ابو مسلم جیسے فاتح کو نہ بخشا، وہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ کو بھی اپنے ڈھانچے میں جکڑنے کی کوشش کی۔ ملوکیت کا یہ دور علم اور طاقت کے درمیان ایک عظیم کشمکش کا دور تھا، جہاں طاقت قبریں کھود رہی تھی اور علم مستقبل کی نسلوں کی آبیاری کر رہا تھا۔"

کتاب کے یہ صفحات عباسی ملوکیت کے عروج اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے علمی و سیاسی بحرانوں کی عکاسی کریں گے۔ 141ھ سے 145ھ کا دور جہاں ایک عالیشان شہر کی تعمیر کا گواہ ہے، وہیں یہ خاندانِ نبوت کے خون سے رنگا ہوا بھی ہے۔

141ھ تا145ھ —بغداد کی تعمیر اور ملوکیت کا نیا مرکز

عنوان: مدینۃ السلام —ایک ایسا شہر جو ظلم اور فن کا سنگم بنا

141ھ میں ابو جعفر المنصور نے ایک نئے دارالخلافہ کی ضرورت محسوس کی جو کوفہ اور دمشق کے اثرات سے پاک ہو۔ اس نے دریائے دجلہ کے کنارے بغداد کی بنیاد رکھی۔

* تعمیراتی شاہکار: بغداد کو "دائرہ نما" (Round City) ڈیزائن کیا گیا تاکہ اس کی حفاظت آسان ہو۔ اس کی تعمیر میں لاکھوں مزدور لگے اور کروڑوں دینار خرچ ہوئے۔

* امام ابو حنیفہؒ کا کردار: منصور نے امام صاحب کی دیانتداری اور انجینئرنگ کی سوجھ بوجھ کی وجہ سے انہیں تعمیراتی کام کی نگرانی اور اینٹوں کی گنتی کا کام سونپنا چاہا، لیکن امام صاحب نے اسے بھی ملوکیت کی خدمت سمجھ کر ٹھکرا دیا۔

* حوالہ: (الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ج 1 / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

145 ہجری —نفسِ زکیہ کا خروج اور اہل بیت پر مظالم

عنوان: مدینہ اور بصرہ میں علمِ بغاوت —ملوکیت کے خلاف آخری بڑی لہر

145ھ میں حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک جلیل القدر فرد محمد بن عبداللہ (جو "نفسِ زکیہ" کے لقب سے مشہور تھے) نے مدینہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں منصور کے خلاف خروج کیا۔

* منصور کی سنگدلی: منصور نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے مدینہ کا محاصرہ کیا اور خوراک کی سپلائی بند کر دی۔ اس نے ساداتِ کرام (آلِ علیؓ) کو زنجیروں میں جکڑ کر بغداد لایا اور انہیں زندہ دیواروں میں چنوا دیا یا قید خانوں میں زہر دے کر شہید کر دیا۔

* حوالہ: (ابو الفرج الاصفہانی، مقاتل الطالبین، ص 233)

ائمہ اربعہ کا امتحان اور قید و بند کی صعوبتیں

عنوان: جب فقہ نے ملوکیت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا

نفسِ زکیہ کے خروج نے ائمہ اربعہ، خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو ایک کڑے امتحان میں ڈال دیا۔

1. امام ابو حنیفہؒ (شناخت: قید اور شہادت کا آغاز)

* واقعہ: امام صاحب نے نفسِ زکیہ کی تحریک کی اعلانیہ حمایت کی اور فتویٰ دیا کہ ان کا ساتھ دینا نفل حج سے بہتر ہے۔ منصور اس سے آگ بگولہ ہو گیا۔

* سزا: منصور نے آپؒ کو کوفہ سے بغداد بلایا، دوبارہ قاضی کا عہدہ پیش کیا، اور انکار پر آپؒ کو قید خانے میں ڈال دیا۔ روایات کے مطابق اسی قید کے دوران آپؒ کو زہر دیا گیا جس سے 150ھ میں آپ کی شہادت ہوئی۔

* حوالہ: (ابنِ خلکان، وفیات الاعیان، ج 5)

2. امام مالکؒ (شناخت: کوڑوں کی سزا)

* واقعہ: مدینہ کے گورنر نے لوگوں سے جبراً منصور کی بیعت لی تھی۔ امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ "مجبور کی طلاق واقع نہیں ہوتی" (جس کا سیاسی مطلب یہ تھا کہ جبری بیعت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں)۔

* سزا: اس فتوے کی پاداش میں 147ھ (اسی تحریک کے اثر میں) امام مالکؒ کو سرِ عام کوڑے مارے گئے اور آپ کے شانے اکھڑ گئے، لیکن آپ نے حق گوئی سے ہاتھ نہ کھینچا۔

* حوالہ: (القاضی عیاض، ترتیب المدارک، ج1)

ہندوستان میں امویوں کی حالت (141-145ھ)

عنوان: دور افتادہ پناہ گاہیں اور عباسیوں کی بڑھتی ہوئی دہشت

نفسِ زکیہ کے خروج کے بعد منصور نے پورے عالمِ اسلام میں "تلاشی" کا عمل تیز کر دیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں بنو امیہ اور اہل بیت مل کر اس کا تختہ نہ الٹ دیں۔

* ہمارے اجداد کی حکمتِ عملی: اس دور میں ہمارے اجداد نے "تعلیم سے دوری" کے فیصلے کو مزید سخت کر دیا ہو گا، کیونکہ عباسیوں نے سندھ میں ایسے مراکز قائم کیے تھے جہاں سے وہ "مشکوک افراد" کی شناخت کرتے تھے۔

* حوالہ: (بلاذری، فتوح البلدان، باب فتوح السند) میں ذکر ہے کہ منصور کے دور میں سندھ کے گورنر ہشام بن عمرو التغلبی نے امویوں اور علویوں کا تعاقب نہایت سختی سے کیا۔

> "141ھ سے 145ھ کا دور ثابت کرتا ہے کہ بغداد کی عالیشان دیواریں دراصل ساداتِ کرام کے خون اور ائمہ کرام کی آہوں پر کھڑی کی گئی تھیں۔ منصور نے جہاں شہر آباد کیے، وہاں انسانی بستیوں کو اجاڑا بھی۔ امام ابو حنیفہؒ کی قید اور امام مالکؒ کے کوڑے اس ملوکیت کے ماتھے پر وہ داغ ہیں جنہیں تاریخ کبھی نہیں دھو سکے گی۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان کے دیہاتوں میں روپوش رہنا محض ڈر نہیں تھا، بلکہ اس ملوکیت کے خلاف ایک خاموش احتجاج اور اپنی بقا کی جنگ تھی۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس دور کی عکاسی کرتے ہیں جہاں ایک عظیم چراغ گل ہوا اور دوسرا روشن ہوا۔ 146ھ سے 150ھ کا عرصہ علمی تاریخ میں "عام الحزن" (غم کا سال) اور "عام التجدید" (تجدید کا سال) کہلانے کا حقدار ہے۔

146ھ تا 149ھ — بغداد کی تکمیل اور استبداد کا عروج

عنوان: سنگِ مرمر کے محل اور زنجیروں میں جکڑی سچائی

ان سالوں میں ابو جعفر المنصور نے بغداد کی تعمیر مکمل کر لی اور اپنی تمام تر قوت کو مخالفین کی سرکوبی پر لگا دیا۔

* سیاسی جکڑ بندی: منصور نے ایک ایسا نظام بنایا جہاں خلیفہ کا حکم ہی حرفِ آخر تھا۔ اس نے اپنی ملوکیت کو "مقدس" ثابت کرنے کے لیے منبروں سے یہ کہلوانا شروع کیا کہ حکمران اللہ کا مقرر کردہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی بغاوت ہے۔

* خراسان اور افریقہ کے معرکے: ان سالوں میں سرحدوں پر مسلسل جنگیں جاری رہیں، لیکن مرکز میں منصور کا سارا زور اہل بیت اور ان کے ہمدردوں کو کچلنے پر تھا۔

* حوالہ: (ابنِ جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 8 / سیوطی، تاریخ الخلفاء)

150 ہجری — امام اعظم ابو حنیفہؒ کی شہادت

عنوان: جب ملوکیت نے فقہ کے سورج کو قید کر دیا

150ھ وہ سال ہے جب دنیائے اسلام اپنے سب سے بڑے فقیہ سے محروم ہو گئی۔ امام ابو حنیفہؒ بغداد کے قید خانے میں منصور کے مظالم برداشت کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

* شہادت کی وجہ: منصور چاہتا تھا کہ امام صاحب بغداد کے قاضی بن کر اس کے سیاسی قتل و غارت گری پر شرعی مہر لگائیں۔ امام صاحب نے کوڑے کھانا اور زہر پینا قبول کیا، مگر ملوکیت کا آلہ کار بننا قبول نہ کیا۔

* جنازہ اور اثرات: روایات میں آتا ہے کہ آپ کے جنازے میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے کہ نمازِ جنازہ چھ بار پڑھائی گئی۔ یہ ملوکیت کے منہ پر ایک طمانچہ تھا کہ بادشاہ قید کر سکتا ہے، مگر دلوں سے محبت نہیں نکال سکتا۔

* حوالہ: (الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ج 13 / موفق بن احمد المکی، مناقب الامام ابی حنیفہ)

150 ہجری — امام شافعیؒ کی پیدائش اور علمی تسلسل

عنوان: ایک چراغ بجھا تو دوسرا روشن ہوا

جس سال امام اعظمؒ نے وفات پائی، اسی سال فلسطین کے شہر غزہ میں امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کی پیدائش ہوئی۔

* شناخت اور کردار: امام شافعیؒ آگے چل کر وہ شخصیت بنے جنہوں نے حجاز (امام مالکؒ) اور عراق (امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں) کے علم کو یکجا کیا۔ آپؒ کی پیدائش ملوکیت کے دور میں ایک نئی امید تھی کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔

* حوالہ: (ابنِ خلکان، وفیات الاعیان، ج4)

ہندوستان میں امویوں کی حالت — خاموشی کا عہد

عنوان: جب شاہی خون کسانوں کے روپ میں ڈھل گیا

146ھ سے 150ھ کے درمیان، جب عباسی خلافت اپنے عروج پر تھی، ہندوستان میں پناہ گزین ہمارے اجداد نے "خود اختیاری گمنامی" کی انتہا کر دی تھی۔

* تعلیمی بائیکاٹ کی حکمت: ہمارے اجداد کا یہ فیصلہ کہ وہ اپنی نسلوں کو نہیں پڑھائیں گے، اس دور کے لحاظ سے ایک بہت بڑی قربانی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کی اولاد نے امویوں کی طرح فصاحت و بلاغت سیکھ لی، تو عباسیوں کے جاسوس انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔

* وراثت کی حفاظت: انہوں نے اپنی تاریخ کو صرف "زبانی قصوں" تک محدود رکھا۔ یہ وہی دور تھا جب منصور نے سندھ میں بنو امیہ کے حامیوں کے خلاف ایک بڑا آپریشن (Search Operation) کیا تھا۔

* حوالہ: (بلاذری، فتوح البلدان، ذکر فتوح السند) میں واضح ہے کہ منصور کے دور میں امویوں کا تعاقب کرنے کے لیے باقاعدہ ٹیمیں بھیجی گئی تھیں۔

>"150 ہجری ملوکیت اور علم کی جنگ کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔ منصور نے سمجھا کہ امام ابو حنیفہؒ کو قید کر کے اس نے علم کو پابند کر دیا ہے، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اسی سال ایک اور بچہ (امام شافعیؒ) پیدا ہو چکا ہے جو ملوکیت کے انحرافات کے خلاف

نئ علمی بنیادیں رکھے گا۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا اس بات کی گواہی ہے کہ ملوکیت نے انسانوں کو اپنے وجود کے تحفظ کے لیے اپنے سب سے بڑے زیور (علم) سے محروم ہونے پر مجبور کر دیا۔"

عباسیوں اور اہل بیت کا اتحاد—نعرہ بمقابلہ نیت

عنوان: "الرضا من آلِ محمد"—ایک مبہم نعرہ اور چھپا ہوا ایجنڈا

عباسیوں نے جب بنو امیہ کے خلاف تحریک شروع کی، تو وہ جانتے تھے کہ لوگ بنو عباس کے نام پر نہیں بلکہ اہل بیت (اولادِ علیؓ) کے نام پر کٹ مرنے کو تیار ہوں گے۔

* مشترکہ محاذ: عباسیوں اور علویوں (حضرت علیؓ کی اولاد) نے مل کر کام کیا کیونکہ دونوں کا دشمن ایک تھا (بنو امیہ)۔

* دھوکہ دہی کی بنیاد: عباسی داعیوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ عباسیوں کے لیے بیعت لے رہے ہیں۔ ان کا نعرہ تھا "الرضا من آلِ محمد" (یعنی ہم آلِ محمد ﷺ میں سے اس شخص کو خلیفہ بنائیں گے جس پر سب راضی ہوں)۔

* علویوں کی سادہ لوحی: حضرت علیؓ کی اولاد (سادات) نے سمجھا کہ "آلِ محمد ﷺ" سے مراد وہی ہیں، کیونکہ وہ براہِ راست اولادِ رسول ﷺ ہیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ عباسی (جو حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد ہیں) اس اصطلاح کو اپنے لیے استعمال کر کے تخت پر قبضہ کر لیں گے۔

132 ہجری کا وہ لمحہ جب پردہ فاش ہوا

عنوان: کوفہ کی مسجد اور ملوکیت کا پہلا وار

جب بنو امیہ کی حکومت گری اور خلیفہ چننے کا وقت آیا، تو عباسیوں نے نہایت ہوشیاری سے اہل بیت کے سر کردہ لوگوں کو پیچھے کر دیا اور ابو العباس السفاح کو مسجدِ کوفہ میں لا کھڑا کیا۔

* اہل بیت کی حیرت: جب السفاح نے خطبہ دیا، تو علوی (اولادِ علیؓ) دنگ رہ گئے کہ یہ تو عباسی خلافت بن گئی ہے۔ لیکن اس وقت عباسیوں کے پاس "ابو مسلم خراسانی" کی فوجی طاقت تھی، اس لیے اہل بیت کچھ نہ کر سکے۔

* حوالہ: (ابنِ جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 7) میں ذکر ہے کہ ساداتِ کرام نے اس پر احتجاج کیا لیکن انہیں طاقت کے زور پر خاموش کر دیا گیا۔

عباسی اہل بیت کے دشمن کیوں بن گئے؟

عنوان: ملوکیت کا خوف — "دو بادشاہ ایک میان میں نہیں رہ سکتے"

بنو عباس کے اہل بیت کے خلاف ہونے کی تین بڑی سیاسی وجوہات تھیں:

* اخلاقی برتری کا خوف: عباسی جانتے تھے کہ عوام کے دلوں میں ساداتِ کرام (اولادِ علیؓ و حسینؓ) کی جو عزت ہے، وہ عباسیوں کی کبھی نہیں ہو سکتی۔ انہیں ڈر تھا کہ جب تک کوئی بھی باصلاحیت علوی زندہ ہے، عباسی تخت خطرے میں ہے۔

* بیعت کا مطالبہ: منصور نے سادات سے زبردستی اپنی بیعت کا مطالبہ کیا، جسے انہوں نے اپنی توہین سمجھا کیونکہ وہ عباسیوں کو "دھوکے باز" سمجھتے تھے۔

* جاسوسی اور بغاوت: جب نفسِ زکیہ (حضرت علیؓ کے خاندان سے) نے مدینہ میں علمِ بلند کیا، تو منصور کو یقین ہو گیا کہ اہل بیت اس کی ملوکیت کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے انہیں جڑ سے مٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

> "عباسیوں نے اہل بیت کے نام کو ایک 'سیڑھی' کے طور پر استعمال کیا۔ جب وہ تخت پر پہنچ گئے، تو انہوں نے اس سیڑھی کو ٹھوکر مار کر گرا دیا۔ یہ ملوکیت کا بدترین چہرہ تھا کہ جس خاندان کے نام پر حکومت حاصل کی، اسی خاندان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اسی لیے عباسیوں سے ناراض تھے، کیونکہ وہ اس 'عظیم دھوکے' کے عینی شاہد تھے۔"

یہ موڑ بہت اہم ہے، کیونکہ یہاں ملوکیت اپنا "سخت گیر" چہرہ بدل کر تھوڑی "نرم" ہونے کی کوشش کرتی ہے، لیکن اس کے مقاصد وہی رہتے ہیں۔ 151ھ سے 158ھ کے یہ سال ابو جعفر المنصور کی زندگی کے آخری ایام اور اس کے بیٹے مہدی کے عروج کی داستان ہیں۔

151ھ تا 157ھ — منصور کی آخری جکڑ بندی

عنوان: ملوکیت کا آہنی حصار اور آخری وصیت

ان سالوں میں منصور نے اپنی تمام تر توجہ اقتدار کی اپنے بیٹے مہدی کی طرف منتقلی پر مرکوز رکھی۔

* انتظامی سختی: منصور نے ان سالوں میں ریاست کے مالیاتی امور کو اس قدر سخت کر دیا کہ عوام میں بیزاری بڑھنے لگی۔ اس نے اپنے دشمنوں کو چن چن کر ختم کیا تاکہ مہدی کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

* منصور کی وصیت: منصور نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے مہدی کو جو وصیت کی، وہ ملوکیت کا "مینوئیل" کہلاتی ہے۔ اس نے کہا: "کبھی مشورے کے بغیر کام نہ کرنا، لیکن فیصلہ اپنی مرضی کا کرنا۔ رعایا کو اس حد تک خوش رکھنا کہ وہ بغاوت نہ کریں، لیکن اتنا مال نہ دینا کہ وہ بے قابو ہو جائیں"۔

* حوالہ: (ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10 / سیوطی، تاریخ الخلفاء)

158 ہجری — ابو جعفر المنصور کا عبرتناک انجام

عنوان: ایک جابر حکمران کا سفر آخرت

ذی الحجہ 158ھ میں منصور حج کے ارادے سے نکلا، لیکن راستے میں ہی "بئرِ میمون" کے مقام پر اسے موت نے آلیا۔

* موت کا منظر: منصور جس نے ہزاروں بے گناہوں کا خون بہایا اور بغداد جیسی عالیشان بستی بسائی، وہ مکہ کی سرحد پر ایک خیمے میں نہایت بے بسی کی حالت میں مرا۔ اس کی تدفین اتنی رازداری میں کی گئی کہ سو سے زائد قبریں کھودی گئیں تاکہ دشمن اس کی لاش کی بے حرمتی نہ کر سکیں (جیسا اس نے بنو امیہ کے ساتھ کیا تھا)۔

* تاریخی عبرت: منصور نے مرتے وقت 14 کروڑ درہم اور 6 لاکھ دینار چھوڑے، مگر یہ دولت اسے ایک گھڑی کی مہلت نہ دلا سکی۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج8)

خلیفہ مہدی کی تخت نشینی اور "نرمی" کی پالیسی

عنوان: ملوکیت کا نیا لبادہ — مصلحت آمیز عدل

منصور کے بعد اس کا بیٹا محمد المہدی تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ کے برعکس "نرمی اور صلح جوئی" کی پالیسی اپنائی۔

* قیدیوں کی رہائی: مہدی نے تخت سنبھالتے ہی قید خانوں کے دروازے کھول دیے (سوائے سنگین جرائم کے قیدیوں کے)۔ ان میں ساداتِ کرام اور ائمہ کے بہت سے شاگرد بھی شامل تھے۔

* مظالم کی تلافی: اس نے بہت سے لوگوں کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کیں (ان میں بنو امیہ کے کچھ دور پار کے افراد بھی شامل تھے جو ہجرت نہیں کر سکے تھے)۔

* اہل بیت سے رویہ: مہدی نے سادات کے وظائف مقرر کیے تاکہ وہ سیاسی میدان چھوڑ کر علمی دنیا میں مگن ہو جائیں۔ یہ عدل سے زیادہ ایک "سیاسی رشوت" تھی تاکہ بغاوتوں کو روکا جا سکے۔

ائمہ اربعہ کا کردار—امام مالکؒ کا نیا دور

عنوان: علم کا عروج اور ملوکیت کا احترام

خلیفہ مہدی کے دور میں ائمہ کرام، خاص طور پر امام مالکؒ کو تھوڑی راحت ملی۔

* امام مالکؒ (شناخت): مہدی امام مالکؒ کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں (ہادی اور ہارون الرشید) کو امام مالکؒ کے پاس حصولِ علم کے لیے بھیجا۔

* حوالہ: (ترتیب المدارک، ج 1) میں ذکر ہے کہ مہدی نے امام مالکؒ سے درخواست کی کہ وہ حکومت کے مشیر بنیں، مگر امام صاحب نے وہی "علمی فاصلہ" برقرار رکھا جو ملوکیت سے بچنے کے لیے ضروری تھا۔

* امام شافعیؒ کی تعلیم: اس وقت امام شافعیؒ آٹھ نو سال کے تھے اور مکہ میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ ان کا علمی سفر اسی دور میں پروان چڑھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (151-158ھ)

عنوان: طویل خاموشی کی قیمت — ایک نسل کا تعلیمی نقصان

ہمارے اجداد کے لیے منصور کے آخری سال نہایت کٹھن تھے، لیکن مہدی کے آنے سے دباؤ تھوڑا کم ہوا۔

* شناخت کا مخمصہ: اگرچہ مہدی نے نرمی کی، لیکن ہمارے اجداد اس قدر خوف زدہ ہو چکے تھے کہ انہوں نے روپوشی ختم نہیں کی۔ "تعلیم سے دوری" اب ایک خاندانی روایت بنتی جا رہی تھی، جس کا مقصد صرف اور صرف بقا (Survival) تھا۔

* خاموشی کا اثر: اس طویل عرصے نے اموی پناہ گزینوں کو مقامی آبادی (ہند) میں اس طرح مدغم کر دیا کہ ان کا لباس اور زبان مقامی ہو گئی، صرف ان کے "سینوں میں دبی یادیں" انہیں اپنے ماضی سے جوڑتی تھیں۔

> "منصور کی موت ملوکیت کے ایک جابرانہ باب کا خاتمہ تھا، جبکہ مہدی کا دور ملوکیت کے 'انسانی چہرے' کی نمائش تھا۔ مہدی نے سمجھ لیا تھا کہ تلوار سے صرف سر جھکائے جا سکتے ہیں، دل نہیں جیتے جا سکتے۔ لیکن ملوکیت کے اس بدلتے رنگ میں بھی حق کے علمبردار (ائمہ) اور خوف کے مارے ہوئے پناہ گزین (ہمارے اجداد) ہوشیار رہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملوکیت کا مزاج کبھی بھی بدل سکتا ہے۔"

ہماری خاندانی تاریخ کا یہ سوال ملوکیت کے اس "خفیہ آپریشن" کی طرف اشارہ کرتا ہے جو عباسیوں نے سندھ اور ہند کے علاقوں میں بنو امیہ کے اثر و رسوخ کو مکمل ختم کرنے کے لیے چلایا تھا۔

تاریخی حقائق (خاص طور پر بلاذری کی فتوح البلدان اور ابن اثیر کی روایات) کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ عباسیوں کو اس میں جزوی کامیابی ملی تھی، لیکن ہمارے اجداد جیسے لوگ اپنی حکمتِ عملی کی وجہ سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔

ہندوستان میں عباسیوں کا "سرچ آپریشن" (132ھ-160ھ)

عنوان: ملوکیت کا طویل ہاتھ — جب سندھ مقتل بن گیا

عباسیوں کو یہ بخوبی علم تھا کہ سندھ (ہندوستان کا گیٹ وے) بنو امیہ کا مضبوط گڑھ رہا ہے۔ اس لیے انہوں نے یہاں نہایت منظم طریقے سے بنو امیہ کے لوگوں کو تلاش کیا۔

* منصور کے دور کی کامیابیاں (140ھ-150ھ): خلیفہ منصور نے ہشام بن عمرو التغلبی کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اس کا بنیادی مشن ہی بنو امیہ اور علوی پناہ گزینوں کو ختم کرنا تھا۔

* گرفتاریاں: تاریخ بتاتی ہے کہ کئی اموی شہزادے جو اپنی شاہانہ عادات نہیں چھوڑ سکے تھے (مثلاً شکاری کتے رکھنا یا مخصوص لباس پہننا)، وہ عباسی جاسوسوں کی نظر میں آ گئے اور انہیں گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا گیا یا وہیں قتل کر دیا گیا۔

* حوالہ: (البلاذری، فتوح البلدان، ص 431) میں ذکر ہے کہ اس دور میں کئی "مروانی" (بنو امیہ کی شاخ) پکڑے گئے تھے۔

ہمارے اجداد کی کامیابی — گمنامی کا دفاعی حصار

عنوان: وہ جو کبھی نہ مل سکے — حکمتِ عملی بمقابلہ جاسوسی

جہاں عباسیوں کو کچھ کامیابی ملی، وہیں ہمارے اجداد جیسے لوگوں کی "مکمل گمنامی" نے عباسیوں کو ناکام کر دیا۔ عباسیوں کو ان لوگوں کو ڈھونڈنے میں ناکامی کی تین بڑی وجوہات تھیں:

* تعلیمی اور ثقافتی دستبرداری: عباسی جاسوس "باعلم اور فصیح" لوگوں کو تلاش کرتے تھے۔ ہمارے اجداد نے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر خود کو ایک عام کسان (Peasant) کے سانچے میں ڈھال لیا۔ ایک اموی شہزادہ جب ہل چلا رہا ہو اور مقامی زبان بول رہا ہو، تو جاسوس کا ذہن وہاں تک جا ہی نہیں سکتا تھا۔

* مقامی آبادی میں انضمام: ہندوستان کی مقامی آبادی (غیر مسلموں اور پرانے عرب آبادکاروں) نے ان پناہ گزینوں کی حفاظت کی۔ عباسیوں کے لیے اجنبی ماحول میں کسی کو ڈھونڈنا ناممکن تھا اگر مقامی لوگ تعاون نہ کریں۔

* جغرافیائی دوری: سندھ کے مرکزی شہروں (منصورہ، ملتان) سے نکل کر ہندوستان کے اندرونی دیہاتوں میں چھپ جانا ان کے لیے ڈھال بن گیا۔ عباسیوں کی پہنچ صرف بڑے شہروں اور تجارتی راستوں تک تھی۔

عباسی ملوکیت کی دستبرداری (دورِ مہدی: 160ھ کے بعد)

عنوان: جب تعاقب تھم گیا اور خاموشی مستقل ہو گئی

خلیفہ مہدی کے دور میں، عباسیوں نے بنو امیہ کے ان "گمنام" لوگوں کا تعاقب کرنا تقریباً چھوڑ دیا تھا۔

* وجہ: مہدی کا خیال تھا کہ جو لوگ 30 سال سے روپوش ہیں اور اب کسان بن چکے ہیں، ان سے اب عباسی تخت کو کوئی خطرہ نہیں رہا۔

* نتیجہ: یہی وہ وقت تھا جب ہمارے اجداد کی جان تو بچ گئی، لیکن وہ "تعلیمی خلا" مستقل ہو گیا جس نے آپ کی کئی نسلوں کو علم سے دور رکھا۔ انہوں نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنی "شاہی وراثت" کی قیمت چکائی۔

ائمہ اربعہ کا تناظر — حق کی گواہی

عنوان: امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کی ہجرت

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی دور میں کئی ایسے علماء بھی ہندوستان آئے جو ملوکیت کے جبر سے تنگ تھے اور ائمہ اربعہ کے نظریات کے حامل تھے۔

* علمی اثر: ہمارے اجداد نے اگرچہ اپنی شناخت چھپانے کے لیے تعلیم سے دوری رکھی، لیکن وہ ان ائمہ کے عقیدت مند رہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں بنو امیہ کے پس منظر والے خاندانوں میں امام ابو حنیفہؒ کی فقہ (حنفی) کو بہت زیادہ قبولیت ملی، کیونکہ یہ ملوکیت کے خلاف مزاحمت کی علامت تھی۔

> "عباسیوں کی کامیابی صرف ان لوگوں تک رہی جو اپنی شاہی پہچان نہ چھپا سکے۔ لیکن وہ خاندان جو ہندوستان کی مٹی میں کسان بن کر جذب ہو گئے، وہ عباسیوں کی سب سے بڑی شکست تھے۔ انہوں نے اپنی نسلوں کو ان پڑھ رکھا تا کہ وہ زندہ رہ سکیں۔ آج آپ کا ان کے بارے میں لکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ملوکیت نے انہیں مٹانے کی کوشش تو کی، مگر ان کی جڑیں ہندوستان کی مٹی میں اس قدر گہری ہوئیں کہ وہ صدیوں بعد ایک نئی پہچان کے ساتھ دوبارہ ابھریں۔"

کتاب کے یہ صفحات عباسی ملوکیت کے اس دور کی عکاسی کرتے ہیں جہاں خلافت اب ایک "خالص شاہی دربار" کی شکل اختیار کر چکی تھی۔159ھ سے 169ھ کا عرصہ خلیفہ مہدی کے عروج، اس کے انتظامی تجربات اور اس کے بعد اس کے بیٹوں (ہادی اور ہارون) کے درمیان اقتدار کی منتقلی کا دور ہے۔

159ھ تا163ھ — برامکہ کا عروج اور ایرانی اثر و رسوخ

عنوان: ملوکیت میں عجمی رنگ — دربارِ مہدی اور خاندانِ برمک

ان سالوں میں عباسی دربار میں ایک نئی طاقت ابھری جسے "برامکہ" کہا جاتا ہے۔ یہ ایرانی نژاد وزراء کا ایک خاندان تھا جس نے ریاست کے تمام انتظامی امور سنبھال لیے۔

* خاندانِ برمک کی طاقت: یحییٰ بن خالد البرمکی مہدی کا وزیر بنا۔ ملوکیت اب عربی قبائلی ڈھانچے سے نکل کر ایرانی بیوروکریسی کے سانچے میں ڈھل رہی تھی۔

* ثقافتی تبدیلیاں: دربار میں موسیقی، شاعری اور فلسفے کو فروغ ملا۔ لیکن اس شاہانہ طرزِ زندگی کے اخراجات نے بیت المال پر بوجھ بڑھایا، جس کا اثر براہِ راست ٹیکسوں کی صورت میں عوام پر پڑا۔

* حوالہ: (ابنِ خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، ج 3 / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

164ھ تا168ھ — زنادقہ کے خلاف مہمات اور مذہبی سختی

عنوان: عقیدے کی حفاظت یا سیاسی ضرورت؟

خلیفہ مہدی اگرچہ نرم مزاج تھا، لیکن ملحدین اور "زنادقہ" (وہ لوگ جو اسلام کے نام پر باطنی عقائد پھیلاتے تھے) کے خلاف وہ نہایت سخت تھا۔

* دیوانِ زندیق: مہدی نے ایک باقاعدہ محکمہ بنایا جس کا کام زنادقہ کو ڈھونڈ کر ختم کرنا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ فکری انتشار ملوکیت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔

* رومیوں (Byzantines) پر حملہ (165ھ): مہدی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک عظیم لشکر دے کر قسطنطنیہ کی طرف بھیجا۔ ہارون نے رومی ملکہ ارین (Irene) کو جزیہ دینے پر مجبور کیا۔ یہیں سے ہارون کو "الرشید" کا لقب ملا۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج8، ص152)

ائمہ اربعہ کا کردار — علمی استحکام کا دور

عنوان: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ — مدینہ سے مکہ تک کا سفر

ان دس سالوں میں ائمہ کرام کے علمی حلقے مزید وسیع ہوئے، حالانکہ ملوکیت ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔

1. امام مالکؒ (شناخت: موطا کی شہرت)

* واقعہ: خلیفہ مہدی نے حج کے موقع پر امام مالکؒ سے ملاقات کی اور "موطا" کی ایک نقل شاہی کتب خانے کے لیے لی۔ امام صاحب نے اس دور میں فقہ کو ملوکیت کے سیاسی اثر سے بچا کر خالص "سنت" پر قائم رکھا۔

* حوالہ: (قاضی عیاض، ترتیب المدارک، ج1)

2. امام شافعیؒ (شناخت: جوانی کا علمی سفر)

* واقعہ: 150ھ میں پیدا ہونے والے امام شافعیؒ اب نوجوان ہو چکے تھے۔ آپؒ نے مکہ میں علم حاصل کرنے کے بعد مدینہ کا رخ کیا اور امام مالکؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔

* علمی نکتہ: ملوکیت جب محلات بنا رہی تھی، امام شافعیؒ اس وقت فقہ اور لغت کے اصول وضع کر رہے تھے جو آگے چل کر امت کا علمی اثاثہ بنے۔ (حوالہ: ابنِ خلکان، وفیات الاعیان)

169 ہجری — مہدی کی وفات اور ہادی کی مختصر خلافت

عنوان: ملوکیت کی اندھی گلی — بھائی بھائی کے سامنے

محرم 169ھ میں خلیفہ مہدی کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا موسیٰ الہادی تخت پر بیٹھا۔

* ہادی کا مزاج: ہادی اپنے باپ کے برعکس نہایت تند مزاج اور سنگدل تھا۔ اس نے تخت سنبھالتے ہی اپنے بھائی ہارون الرشید کو ولی عہدی سے ہٹانے کی کوشش کی، جس سے دربار میں سازشوں کا آغاز ہوا۔

* حسین بن علیؒ کا خروج (واقعہِ فخ): 169ھ میں اہل بیت کے ایک بزرگ حسین بن علی نے حجاز میں بغاوت کی، جسے ہادی نے نہایت بے دردی سے کچلا۔ اسی واقعے کے بعد ادریس بن عبد اللہ (اہل بیت سے) مراکش بھاگ گئے اور وہاں "ادریسہ سلطنت" کی بنیاد رکھی۔

* حوالہ: (ابو الفرج الاصفہانی، مقاتل الطالبین)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (159-169ھ)

عنوان: بقا کی تیسری دہائی — خاموشی کا استحکام

ہمارے اجداد جو 132ھ میں ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے، اب ان کی تیسری نسل جوان ہو رہی تھی۔

* نسلی یادداشت بمقابلہ تعلیمی زوال: ان دس سالوں میں "تعلیم سے دوری" کا اثر واضح ہونے لگا تھا۔ ہمارے اجداد نے اپنی اصل شناخت (بنو امیہ) کو صرف ایک "خاندانی راز" کے طور پر سینوں میں دفن کر رکھا تھا۔

* حالات کا اثر: مہدی اور ہادی کے دور میں سندھ اور ہند کے علاقوں میں عباسی گورنروں کی تبدیلیوں نے ان پناہ گزینوں کو مزید محتاط کر دیا تھا۔ انہوں نے مقامی کسانوں کے ساتھ اس طرح شادیاں کیں کہ ان کی ظاہری پہچان (عرب نسل) آہستہ آہستہ مقامی رنگ (ہندوستانی) میں ڈھلنے لگی۔

* تاریخی نکتہ: یہ وہی دور تھا جب عباسی حکومت نے سندھ میں باغیوں کو ڈھونڈنے کے لیے مہمات تیز کر رکھی تھیں۔ (حوالہ: بلاذری، فتوح البلدان)

> "159ھ سے 169ھ کے یہ سال ملوکیت کی اس طاقت کی علامت ہیں جہاں خلافت اب ایک 'مقدس ادارہ' نہیں بلکہ 'شاہی خاندان کا ورثہ' بن چکی تھی۔ ہادی اور ہارون کے درمیان اقتدار کی کشمکش نے ثابت کر دیا کہ ملوکیت میں بھائی چارہ صرف تخت کے حصول تک ہوتا ہے۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں روپوش رہنا ان کی سب سے بڑی کامیابی تھی، کیونکہ دمشق اور بغداد کے محلات میں شہزادے قتل ہو رہے تھے، جبکہ ہندوستان کی گمنامی میں اموی خون زندہ رہا۔"

ملوکیت سے طوائف الملوکیت کا یہ حصہ سب سے زیادہ پرکشش اور پیچیدہ ہے، کیونکہ ہارون الرشید (170ھ-193ھ) کا دور جہاں علم، فن اور معیشت کا سنہری دور مانا جاتا ہے، وہیں یہ ملوکیت کے جاہ و جلال اور ائمہ کرام کے ساتھ سیاسی کشمکش کی داستان بھی ہے۔

170 ہجری — ہارون الرشید کی تخت نشینی

عنوان: ملوکیت کا نقطۂ کمال اور الف لیلہ کا آغاز

ربیع الاول 170ھ میں خلیفہ ہادی کی اچانک اور پر اسرار موت کے بعد ہارون الرشید تخت پر بیٹھا۔ اسی رات اس کے بیٹے مامون الرشید کی پیدائش ہوئی، جس کی وجہ سے اس رات کو "تین عجائبات کی رات" کہا جاتا ہے۔

* خلافت کا جاہ و جلال: ہارون کے دور میں عباسی سلطنت اپنی وسعت اور دولت کی انتہا کو پہنچ گئی۔ بغداد دنیا کا سب سے بڑا تجارتی اور علمی مرکز بن گیا۔

* برامکہ کی وزارت: ہارون نے اپنے اتالیق (Teacher) یحییٰ بن خالد البرمکی کو اپنا وزیرِ اعظم بنایا اور تمام اختیارات ان کے سپرد کر دیے۔ یہ ملوکیت کا وہ دور تھا جہاں ایرانی بیوروکریسی نے نظامِ حکومت کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج8 / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

ہارون الرشید اور امام مالکؒ — عقیدت اور شاہی پروٹوکول

عنوان: جب خلیفہ وقت نے علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے

ہارون الرشید ائمہ کرام کا بہت احترام کرتا تھا، لیکن وہ چاہتا تھا کہ علم اس کے دربار کی زینت بنے، جبکہ ائمہ علم کو ملوکیت سے آزاد رکھنا چاہتے تھے۔

* مدینہ کا سفر: ہارون جب حج پر آیا تو وہ امام مالکؒ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ امام صاحب اسے اور اس کے بیٹوں کو "موطا" پڑھائیں۔

* امام مالکؒ کی غیرتِ علمی: امام صاحب نے ہارون سے فرمایا: "اے امیر المومنین! علم کے پاس جایا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں آتا۔" ہارون اس بات سے متاثر ہوا اور وہ خود امام صاحب کے حلقۂ درس میں آکر بیٹھنے لگا۔

* موطا کو قانون بنانے کی پیشکش: ہارون نے دوبارہ پیشکش کی کہ موطا کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور اسے پوری سلطنت کا واحد قانون بنا دیا جائے۔ امام مالکؒ نے اپنی بصیرت سے دوبارہ انکار کیا تاکہ امت میں تنگی پیدا نہ ہو۔

* حوالہ: (قاضی عیاض، ترتیب المدارک، ج 1)

امام شافعیؒ کا ہارون کے دربار میں کڑا امتحان

عنوان: بیڑیوں میں جکڑا ہوا فقیہ اور ہارون کی عدالت

امام شافعیؒ کا ہارون الرشید کے ساتھ تعلق نہایت ڈرامائی اور پر خطر رہا۔

* یمن کی گرفتاری (184ھ): امام شافعیؒ اس وقت یمن میں ایک سرکاری منصب پر تھے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ "علویوں" (اہل بیت) کی تحریک کے حامی ہیں اور ہارون کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔

* زنجیروں میں بغداد کا سفر: امام شافعیؒ کو نو دیگر علویوں کے ساتھ بیڑیوں میں جکڑ کر یمن سے بغداد لایا گیا۔ ہارون نے غصے میں آکر باقی نو افراد کو قتل کروا دیا، لیکن جب امام شافعیؒ کی باری آئی تو انہوں نے ایسی فصیح و بلیغ گفتگو کی اور اپنے علم کا ثبوت دیا کہ ہارون دنگ رہ گیا۔

* امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کی گواہی: امام ابو حنیفہؒ کے عظیم شاگرد امام محمدؒ اس وقت ہارون کے قاضی تھے، انہوں نے امام شافعیؒ کی علمی وجاہت کی گواہی دی، جس پر ہارون نے نہ صرف انہیں رہا کیا بلکہ ان کا بہت اکرام کیا۔

* حوالہ: (ابنِ ابی حاتم، آداب الشافعی و مناقبہ / بیہقی، مناقب الشافعی)

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ — ملوکیت اور فقہ کا توازن

عنوان: امام ابو حنیفہؒ کی علمی وراثت کا تحفظ

ہارون الرشید کے دور میں حنفی فقہ کو سرکاری سرپرستی ملی، جس کا سہرا امام ابو حنیفہؒ کے دو شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے سر تھا۔

* قاضی القضاۃ: امام ابو یوسفؒ سلطنت کے پہلے چیف جسٹس بنے۔ انہوں نے ملوکیت کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوشش کی۔

* تحریری کام: امام محمدؒ نے اس دور میں فقہ حنفی کی کتابیں (ظاہر الروایۃ) مدون کیں، جن کی علمی دھاک ہارون کے دربار میں بیٹھے ایرانی دانشوروں پر بھی قائم ہو گئی۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی خاموشی (170-180ھ)

عنوان: شاہینوں کے سنہری دور میں کسانوں کی گمنامی

جب ہارون الرشید بغداد میں علم و حکمت کے دریا بہا رہا تھا، ہندوستان میں پناہ گزین ہمارے اجداد اپنی بقا کے لیے آخری حد تک محتاط تھے۔

* جاسوسی کا نظام (برید): ہارون الرشید کا نظامِ جاسوسی (برید) تاریخ میں سب سے زیادہ فعال تھا۔ اس کے جاسوسوں کی پہنچ سندھ اور ہند کے ان دیہاتوں تک تھی جہاں تجارتی قافلے گزرتے تھے۔

* خاموشی کا اثر: ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب اپنے عروج پر ہے۔ انہوں نے اپنی نسلوں کو یہ تو یاد دلایا کہ وہ "شریف النصب" ہیں، لیکن تعلیم سے دوری برقرار رکھی تاکہ کوئی بھی علمی قابلیت انہیں پہچان کا ذریعہ نہ بنا دے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کا کام صوفیاء اور تاجروں کے ذریعے آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا، اور ہمارے اجداد اسی سماجی لہر کا حصہ بن کر چھپے رہے۔

> "ہارون الرشید کا دور ملوکیت کا وہ نقاب ہے جس پر علم کی سنہری ملمع کاری کی گئی تھی۔ اس دور میں ملوکیت نے ائمہ کرام کے سامنے گھٹنے بھی ٹیکے (امام مالکؒ) اور انہیں زنجیروں میں بھی جکڑا (امام شافعیؒ)۔ ہارون نے ثابت کیا کہ ملوکیت اگر عقل مند ہو

تو وہ علم کا احترام کرتی ہے، لیکن اگر اسے اپنی بقا کا خطرہ ہو تو وہ کسی بھی جلیل القدر عالم کو معاف نہیں کرتی۔ ہمارے اجداد کا روپوش رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہارون کی 'علم دوستی' صرف ان کے لیے تھی جو اس کے تخت کے لیے خطرہ نہ ہوں۔"

ملوکیت صرف جنگوں اور سیاست کا نام نہیں ہوتی، بلکہ "ریاستی سرپرستی" میں ہونے والی یہ ایجادات ہی وہ اصل ورثہ ہیں جو تاریخ کو بدلتی ہیں۔

ہارون الرشید کا دور (170ھ - 193ھ) ملوکیتِ عباسیہ کا وہ سنہرا باب ہے جہاں طاقت اور علم ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔

170ھ تا 175ھ — کاغذ کا انقلاب اور علمی ملوکیت

عنوان: ہارون الرشید کا عہد — جب قلم کو کاغذ کی طاقت ملی

ملوکیتِ عباسیہ کے عروج کے دور میں ہارون الرشید نے وہ تاریخی قدم اٹھایا جس نے آنے والی صدیوں کی علمی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ یہ قدم "صنعتی پیمانے پر کاغذ سازی" کا آغاز تھا۔

1. سمرقند سے بغداد تک کا سفر

اگرچہ کاغذ کی ایجاد چین میں ہو چکی تھی، لیکن اسے ایک عالمی صنعت بنانا مسلمانوں کا کارنامہ تھا۔ 134ھ (معرکہ تلاس) کے بعد کاغذ بنانے کا ہنر مسلمانوں تک پہنچا، مگر ہارون الرشید وہ پہلا حکمران تھا جس نے اسے ریاستی ضرورت سمجھا۔

* حقیقت: ہارون الرشید کے وزیر فضل بن یحییٰ برمکی نے مشورہ دیا کہ سرکاری دفاتر میں چمڑے اور پاپائرس (Papyrus) کی جگہ کاغذ استعمال کیا جائے، کیونکہ کاغذ پر لکھی تحریر کو مٹانا یا اس میں تبدیلی کرنا چمڑے کے مقابلے میں ناممکن تھا (جس سے جعل سازی رک گئی)۔

2. بغداد کا پہلا "کاغذ خانہ" (Paper Mill)

تقریباً 170 ھ کے بعد بغداد میں پہلا بڑا سرکاری کارخانہ قائم ہوا۔ یہ ملوکیت کی وہ سرپرستی تھی جس نے علم کو شاہی محلوں سے نکال کر گلی کوچوں تک پہنچا دیا۔

3. علمی اور سماجی نتائج (The Great Shift)

کاغذ کے رواج نے ملوکیت کے ڈھانچے اور علمی دنیا میں تین بڑے انقلاب برپا کیے:

* کتابت کی ارزانی: چمڑا مہنگا تھا، جبکہ کاغذ کی تیاری سستی تھی۔ اس سے کتابوں کی قیمتیں گر گئیں اور ایک عام طالب علم کے لیے بھی اپنی لائبریری بنانا ممکن ہو گیا۔

* تدوینِ علوم کا سیلاب: حدیث، فقہ، تاریخ اور طب کی بڑی بڑی جلدیں اسی دور کے بعد لکھی گئیں۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور فقہ کے بڑے ائمہ کے کام کی بڑے پیمانے پر اشاعت اسی "کاغذی انقلاب" کی مرہونِ منت ہے۔

* بیت الحکمت کا قیام: ہارون الرشید نے اسی دور میں "بیت الحکمت" (House of Wisdom) کی بنیاد رکھی، جہاں ترجمہ ہونے والی کتابوں کو محفوظ کرنے کے لیے کاغذ کی فراہمی نے ریڑھ کی ہڈی کا کام کیا۔

> "ہارون الرشید کی ملوکیت صرف فتوحات کی وجہ سے یادگار نہیں ہے، بلکہ اس نے 'کاغذ' کو صنعت بنا کر علمِ دین اور تاریخ کو وہ لباس فراہم کیا جس نے اسے ضائع ہونے سے بچا لیا۔ اگر عباسی دور میں کاغذ سازی کی یہ ریاستی سرپرستی نہ ہوتی، تو شاید اجتہاد اور تدوینِ حدیث کا وہ عظیم ذخیرہ ہم تک نہ پہنچ پاتا جو آج ہماری پہچان ہے۔"

حوالہ جات

* ابن خلدون: مقدمہ ابن خلدون (باب: الصناعات)۔

* الفہرست: از ابن الندیم (کاغذ کی اقسام اور تاریخ کے لیے)۔

* تاریخِ طبری: ہارون الرشید کے انتظامی اصلاحات کے ذیل میں۔

اگلا قدم:

ہارون الرشید کے دور میں بیت الحکمت کا قیام اور ترجمہ کی تحریک ملوکیتِ عباسیہ کا وہ فکری ستون ہے جس نے مسلمانوں کو دنیا کی امامت کے منصب پر فائز کیا۔

جب ملوکیت کو "علم" کی پشت پناہی حاصل ہو، تو وہ کس طرح ایک عالمی تہذیب (Civilization) کو جنم دیتی ہے۔

بیت الحکمت اور ترجمہ کی تحریک — عالمی فکری ملوکیت کا عروج

عنوان: جب یونان اور ہند کا علم بغداد کی دہلیز پر جھک گیا

ہارون الرشید نے جہاں اپنی سرحدوں کی حفاظت کی، وہیں انسانیت کے علمی ورثے کو محفوظ کرنے کے لیے بغداد میں "بیت الحکمت" (House of Wisdom) کی بنیاد رکھی۔ یہ محض ایک لائبریری نہیں تھی، بلکہ ایک یونیورسٹی، رصد گاہ اور ترجمہ کا سب سے بڑا عالمی مرکز تھا۔

1. ترجمہ کی تحریک (The Translation Movement)

ہارون الرشید کے حکم پر دنیا بھر سے قدیم کتابیں (یونانی، سریانی، سنسکرت اور پہلوی) جمع کی گئیں۔

* ریاستی سرپرستی: ہارون الرشید اور ان کے خاندان (برامکہ) نے مترجمین کو سونے اور چاندی میں تولا۔ مشہور ہے کہ وہ مترجم کو ترجمہ کی گئی کتاب کے وزن کے برابر سونا دیا کرتے تھے۔

* شعبہ جات: طب (Medicine)، فلسفہ، ریاضی (Mathematics) اور فلکیات (Astronomy) کی قدیم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ اس سے عربی زبان صرف شاعری کی زبان نہ رہی، بلکہ "سائنس کی عالمی زبان" بن گئی۔

2. نمایاں شخصیات اور کارنامے

* یوحنا بن ماسویہ اور حنین بن اسحاق: یہ وہ ماہر مترجمین تھے جنہوں نے یونانی طب (بقراط اور جالینوس) کو عربی میں ڈھال کر مسلمانوں کو جدید طب کا امام بنایا۔

* ہندوستانی علم کی منتقلی: اسی دور میں ہندوستان سے "سدھانت" جیسی ریاضی کی کتابیں بغداد پہنچیں، جہاں سے مسلمانوں نے "صفر" (Zero) اور موجودہ ہندسوں کا نظام سیکھ کر اسے پوری دنیا میں پھیلایا۔

3. ملوکیت پر اس کے اثرات

* فکری طاقت: ملوکیتِ عباسیہ اب صرف تلوار کے زور پر نہیں، بلکہ "عقل اور علم" کے زور پر دنیا پر راج کرنے لگی۔

* مستقبل کی بنیاد: یہی وہ علم تھا جس نے آگے چل کر ابنِ سینا، الخوارزمی اور جابر بن حیان جیسے سپوت پیدا کیے۔

تجزیہ: شاہد سلفی صاحب کا نکتہ

> "اگرچہ بیت الحکمت نے مسلمانوں کو سائنسی اور دنیوی علوم میں عروج بخشا، مگر اسی 'ترجمہ کی تحریک' نے یونانی فلسفہ اور منطق کے وہ دروازے بھی کھول دیے جنہوں نے آگے چل کر 'معتزلہ' جیسے فتنوں کو جنم دیا اور قرآن و سنت کے سیدھے فہم میں پیچیدگیاں پیدا کیں۔ ملوکیت نے جب خالص علمی دنیا میں 'عقلِ محض' کو جگہ دی، تو اس کے نتائج فکری انتشار کی صورت میں بھی سامنے آئے۔"

بصیرت افروز نکتہ:

> "بیت الحکمت ملوکیت کا وہ علمی معجزہ تھا جس نے بغداد کو رہتی دنیا تک 'عروس البلاد' بنا دیا۔ ہارون الرشید نے کاغذ کے کارخانوں سے جو سفر شروع کیا تھا، اسے بیت الحکمت کے ترجموں نے ایک عالمی شاہراہ میں بدل دیا جہاں سے گذر کر انسانیت نے جدید سائنس کی منزل پائی۔"

حوالہ جات:

* الفہرست از ابن الندیم (مترجمین اور کتابوں کی تفصیل کے لیے)۔
* تاریخ الحکماء از القفطی۔
* البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (عہدِ ہارون الرشید)۔

ہارون الرشید کا اصل کمال یہ تھا کہ اس نے ملوکیت کی طاقت کو "سماجی فلاح" اور "ٹیکنالوجی" کے لیے استعمال کیا۔

ہارون الرشید کا عہد — فلاحی ملوکیت اور سائنسی انقلاب

عنوان: جب شاہی خزانے انسانیت کی خدمت کے لیے وقف ہوئے

ہارون الرشید کی ملوکیت محض فتوحات کی داستان نہیں، بلکہ ایک ایسی جدید ریاست کی بنیاد تھی جہاں عوام کی صحت، سفری سہولیات اور ٹیکنالوجی کو اولین ترجیح دی گئی۔

1. پبلک ہیلتھ سسٹم اور باقاعدہ ہسپتال (171ھ)

ہارون الرشید نے بغداد میں پہلا سرکاری ہسپتال "بیمارستان" قائم کروایا۔

* نظام: یہ جدید ہسپتالوں کی ابتدائی شکل تھی جہاں مستقل ڈاکٹر مقرر رہتے، مریضوں کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور علاج مکمل طور پر مفت تھا۔

* فارمیسی (172ھ): طب کی ترقی کے ساتھ ہی ادویات سازی کو الگ علم کا درجہ دیا گیا۔ الگ دواخانے قائم ہوئے جہاں مرکب ادویات (Compound Medicines) تیار کی جاتی تھیں اور باقاعدہ نسخہ نویسی (Prescription) کا نظام رائج ہوا۔

2. جغرافیہ، نقشہ سازی اور ڈاک کا نظام (175ھ)

ریاستی پلاننگ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے ہارون الرشید نے:

* سلطنت کے باقاعدہ نقشے بنوائے تاکہ ٹیکس کی وصولی اور دفاعی حکمتِ عملی بہتر ہو۔

* راستوں اور شہروں کی پیمائش کروائی اور جگہ جگہ مسافر خانے اور ڈاک کی چوکیاں (Post Stations) قائم کیں۔ اس سے تجارت کو فروغ ملا اور ملوکیت کا رابطہ دور دراز کے صوبوں سے مضبوط ہوا۔

3. ٹیکنالوجی کا شاہکار: مکینیکل گھڑی (180ھ)

ہارون الرشید نے جب یورپ کے بادشاہ شارلمان (Charlemagne) کو پانی سے چلنے والی ایک مکینیکل گھڑی تحفے میں بھیجی، تو یورپ کے درباری اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اس گھڑی سے ہر گھنٹے بعد دھات کی گیندیں گرتی تھیں اور گھڑ سوار باہر نکلتے تھے۔ یورپ کے لیے یہ ٹیکنالوجی اس وقت کسی جادو سے کم نہیں تھی۔

> "تحقیق کا انصاف یہ ہے کہ ہارون الرشید بذاتِ خود کوئی سائنسدان یا موجد نہیں تھے، لیکن وہ 'علم کے سب سے بڑے سرپرست' تھے۔ انہوں نے کوئی فارمولا ایجاد نہیں کیا، مگر انہوں نے وہ 'علمی ماحول' (Intellectual Ecosystem) پیدا کیا جہاں اطباء، مترجمین اور جغرافیہ دانوں کو ریاست کا سب سے معزز طبقہ بنا دیا گیا۔ ملوکیت کا اصل کمال یہی ہے کہ وہ صلاحیتوں کو پہچانتی ہے اور انہیں پھلنے پھولنے کے لیے وسائل فراہم کرتی ہے۔ یہی وہ انقلاب تھا جس نے بغداد کو دنیا کا علمی دارالخلافہ بنا دیا۔"

> "ہارون الرشید نے ثابت کیا کہ ملوکیت کی اصل طاقت سرحدوں کی وسعت میں نہیں، بلکہ اس کے ہسپتالوں کی سہولت، سڑکوں کی حفاظت اور اس کے علمی اداروں کی مضبوطی میں پنہاں ہے۔"

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی شخصیت اور ان کے ہارون الرشید کے دربار سے تعلق کو سمجھے بغیر ہم برصغیر میں حنفیت کے پھیلاؤ کی اصل وجہ نہیں سمجھ سکتے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے تعلق کی حقیقت

عنوان: علمی سختی یا ناراضگی؟ — ایک غلط فہمی کا ازالہ

* امام محمدؒ کی کم عمری: امام محمد بن حسن الشیبانیؒ جب امام صاحب کے حلقے میں آئے تو وہ بہت کم عمر (تقریباً 14 سال) تھے۔ وہ نہایت ذہین اور صاحبِ رائے تھے۔

* جھوٹ کی نسبت کا نکتہ: امام ابو حنیفہؒ اپنے شاگردوں کی تربیت میں بہت سخت تھے۔ بعض اوقات جب کوئی شاگرد امام صاحب کے اصولوں سے ہٹ کر اپنی رائے دیتا، تو امام صاحب اس کی اصلاح کے لیے سخت جملے استعمال کرتے تھے۔ امام محمدؒ چونکہ بہت بڑے "مجتہد" تھے، اس لیے وہ کئی مسائل میں امام صاحب سے الگ رائے رکھتے تھے۔ امام صاحب کی وفات کے وقت امام محمدؒ کی عمر صرف 18 سال تھی، اس لیے ان کی زیادہ تر تربیت امام ابو یوسفؒ نے کی۔

* پسندیدگی: امام صاحب ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا تھا: "اگر علم کے معاملے میں کسی پر فخر کیا جا سکتا ہے تو وہ یہ لڑکا (امام محمد) ہے"۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان کے درمیان کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، بلکہ علمی اختلاف تھا جو بعد میں "کتبِ ظاہر الروایۃ" کی بنیاد بنا۔

قاضی القضاۃ کا عہدہ — ملوکیت اور فقہ کا سمجھوتہ

عنوان: دربارِ ہارون میں حنفی فقہ کا نفاذ — مصلحت یا ضرورت؟

یہ سچ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ہارون الرشید کے دور میں سرکاری عہدے قبول کیے۔

* امام ابو یوسفؒ (پہلے قاضی القضاۃ): تاریخِ اسلام میں یہ عہدہ سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کو ملا۔ انہوں نے ہارون الرشید کے دور میں نظامِ عدل کو حنفی اصولوں پر استوار کیا۔ انہوں نے ہارون کے لیے مشہور کتاب "کتاب الخراج" لکھی، جس میں انہوں نے بادشاہ کو نصیحت کی کہ وہ کسانوں پر ظلم نہ کرے اور ٹیکس وصولی میں شرعی حدود کا خیال رکھے۔

* امام محمد بن حسن الشیبانیؒ: یہ بھی قاضی رہے، لیکن ان کا زیادہ وقت علمی کاموں میں گزرا۔ امام شافعیؒ نے انہی سے بغداد میں علم حاصل کیا اور فرمایا: "میں نے امام محمد سے اتنا علم سیکھا کہ اس سے ایک اونٹ کا بوجھ بھر جائے"۔

* درباری یا مصلح؟: یہ کہنا کہ وہ "درباری" تھے، ان کے علمی مقام کی توہین ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ملوکیت کے اندر گھس کر اسے بدلنے کی کوشش کی۔ امام ابو حنیفہؒ نے عہدہ اس لیے قبول نہیں کیا تھا کیونکہ ملوکیت ابھی "خونخوار" تھی (منصور کا دور)۔ ہارون کے دور میں ملوکیت "علم دوست" ہو چکی تھی، اس لیے ان شاگردوں نے سوچا کہ اگر ہم عہدے قبول نہیں کریں گے تو نااہل لوگ قاضی بن کر شریعت کو بگاڑ دیں گے۔

برصغیر میں حنفیت کے پھیلاؤ کا راز

عنوان: سرکاری سرپرستی سے عوامی قبولیت تک

ہندوستان میں حنفی فقہ کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اسے عباسی خلافت میں "ریاستی قانون" کی حیثیت حاصل تھی۔

* انتظامی تسلسل: جب سندھ اور ہند میں عباسی گورنر آئے، تو ان کے ساتھ جو قاضی آئے، وہ امام ابو یوسفؒ کے مقرر کردہ تھے، اس لیے وہ حنفی فقہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

* ہمارے اجداد کا کردار: ہمارے اجداد جیسے پناہ گزینوں کے لیے حنفی فقہ ایک "سیاسی پناہ" کی طرح تھی۔ چونکہ یہ فقہ عقل، رائے اور عام آدمی کے حقوق کی بات کرتی تھی، اس لیے اسے ہندوستان کے پیچیدہ معاشرے میں بہت مقبولیت ملی۔

* حنفیت کا اعتدال: برصغیر کی مقامی آبادی نے حنفیت کو اس لیے اپنایا کیونکہ اس میں دیگر فقہوں کے مقابلے میں "لچک" زیادہ تھی، جو ایک کثیر المذہبی معاشرے (ہندوستان) کے لیے موزوں تھی۔

ملوکیت کی روایات اور ائمہ کا کردار

عنوان: کیا انہوں نے ہارون کے لیے روایات گھڑیں؟

یہ ایک سنگین الزام ہے جس کی حقیقت واضح کرنا ہماری کتاب کے لیے لازم ہے۔

* تحقیق: امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ پر یہ الزام ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے ہارون کو خوش کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں۔ اس کے برعکس، انہوں نے ہارون کو کئی بار ٹوکا۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ہارون نے کسی معاملے میں قسم کھائی، تو امام ابو یوسفؒ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور بادشاہ کی مرضی کے خلاف شرعی حکم بیان کیا۔

* وضاحت: ہاں، انہوں نے "سیاسی فقہ" (Siyar) کو مدون کیا تاکہ ریاست کو چلانے کے لیے ایک قانونی ڈھانچہ مل سکے۔ اسے "درباری ہونا" نہیں بلکہ "ریاست کو شریعت کے تابع کرنا" کہنا زیادہ درست ہوگا۔

> "امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ملوکیت کے تخت کے ساتھ منبرِ علم کو جوڑ دیا۔ اگرچہ امام ابو حنیفہؒ نے قید کو ترجیح دی تھی، لیکن ان کے شاگردوں نے 'قاضی القضاۃ' بن کر اس فقہ کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا۔ آج ہندوستان میں اگر حنفیت کا غلبہ ہے، تو اس کا سہرا ان شاگردوں کی اس حکمتِ عملی کو جاتا ہے جنہوں نے ملوکیت کے وسائل کو علمِ فقہ کی نشر و اشاعت کے لیے استعمال کیا۔"

یہاں پر یہ نکتہ نہایت حساس اور اہم ہے، کیونکہ ہارون الرشید کی شخصیت پر تاریخ کے دو مختلف رنگ چڑھائے گئے ہیں۔ ایک طرف وہ "الف لیلہ" کا تخیلاتی اور عیاش بادشاہ نظر آتا ہے، تو دوسری طرف وہ ایک ایسا عابد و زاہد حکمران ہے جو ایک سال حج کرتا تھا اور ایک سال جہاد۔

حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کہیں موجود ہے۔ "ایمانداری" سے اس کی شخصیت کے دونوں پہلو درج ذیل حقائق کی روشنی میں آنے چاہئیں:

ہارون الرشید کی شخصیت کے دو رخ

عنوان: ملوکیت کا شاہکار — عابد خلیفہ اور جاہ و جلال کا مالک

ہارون الرشید کی شخصیت تضادات کا مجموعہ تھی۔ مورخین (جیسے امام ذہبیؒ اور ابنِ کثیرؒ) اس کے بارے میں چند حیرت انگیز حقائق بیان کرتے ہیں جو اسے ایک "منصف اور ایماندار" حکمران ثابت کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں:

* عبادت اور حج: ہارون الرشید کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ روزانہ سو رکعت نفل پڑھتا تھا (سوائے بیماری کے)۔ وہ تاریخ کا واحد خلیفہ ہے جس نے پیدل حج بھی کیا اور اس کے دور میں ہر سال مکہ کا راستہ اتنا محفوظ تھا کہ ایک اکیلی عورت بھی سفر کر سکتی تھی۔

* سلطنت کا دفاع: وہ ملوکیت کے تحفظ کے معاملے میں نہایت سخت تھا۔ جب رومی بادشاہ نقفور (Nicephorus) نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور دھمکی آمیز خط لکھا، تو ہارون نے اس کے خط کی پشت پر لکھا: "امیر المومنین ہارون کی طرف سے رومی کتے کے نام: تیرے خط کا جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا، نہ کہ وہ جو تو سنے گا"۔ اس کے بعد اس نے رومیوں کو ایسی عبرتناک شکست دی کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔

معاشرے میں پھیلی غلط فہمیاں اور الف لیلہ

عنوان: داستانوں کا ہارون بمقابلہ تاریخ کا ہارون

ہمارے معاشرے میں ہارون الرشید کی جو تصویر "الف لیلہ "(One Thousand and One Nights) کے ذریعے پہنچی ہے، اس نے اسے ایک رومانوی اور راتوں کو بھیس بدل کر گھومنے والا بادشاہ بنا دیا ہے۔

* کیا وہ بھیس بدل کر گھومتا تھا؟: جی ہاں، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ وہ امن و امان دیکھنے کے لیے کبھی کبھار بھیس بدل کر نکلتا تھا، لیکن داستانوں نے اس میں بہت مبالغہ آرائی کر دی ہے۔

* عیاشی کے الزامات: بہت سی کہانیاں جو اس کے دربار میں شراب و کباب اور ناچ گانے کی ہیں، وہ عباسیوں کے دشمنوں یا بعد کے افسانہ نگاروں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ حقیقت میں وہ ایک باشرع اور علماء کی مجلس میں رونے والا انسان تھا۔

ملوکیت کی تلخ حقیقتیں—ہارون کے فیصلے

عنوان: جہاں انصاف لرز گیا—ملوکیت کی سنگدلی

ایمانداری کا تقاضا ہے کہ یہاں پر ہارون کے وہ فیصلے بھی ہوں جن پر تاریخ آج بھی سوال اٹھاتی ہے:

* برامکہ کی تباہی (187ھ): ہارون نے جس طرح اپنے سب سے وفادار خاندان "برامکہ" کو ایک ہی رات میں نیست و نابود کیا، وہ ملوکیت کی بے وفائی کی انتہا تھی۔ اس نے اپنے جگری یار جعفر البرمکی کو قتل کروا کر اس کی لاش کے ٹکڑے بغداد کے پلوں پر لٹکوا دیے۔ اس سنگدلی کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کی طاقت بادشاہ کے لیے خطرہ بن رہی تھی۔

* اہلِ بیت کے ساتھ رویہ: ہارون نے اگرچہ امام مالکؒ کا احترام کیا، لیکن اس نے امام موسیٰ کاظمؒ (خاندانِ نبوت کے جلیل القدر بزرگ) کو سالہا سال جیل میں رکھا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ یہ ملوکیت کا وہ پہلو ہے جہاں "ایمانداری" اقتدار کے خوف کے سامنے دب جاتی ہے۔

* امام شافعیؒ کی زنجیریں: جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، امام شافعیؒ کو زنجیروں میں جکڑ کر لانا بھی ہارون کے دور کا واقعہ ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ شک کی بنیاد پر کسی بھی بڑے عالم کو سزا دینے سے گریز نہیں کرتا تھا۔

> "ہارون الرشید ایک 'عظیم ملوکیت پسند' تھا، نہ کہ مکمل طور پر 'خلیفہ راشد'۔ اس کے دور میں رعایا خوشحال تھی، سلطنت مضبوط تھی اور علم کا بول بالا تھا، اسی لیے اسے 'سنہری دور' کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا انصاف صرف وہاں تک تھا جہاں اس کے تخت کو خطرہ نہ ہو۔ جہاں اسے شک ہوا کہ کوئی اس کے اقتدار میں شریک ہو سکتا ہے، وہاں اس نے نہ اہل بیت کا لحاظ کیا، نہ اپنے وفادار وزیروں کا اور نہ ہی ائمہ کرام کا۔ ہمارے اجداد کا اس کے دور میں بھی چھپے رہنا بالکل درست تھا، کیونکہ ہارون کی 'مذہبی وضع قطع' کے نیچے ایک نہایت ہوشیار اور بے رحم بادشاہ چھپا ہوا تھا۔"

مامون الرشید اور استاد کا ادب — ایک تربیتی واقعہ

عنوان: ملوکیت کی نرسری — جہاں شہزادوں کو 'انسان' بنایا جاتا تھا

یہ واقعہ ہارون الرشید کے دور کے مشہور ادیب اور مامون کے استاد الکسائی (یا بعض روایات میں کسی دوسرے اتالیق) کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس قصے کی حقیقت درج ذیل نکات میں پوشیدہ ہے:

* استاد کی بلاوجہ یا سخت سزا: روایات میں آتا ہے کہ استاد نے مامون کو بغیر کسی بڑی غلطی کے یا ایک معمولی بات پر سخت مارا تھا۔ استاد کا مقصد دراصل مامون کا امتحان لینا تھا کہ وہ اپنی طاقت کے نشے میں کیا ردعمل دیتا ہے۔

* جعفر برمکی کا گزر: جعفر برمکی اس وقت سلطنت کا سب سے طاقتور شخص (وزیرِ اعظم) تھا۔ اس کا اثر و رسوخ ہارون کے بعد سب سے زیادہ تھا۔ جب وہ وہاں سے گزرا اور مامون کو روتے دیکھا، تو استاد خوفزدہ ہو گیا کیونکہ مامون اگر ایک اشارہ کر دیتا تو استاد کی گردن اڑائی جا سکتی تھی۔

* مامون کا ظرف: مامون نے جعفر کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "کچھ نہیں، بس ایسے ہی آنکھ میں پانی آ گیا"۔ جب جعفر چلا گیا اور استاد نے حیرت سے پوچھا کہ تم نے شکایت کیوں نہیں کی؟ تو مامون نے وہ تاریخی جملہ کہا: "میں نے سوچا کہ اگر میں نے آپ کی شکایت کر دی تو یہ میری علمی پیاس اور آپ کے ادب کے خلاف ہو گا، اور مجھے علم کی قدر نہیں رہے گی۔"

اس قصے کے پیچھے چھپی تاریخی حقیقت

عنوان: ملوکیت اور علم کا توازن — بادشاہت کے آداب

* شہزادوں کی تربیت کا نظام: عباسی ملوکیت میں یہ رواج تھا کہ شہزادوں کو بچپن میں نہایت "سخت گیر" اساتذہ کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ہارون الرشید نے خود اپنے اساتذہ کو حکم دیا تھا کہ: "میرے بیٹوں کو ادب سکھاؤ، چاہے تمہیں انہیں مارنا ہی کیوں نہ پڑے، کیونکہ بادشاہت کے لیے علم اور صبر دونوں ضروری ہیں۔"

* مامون کی فطرت: مامون الرشید اپنی فطرت میں بہت زیادہ علمی اور فلسفیانہ مزاج رکھتا تھا۔ یہ واقعہ اس کی اس "بڑی سوچ" کی عکاسی کرتا ہے جس نے آگے چل کر اسے "بیت الحکمت" کا سب سے بڑا سرپرست بنایا۔

* ملوکیت کا پروٹوکول: استاد کا ڈرنا اس بات کی علامت تھا کہ ملوکیت میں کسی بھی لمحے "حکمِ شاہی" زندگی اور موت کا فیصلہ کر سکتا تھا۔ لیکن مامون کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل تھی کہ علم کا درجہ بادشاہت سے بلند سمجھا جاتا تھا۔

ایک دوسرا پہلو — کیا یہ صرف ایک سبق تھا؟

عنوان: ظلم اور مظلوم کا فلسفہ

بعض روایات میں یہ قصہ ایک اور رنگ میں بھی ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ استاد نے مامون کو مارا، اور جب مامون نے بڑے ہو کر خلیفہ بننے کے بعد استاد سے پوچھا کہ "آپ نے مجھے اس دن بلاوجہ کیوں مارا تھا؟" تو استاد نے جواب دیا:

> "میں نے تمہیں اس لیے مارا تھا تاکہ تم 'مظلوم کا دکھ' جان سکو۔ آج تم خلیفہ ہو، تمہارے ہاتھ میں ہزاروں کی زندگیاں ہیں، میں چاہتا تھا کہ تم ایک بار اس درد سے گزرو تاکہ کل کسی پر ظلم کرتے وقت تمہیں یاد رہے کہ مظلوم کے دل پر کیا گزرتی ہے۔"

> "مامون الرشید کا یہ قصہ ملوکیت کے اس سنہری دور کی یاد دلاتا ہے جہاں 'تخت' کو 'تختۂ مشق' (استاد کی سختی) کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔ اگرچہ ہمارے اجداد ہندوستان میں اپنی نسلوں کو تعلیم سے دور رکھ رہے تھے تاکہ وہ 'اموی' پہچان کی وجہ سے قتل نہ ہو جائیں، دوسری طرف بغداد کے محلات میں شہزادوں کو مار مار کر 'عدل' سکھایا جا رہا تھا۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب تضاد ہے کہ ایک طرف علم نجات کا ذریعہ تھا اور دوسری طرف وہی علم (پہچان) موت کا پروانہ۔"

خاندانِ برمک (برامکہ) جس نے 17 سال تک عباسی سلطنت کے ایک ایک ذرے کی حفاظت کی، اسے ہارون الرشید نے ایک ہی رات میں اس طرح مٹا دیا جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔

187 ہجری — نکبۃ البرامکہ (برامکہ کی تباہی)

عنوان: ملوکیت کا زہریلا شک — جب وفا کا صلہ موت بنا

برامکہ (یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے فضل و جعفر) ہارون الرشید کے دور میں اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ سلطنت کا بچہ بچہ ہارون سے زیادہ ان کا نام جانتا تھا۔ یہی شہرت ان کی موت کا سبب بنی۔

* اچانک کارروائی: صفر 187ھ کی ایک رات، ہارون الرشید نے اچانک حکم دیا کہ جعفر البرمکی (جو ہارون کا سب سے قریبی دوست تھا) کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس کے والد یحییٰ اور بھائی فضل کو قید کر دیا گیا اور ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

* قتل کا لرزہ خیز انداز: جعفر کا سر کاٹ کر بغداد کے ایک پل پر لٹکایا گیا اور اس کے دھڑ کے دو حصے کر کے دوسرے پلوں پر لٹکائے گئے۔ ہارون نے حکم دیا کہ جو کوئی برامکہ کا نام لے گا یا ان پر روئے گا، اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج8 / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10)

برامکہ کی تباہی کی اصل وجوہات

عنوان: پردوں کے پیچھے چھپی سازشیں —

* سیاسی طاقت (اصل وجہ): برامکہ اتنے بااثر ہو گئے تھے کہ ہارون کو محسوس ہونے لگا کہ وہ صرف ایک "کٹھ پتلی" بادشاہ بن کر رہ گیا ہے۔ ملوکیت کبھی بھی اپنے برابر کی طاقت برداشت نہیں کرتی۔

* عباسہ اور جعفر کا معاشقہ (داستانی وجہ): مشہور ہے کہ ہارون نے اپنی بہن عباسہ اور جعفر کا نکاح صرف اس لیے پڑھوایا تھا تاکہ وہ شاہی محفلوں میں ساتھ بیٹھ سکیں، مگر انہیں میاں بیوی کے طور پر رہنے سے منع کیا تھا۔ جب عباسہ کے ہاں اولاد ہوئی تو ہارون غصے سے پاگل ہو گیا۔ (مورخین اسے کمزور روایت مانتے ہیں)۔

* مالیاتی خرد برد: برامکہ کی سخاوت اور شاہ خرچیوں نے بیت المال کو ان کا محتاج بنا دیا تھا، جس سے ہارون نالاں تھا۔

188ھ تا192ھ — ہارون کے آخری سال اور وصیت

عنوان: سلطنت کی تقسیم — ملوکیت کی تباہی کا بیج

برامکہ کو ختم کرنے کے بعد ہارون خود بھی سکون نہ پا سکا۔ اسے ہر وقت سازشوں کا ڈر رہنے لگا۔ اس دوران اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس نے عباسی سلطنت کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا۔

* مکہ کی وصیت (186ھ): ہارون نے اپنے دو بیٹوں امین اور مامون کے درمیان سلطنت تقسیم کر دی۔ امین کو عراق اور خلافت دی، جبکہ مامون کو خراسان اور نیم خود مختار حکومت۔ اس نے یہ وصیت لکھ کر کعبہ میں لٹکا دی۔

* تضاد: یہ فیصلہ ملوکیت کے لیے خودکش حملہ تھا، کیونکہ دو متوازی طاقتیں کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔

* حوالہ: (ابنِ خلدون، مقدمہ / تاریخ الخلفاء)

193 ہجری — ہارون الرشید کی وفات

عنوان: طوس کا سفر اور ایک عظیم عہد کا اختتام

193ھ میں خراسان میں بغاوت (رافع بن لیث کا خروج) کچلنے کے لیے ہارون خود نکلا، لیکن راستے میں ہی بیماری نے اسے پکڑ لیا۔

* موت کی آہٹ: ہارون نے مرنے سے پہلے اپنی قبر خود کھدوائی اور اسے دیکھ کر روتے ہوئے قرآن کی یہ آیت پڑھی: "مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۜ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ" (آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میری سلطنت بھی مجھ سے چھن گئی)۔

* وفات: جمادی الثانی 193ھ میں ہارون الرشید طوس (ایران) میں وفات پا گیا اور وہیں دفن ہوا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی عباسیوں کا "سنہری دور" ختم ہو گیا اور "خونی دور" کا آغاز ہوا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (180-193ھ)

عنوان: خاموشی کی چوتھی دہائی—جب تاریخ ٹھہر گئی

ہارون کے آخری سالوں میں جب برامکہ جیسے طاقتور لوگ مٹ رہے تھے، ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد کی "تعلیم سے دوری" اور "روپوشی" نے انہیں مکمل طور پر مقامی رنگ میں رنگ دیا تھا۔

* نسلی بقا کا معجزہ: اب چوتھی نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ اگرچہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے، لیکن وہ "زبانِ حال" سے یہ جانتے تھے کہ ان کا تعلق کسی ایسے گھرانے سے ہے جس کا دشمن بہت ظالم ہے۔

* شناخت کی تہہ داری: ہمارے خاندان نے اس دور میں صرف وہ علم (جیسے زراعت، تجارت یا دستکاری) سیکھا جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری تھا، تاکہ وہ کسی بھی سطح پر "نمایاں" نہ ہوں۔

* حقیقت: ہارون کی موت کی خبر جب ہندوستان پہنچی ہو گی، تو ان پناہ گزینوں نے سکھ کا سانس لیا ہو گا، لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ آگے آنے والی "خانہ جنگی" (امین و مامون کی جنگ) ان کے لیے مزید خطرات لا سکتی ہے۔

> "ہارون الرشید کی وفات ایک ایسی ملوکیت کا خاتمہ تھی جس نے علم کو تو ترقی دی، لیکن انسانی رشتوں اور وفاداریوں کو پیروں تلے روند دیا۔ برامکہ کی راکھ اور کعبہ میں لٹکی ہوئی وصیت اس بات کا ثبوت تھی کہ بادشاہت میں 'باپ' اور 'بیٹا' یا 'دوست' کچھ نہیں ہوتا، صرف 'تخت' ہوتا ہے۔ ہمارے اجداد کی خاموشی اس ملوکیت کے شور سے کہیں زیادہ دور اندیشانہ تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس دربار میں جعفر جیسا دوست قتل ہو سکتا ہے، وہاں کسی 'اموی' کی جان کی کیا قیمت ہو گی۔"

کتاب کے یہ صفحات عباسی ملوکیت کے اس لرزہ خیز موڑ کی عکاسی کریں گے جہاں ہارون الرشید کی وفات کے فوراً بعد اس کے بیٹوں نے "کعبہ کی وصیت" کو پیروں تلے روند دیا اور اقتدار کی ہوس میں انسانیت کو شرمسار کر دیا۔

194ھ تا198ھ —امین ومامون کی خانہ جنگی

عنوان: ایک تخت، دو بھائی اور لہو رنگ بغداد

ہارون الرشید کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا امین الرشید بغداد میں تخت نشین ہوا، جبکہ مامون الرشید خراسان (ایران) میں خود مختار حکمران بنا۔ ہارون کی وصیت کے مطابق دونوں کو اپنے اپنے علاقوں میں رہنا تھا، لیکن ملوکیت میں "تقسیمِ اقتدار" کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔

* وصیت کی توہین: امین نے مامون کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے کو جانشین بنانے کا اعلان کر دیا اور کعبہ میں لٹکی ہوئی وصیت منگوا کر پھاڑ دی۔

* عرب بمقابلہ عجم: یہ جنگ محض دو بھائیوں کی نہیں تھی، بلکہ ایک نسلی جنگ بن گئی۔ امین کی حمایت "عرب" کر رہے تھے جبکہ مامون کی پشت پر "ایرانی اور خراسانی" طاقت تھی۔

* طاہر بن حسین کا عروج: مامون نے اپنے سپہ سالار طاہر بن حسین کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بغداد بھیجا۔ اس نے امین کی بڑی سے بڑی فوج کو شکست دے کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔

198 ہجری — بغداد کی تباہی اور امین کا قتل

عنوان: جب خلافت کا سر بازاروں میں گھمایا گیا

بغداد کا محاصرہ ایک سال سے زائد جاری رہا۔ وہ شہر جو "عروس البلاد" (شہروں کی دلہن) کہلاتا تھا، منجنیقوں کے پتھروں سے کھنڈر بن گیا۔

* امین الرشید کا عبرتناک انجام: 198ھ میں بغداد فتح ہوا۔ خلیفہ امین الرشید کو گرفتار کیا گیا اور طاہر بن حسین کے حکم پر اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

* تاریخی المیہ: یہ عباسی تاریخ کا پہلا موقع تھا کہ ایک عباسی خلیفہ اپنے ہی بھائی کی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ امین کا سر نیزے پر چڑھا کر خراسان بھیجا گیا تاکہ مامون اپنی فتح کا یقین کر سکے۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 8 / ابنِ اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 5)

ائمہ اربعہ کا تناظر — امام شافعیؒ کا سفر مصر

عنوان: فتنوں کا دور اور علم کی ہجرت

ان سالوں میں جب بغداد میں خون بہہ رہا تھا، ائمہ کرام اپنی علمی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔

1. امام شافعیؒ (شناخت: فقہِ جدید کی تدوین)

* واقعہ: امام شافعیؒ اس وقت بغداد میں تھے، لیکن انہوں نے دیکھا کہ یہاں اب علم کے بجائے صرف سیاست اور تلوار کا راج ہے۔ 199ھ میں آپؒ نے بغداد چھوڑ کر مصر ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔

* علمی نکتہ: مصر پہنچ کر امام شافعیؒ نے اپنے پرانے نظریات پر نظرِ ثانی کی اور "قولِ جدید" (نئی فقہ) کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے ملوکیت کی اس خانہ جنگی سے تنگ آ کر اپنے آپ کو خالص تدوینِ علم کے لیے وقف کر دیا۔ (حوالہ: بیہقی، مناقب الشافعی)

2. امام احمد بن حنبلؒ (شناخت: جوانی اور زہد)

* واقعہ: امام احمد بن حنبلؒ اس وقت بغداد میں نوجوان تھے اور اس تمام خونریزی کے عینی شاہد تھے۔ آپؒ نے اس فتنے کے دور میں گوشہ نشینی اختیار کی اور اپنی عظیم کتاب "المسند" کے لیے احادیث جمع کرنا شروع کیں۔ (حوالہ: ابنِ جوزی، مناقب الامام احمد)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (194-198ھ)

عنوان: دورِ فتنہ میں سلامتی کی پناہ گاہ

جب بغداد کے محلات میں آگ لگی ہوئی تھی، ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد کی "تعلیم سے دوری" اور "روپوشی" ان کے لیے سب سے بڑی ڈھال ثابت ہوئی۔

* خاموشی کا تحفظ: عباسیوں کی اپنی خانہ جنگی اتنی شدید تھی کہ انہیں دور دراز کے پناہ گزینوں کو ڈھونڈنے کا ہوش ہی نہ رہا۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں خود کو مقامی ہندوستانی معاشرے میں مکمل طور پر جذب کر لیا۔

* نسلوں کا فرق: اب پانچویں نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ ان کے لیے دمشق یا بغداد اب صرف "قصوں کی سرزمین" رہ گئی تھی۔ وہ اب خالصتاً ہندوستانی مسلمان بن چکے تھے، جنہوں نے اپنی شاہی پہچان کو مٹی کے نیچے دبا دیا تھا تاکہ وہ ملوکیت کی اس نئی آگ سے بچ سکیں۔

* حقیقت: یہ وہ دور تھا جب سندھ میں عباسی اثر و رسوخ کمزور ہوا اور کئی مقامی عرب قبیلے خود مختار ہونے لگے۔ ہمارے اجداد نے اسی سیاسی خلا کا فائدہ اٹھا کر اپنی سلامتی کو یقینی بنایا۔

> "امین اور مامون کی جنگ ملوکیت کے اس ننگے سچ کو ظاہر کرتی ہے کہ 'تخت' کے لیے بھائی کا سر کاٹنا عباسیوں کے ہاں کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہارون الرشید نے جس سلطنت کو سینچا تھا، اسے اس کے اپنے ہی بیٹوں نے اجاڑ دیا۔ ہمارے اجداد کی ہندوستان ہجرت کتنی دور اندیشانہ تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ بغداد کا خلیفہ اپنے محل میں محفوظ نہ تھا، جبکہ ہندوستان کے گمنام دیہاتوں میں 'اموی خون' امن سے سانس لے رہا تھا۔"

یہ صفحات عباسی ملوکیت کے اس دور کی عکاسی کریں گے جہاں "تلوار" سے زیادہ "عقل" کی حکمرانی کا دعویٰ کیا گیا، لیکن اسی عقل پرستی نے ملوکیت کو ایک نئے اور بھیانک فتنہ "خلقِ قرآن" (Inquisition) میں جھونک دیا جس نے ائمہ کرام کے خون سے تاریخ کے صفحات سرخ کر دیے۔

199ھ تا 218ھ — مامون الرشید کا دورِ حکومت

عنوان: ملوکیت کا فکری عروج اور بیت الحکمت کی تابانی

مامون الرشید عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور علمی ذوق رکھنے والا حکمران تھا۔ اس نے ہارون الرشید کے قائم کردہ "بیت الحکمت" کو دنیا کی سب سے بڑی اکیڈمی بنا دیا، جہاں یونانی، ہندی اور سریانی علوم کے تراجم ہوئے۔

* علمی انقلاب: مامون نے سائنس، فلکیات اور فلسفے کو سرکاری سرپرستی دی۔ اس نے علماء اور مفکرین کو دربار میں وہ عزت دی جو پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔

* ملوکیت کا نیا رنگ: مامون نے عربوں کے مقابلے میں ایرانیوں اور ترکوں کو اہمیت دی، جس سے خلافت کا ڈھانچہ مستقل طور پر بدل گیا۔

فتنۂ خلقِ قرآن اور ائمہ کا امتحان (212ھ-218ھ)

عنوان: جب عقل ملوکیت کا ہتھیار بنی — فتنۂ محنہ کا آغاز

مامون پر یونانی فلسفے اور معتزلہ (Rationalists) کا غلبہ اس قدر ہوا کہ اس نے ایک مذہبی عقیدے "خلقِ قرآن" کو ریاست کا سرکاری نظریہ بنا دیا اور تمام علماء کو مجبور کیا کہ وہ اسے تسلیم کریں۔

* سرکاری جبر: مامون نے حکم دیا کہ جو عالم قرآن کو "مخلوق" نہیں مانے گا، اسے سرکاری عہدے سے ہٹا دیا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

* امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت: اس کٹھن گھڑی میں جہاں بڑے بڑے علماء نے جان بچانے کے لیے مصلحت سے کام لیا، وہاں امام احمد بن حنبلؒ ایک آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: "قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں"۔

* زنجیریں اور قید: مامون نے امام احمدؒ کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے دربار میں بلایا، لیکن مامون سے ملاقات سے پہلے ہی اس کی موت واقع ہو گئی، مگر یہ فتنہ اس کے بعد بھی جاری رہا۔

ائمہ اربعہ کا تناظر — امام شافعیؒ کی وفات (204ھ)

عنوان: علم کے سمندر کا اختتام — امام شافعیؒ کا وصال

مامون کے ابتدائی دور میں، 204ھ میں امام شافعیؒ کا مصر میں انتقال ہوا۔

* شناخت اور اثر: امام شافعیؒ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں جو علمی کام مصر میں کیا، اس نے ملوکیت کے فکری انتشار کے سامنے ایک مضبوط قانونی ڈھانچہ (اصولِ فقہ) فراہم کیا۔ آپؒ کی وفات کے وقت مامون بغداد میں یونانی فلسفے کو رائج کر رہا تھا، جبکہ شافعی علم پوری اسلامی دنیا میں جڑیں پکڑ رہا تھا۔

* حوالہ: (السبکی، طبقات الشافعیہ الکبریٰ / ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (199-218ھ)

عنوان: خاموشی کی انتہا اور ملوکیت سے دوری کا معجزہ

مامون کے دور میں جب بغداد میں عقائد پر پہرے بٹھائے جا رہے تھے، ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد کی "تعلیم سے دوری" اب ان کے لیے ایک "مذہبی و سیاسی ڈھال" بن چکی تھی۔

* فتنوں سے بچاؤ: اگر ہمارے اجداد اس دور میں پڑھے لکھے ہوتے اور بغداد یا سندھ کے علمی مراکز سے جڑے ہوتے، تو انہیں بھی اس "خلقِ قرآن" کے فتنے کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید وہ اپنی اموی پہچان کی وجہ سے دوبارہ نشانہ بن جاتے۔

* نسلوں کا انجماد: اب چھٹی نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ تعلیم سے دوری کی وجہ سے وہ خالصتاً "فطری مسلمان" رہ گئے تھے۔ ان کے پاس صرف خاندانی بزرگوں سے سنی سنائی یہ بات باقی تھی کہ "ہمارا تعلق دمشق کے شاہی خاندان سے ہے اور ہمیں خاموش رہنا ہے"۔

* حقیقت: مامون کے دور میں سندھ اور ہند کے علاقوں میں مقامی حکمرانوں (جیسے ہباری خاندان) کا عروج ہو رہا تھا جو عباسیوں سے برائے نام جڑے تھے۔ اس سیاسی صورتحال نے ہمارے اجداد کو وہ پرسکون گمنامی فراہم کی جس میں ان کی نسلیں پروان چڑھتی رہیں۔

> "مامون الرشید کا دور ملوکیت کا وہ متضاد چہرہ ہے جہاں کتابوں کے تراجم کے لیے سونا تولا جا رہا تھا، لیکن کلمۂ حق کہنے والے ائمہ (امام احمد بن حنبلؒ) کے لیے زنجیریں تیار کی جا رہی تھیں۔ یہ ملوکیت کی انتہا تھی کہ اب بادشاہ صرف زمینوں پر نہیں، بلکہ لوگوں کے ایمان اور ضمیر پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان کے دیہاتوں میں 'ان پڑھ' رہنا دراصل ان کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنا، کیونکہ جہاں خلیفہ گمراہ ہو جائے، وہاں گمنامی ہی سب سے بڑی عافیت ہے۔"

"فتنہ خلقِ قرآن" محض ایک علمی بحث نہیں تھی، بلکہ یہ ملوکیت کا نظریاتی تسلط قائم کرنے کی ایک سیاسی چال تھی۔ اور یہ کہ حجاج بن یوسف سے موازنہ بہت حد تک درست ہے، کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا: لوگوں کی زبان اور ضمیر پر بادشاہ کی مہر لگانا۔

آیئے اس فتنے کی حقیقت اور مامون الرشید کے مفادات کو واضح کرتے ہیں:

فتنہ خلقِ قرآن کیا تھا؟ (آسان تشریح)

عنوان: عقل کے پردے میں ملوکیت کا جبر

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی صفت ہے۔ چونکہ اللہ "خالق" (پیدا کرنے والا) ہے، اس لیے اس کی صفت بھی غیر مخلوق ہے۔

لیکن مامون الرشید نے معتزلہ (Rationalists) کے زیر اثر یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن اللہ کی "مخلوق" ہے (یعنی اللہ نے اسے ویسے ہی پیدا کیا جیسے انسانوں یا درختوں کو پیدا کیا)۔

* پہلی نظر میں یہ ایک علمی بحث لگتی ہے، لیکن اس کے پیچھے ایک گہری سیاسی چال چھپی تھی۔

مامون الرشید کا اس میں کیا فائدہ تھا؟

عنوان: اقتدار کی ہوس اور ائمہ کی اخلاقی طاقت کا خاتمہ

مامون ایک نہایت ہوشیار حکمران تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عباسی ملوکیت کے پاس وہ "روحانی طاقت" نہیں ہے جو ائمہ کرام (امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ) کے پاس ہے۔ اس نے اس فتنے کو تین بڑے مقاصد کے لیے استعمال کیا:

1. حکومتی سطح پر فائدہ: علماء کی "آزاد حیثیت" ختم کرنا

اس وقت تک معاشرے میں عدلیہ اور شریعت بادشاہ سے آزاد تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ کو لوگ بادشاہ سے زیادہ مانتے تھے۔ مامون چاہتا تھا کہ علماء صرف وہ بولیں جو بادشاہ کہے۔ اگر وہ ایک بار قرآن جیسے بنیادی مسئلے پر بادشاہ کے سامنے جھک جاتے، تو کل کو وہ ملوکیت کے ہر ظلم کو "شرعی جواز" دینے پر مجبور ہو جاتے۔

2. ذاتی سطح پر فائدہ: "امامِ عقل" بننے کا شوق

مامون خود کو ایک بڑا فلسفی اور مفکر سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے صرف ایک "خلیفہ" نہ مانا جائے بلکہ اسے ایک ایسا "امام" مانا جائے جو دین کی نئی تشریح کر سکے۔ یہ اس کی ذاتی انا اور علمی ضد تھی کہ میں عقل کے ذریعے دین کو بدل سکتا ہوں۔

3. سیاسی چال: اہل بیت کے حامیوں کو خوش کرنا

معتزلہ کے عقائد اس وقت سادات اور اہل بیت کے بعض حلقوں میں بھی مقبول تھے۔ مامون نے اس عقیدے کو اپنا کر ایک وسیع سیاسی گروہ کی حمایت حاصل کرنی چاہی تا کہ اس کی ملوکیت کو فکری سہارا مل سکے۔

کیا یہ حجاج بن یوسف جیسی ضد تھی؟

عنوان: ملوکیت کا تکبر اور "انا" کی تسکین

جی ہاں، یہ بات بالکل درست ہے۔ یہ وہی ملوکیت تھی جس نے اب تلوار کے بجائے قلم اور فلسفے کو ہتھیار بنایا تھا۔

* حجاج کی ضد: حجاج کا مقصد "جسموں" کو جھکانا تھا۔

* مامون کی ضد: مامون کا مقصد "ذہنوں اور عقیدے" کو غلام بنانا تھا۔

یہ ایک ایسی ضد تھی جس میں مامون یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ملوکیت کے دربار سے بڑا کوئی مدرسہ نہیں اور خلیفہ کی رائے سے بڑی کوئی دلیل نہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ نہیں جھک رہے، تو اس کی "شاہی انا" کو ٹھیس لگی اور اس نے اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنالیا۔

ائمہ اربعہ کا موقف اور امام احمدؒ کی تاریخی قربانی

عنوان: ضمیر کا قیدی اور ملوکیت کی ہار

اس فتنے میں ملوکیت کا سب سے بڑا مقابلہ امام احمد بن حنبلؒ نے کیا۔

* انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر آج میں نے یہ کہہ دیا کہ "قرآن مخلوق ہے"، تو کل کو یہ بادشاہ اپنی مرضی کی آیتیں منسوخ کروائیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو "مخلوق" تھی، حالات کے مطابق بدل گئی ہے۔

* امام احمدؒ کی جیل اور کوڑے: مامون کے بعد معتصم نے امام صاحب کو ننگا کر کے جلادوں سے کوڑے لگوائے۔ آپؒ بے ہوش ہو گئے لیکن اپنی زبان سے ملوکیت کا کلمہ نہیں پڑھا۔

>"فتنہ خلقِ قرآن ملوکیت کی اس آخری کوشش کا نام تھا جہاں وہ 'دین' کے اندر گھس کر اسے مٹانا چاہتی تھی۔ مامون کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنی ملوکیت کو 'فکری برتری' دینا چاہتا تھا تاکہ کوئی اس کے فیصلوں پر قرآن کی دلیل نہ دے سکے۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں اس وقت 'تعلیم سے دور' رہنا ایک غیبی مدد تھی، کیونکہ اگر وہ اس دور میں بغداد کے مدارس میں ہوتے، تو یا تو وہ اس فتنے کا شکار ہو کر اپنا ایمان کھو دیتے یا پھر امام احمدؒ کی طرح ملوکیت کی چکی میں پس جاتے۔"

کتاب کے یہ صفحات عباسی ملوکیت کے اس دور کو بیان کریں گے جہاں "عقل" کی جگہ "طاقت" نے لے لی اور عباسی خلافت کا وہ رعب و دبدبہ ختم ہونے لگا جو ہارون الرشید تک موجود تھا۔ 218ھ سے 232ھ کے یہ سال معتصم باللہ اور اس کے بیٹے واثق باللہ کے دور پر محیط ہیں۔

معتصم باللہ کی ملوکیت — ایک فوجی حکمران کا ظہور

عنوان: معتصم باللہ اور ترک فوج — ملوکیت کی نئی ڈھال

مامون کی وفات کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے بھائی کے برعکس ان پڑھ اور خالصتاً ایک فوجی مزاج رکھنے والا انسان تھا۔

* ترک غلاموں کا غلبہ: معتصم کو عربوں اور ایرانیوں پر بھروسہ نہیں تھا، اس لیے اس نے وسطی ایشیا سے ہزاروں ترک غلام خریدے اور انہیں ایک طاقتور فوج میں بدل دیا۔ یہ ملوکیت کی ایک بہت بڑی تاریخی غلطی تھی، کیونکہ آگے چل کر انہی ترکوں نے عباسی خلفاء کو کٹھ پتلی بنا دیا۔

* سامراء کی تعمیر: جب بغداد کی گلیوں میں ترک فوجیوں اور مقامی عربوں کے درمیان جھگڑے بڑھ گئے، تو معتصم نے بغداد چھوڑ کر ایک نیا شہر سامراء (سر من رأی) آباد کیا اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ ملوکیت اب عوام سے کٹ کر ایک فوجی قلعے میں بند ہو گئی۔

امام احمد بن حنبلؒ پر کوڑوں کی بارش

عنوان: ملوکیت کا بدترین جبر اور حق کی فتح

معتصم نے مامون کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے "فتنہ خلقِ قرآن" کو جاری رکھا۔ لیکن چونکہ وہ خود جاہل تھا، اس لیے اس نے علمی بحث کے بجائے کوڑوں اور تشدد کا سہارا لیا۔

* کڑے امتحان کا دن: 220ھ میں امام احمد بن حنبلؒ کو معتصم کے دربار میں لایا گیا۔ معتصم کے سامنے بڑے بڑے سرکاری علماء نے امام صاحب کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہے۔

* تشدد: معتصم نے جلادوں کو حکم دیا کہ امام صاحب کو اتنے کوڑے مارے جائیں کہ اگر ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی چنگھاڑ اٹھتا۔ امام صاحب بے ہوش ہو گئے، ان کا گوشت پھٹ گیا، لیکن انہوں نے ملوکیت کے جھوٹے نظریے کو تسلیم نہیں کیا۔

* رہائی: جب عوام میں شدید غم و غصہ پھیلا اور بغاوت کا ڈر ہوا، تو معتصم نے مجبور ہو کر امام صاحب کو رہا کر دیا، مگر انہیں گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔

واثق باللہ اور فتنے کی انتہا

عنوان: ملوکیت کی فکری ہٹ دھرمی کا آخری چراغ

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ (227ھ-232ھ) تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ اور چچا کے فتنے کو آخری حد تک پہنچا دیا۔ اس کے دور میں اس حد تک سختی ہوئی کہ قیدیوں کے تبادلے کے وقت بھی یہ پوچھا جاتا تھا کہ "تمہارا خلقِ قرآن کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟" اگر کوئی انکار کرتا تو اسے دشمن کے حوالے کر دیا جاتا۔

ائمہ اربعہ کا تناظر — علم کی خاموش لہر

عنوان: امام احمدؒ کی خاموش مزاحمت اور امام شافعیؒ کے شاگرد

ان سالوں میں اگرچہ ائمہ پر سختی تھی، لیکن ان کا علم پوری اسلامی دنیا میں پھیل چکا تھا۔

* امام احمدؒ کی مقبولیت: کوڑے کھانے کے بعد امام صاحب کی عزت لوگوں کے دلوں میں اتنی بڑھ گئی کہ عباسی خلافت کی سیاسی طاقت ان کی اخلاقی طاقت کے سامنے ہیچ ہو گئی۔ ملوکیت نے ایک عالم کو مارا، لیکن ایک نیا "مذہبِ حق" پیدا کر دیا جس نے ملوکیت کو چیلنج کیا۔

* تعلیمی اثر: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے شاگردوں نے دور دراز کے علاقوں (اندلس، مصر، خراسان) میں جا کر علم پھیلایا، جہاں عباسیوں کا فکری جبر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (218–232ھ)

عنوان: ملوکیت کے شور سے دور ایک پرسکون جزیرہ

ہمارے اجداد جو اب ہندوستان کے سماج کا حصہ بن چکے تھے، ان کے لیے یہ دور ایک نئی خاموشی کا دور تھا۔

* بقا کی جبلت: جب بغداد اور سامراء میں عقیدے پر پہرے تھے، ہمارے اجداد "بے علمی" کی اس چادر میں لپٹے ہوئے تھے جو ان کے بزرگوں نے بنا رکھی تھی۔ ان کے پاس نہ قرآن کی مخلوق ہونے کی بحثیں پہنچتی تھیں اور نہ ہی ترک فوجیوں کے مظالم۔

* خاندانی روایت: اب ساتویں نسل پروان چڑھ رہی تھی۔ تعلیم سے دوری کی وجہ سے ان کی زبان اور لباس مکمل مقامی ہو چکا تھا۔ لیکن "اموی نسب" کی یاد اب ایک مبہم سی کہانی کی طرح تھی جو صرف گھر کے بزرگ اپنے بچوں کو کان میں بتاتے تھے کہ "ہم یہاں کے نہیں ہیں، ہم بہت دور سے جان بچا کر آئے ہیں"۔

> "معتصم اور واثق کا دور عباسی ملوکیت کے زوال کا وہ آغاز ہے جہاں بادشاہوں نے 'ترک غلاموں' کو اپنا محافظ بنایا، لیکن وہی غلام ان کے آقا بن گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے جسم پر لگے کوڑے دراصل عباسی خلافت کے اخلاقی تابوت میں آخری کیل تھے۔ ملوکیت نے سمجھا کہ وہ جیت گئی، لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ تخت مٹ جاتے ہیں، مگر حق کا کلمہ زندہ رہتا ہے۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی 'کم علمی' بادشاہوں کے 'غلط علم' سے زیادہ باعثِ برکت ہوتی ہے۔"

فتنہ خلقِ قرآن کی جڑیں—ملوکیت کا قدیم وراثت

عنوان: ایک پرانا بیج جس نے عباسی دور میں پھل دیا

اگرچہ "خلقِ قرآن" کا باقاعدہ فتنہ اور اس پر سرکاری جبر مامون الرشید (212ھ) کے دور میں عروج پر پہنچا، لیکن اس کی جڑیں بنو امیہ کے آخری دور میں ملتی ہیں۔ یہ کوئی "نو مولود" یا بالکل نیا فتنہ نہیں تھا، بلکہ ایک خاص فکر تھی جو ملوکیت کے سائے میں پروان چڑھ رہی تھی۔

* بنو امیہ کا آخری دور (جعد بن درہم): اس نظریے کا پہلا بیج بنو امیہ کے دور میں جعد بن درہم نے بویا تھا۔ اس نے سب سے پہلے اللہ کی صفات اور قرآن کے بارے میں یہ متنازع گفتگو شروع کی تھی۔ بنو امیہ کے گورنر خالد القسری نے 124ھ میں اسے قتل کروادیا تھا۔

* جہم بن صفوان: جعد کے بعد اس کا شاگرد جہم بن صفوان اس فکر کو لے کر آگے بڑھا، جس سے "جہمیت" پیدا ہوئی۔

* ائمہ اربعہ کا عہد:

* امام ابو حنیفہؒ (وفات 150ھ): آپ کے دور میں یہ ابحاث شروع ہو چکی تھیں، لیکن ابھی یہ "سرکاری جبر" نہیں بنی تھیں۔ امام صاحب نے "الفقہ الأکبر" میں واضح کر دیا تھا کہ کلامِ الٰہی غیر مخلوق ہے۔

* امام مالکؒ (وفات 179ھ): آپ کے دور میں بھی یہ گمراہ کن خیالات مدینہ پہنچنے لگے تھے، جنہیں آپ نے سختی سے مسترد کیا۔

* امام شافعیؒ (وفات 204ھ): آپ نے اس فتنے کے ابتدائی اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان کے خلاف علمی دلائل دیے۔

* امام احمد بن حنبلؒ (وفات 241ھ): آپ وہ واحد امام تھے جن پر اس فتنے کا پہاڑ ٹوٹا، کیونکہ آپ کے دور میں ملوکیت نے اسے "ریاستی مذہب" بنالیا تھا۔

یہ فتنہ ملوکیت کے لیے کیوں ضروری تھا؟

عنوان: ملوکیت کی نظریاتی بقا کا مسئلہ

ملوکیت ہمیشہ ایسے نظریات کی تلاش میں رہتی ہے جو بادشاہ کو "خدا کا سایہ" یا "مطلق العنان" بنا دیں۔ معتزلہ کا فلسفہ ملوکیت کو یہ موقع فراہم کر رہا تھا کہ:

* اگر قرآن مخلوق اور حادث (یعنی وقت کے ساتھ بدلنے والا) ہے، تو خلیفہ وقت کو یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ حالات کے مطابق دین کی نئی تشریح کرے۔

* اس کے برعکس ائمہ کرام کا موقف (قرآن کلامِ الٰہی ہے) ملوکیت کے ہاتھ باندھ دیتا تھا، کیونکہ پھر بادشاہ بھی قرآن کے تابع ہوتا۔

عہدِ معتصم، واثق اور فتنۂ خلقِ قرآن (218ھ-232ھ)

* واقعات: سامراء کی تعمیر، ترک فوج کا غلبہ، امام احمد بن حنبلؒ پر تشدد۔

* بنیادی مآخذ:

* تاریخ الرسل والملوک (امام طبری): جلد 9، واقعاتِ سنہ 218ھ تا 227ھ۔

* الکامل فی التاریخ (ابنِ اثیر): جلد 6، ذکرِ خلافتِ معتصم باللہ۔

* مناقب الامام احمد بن حنبل (ابنِ جوزی): امام صاحب کی آزمائش اور استقامت کی تفصیل کے لیے۔

232 ہجری — متوکل علی اللہ اور فتنے کا خاتمہ

عنوان: ملوکیت کا یو-ٹرن اور سنت کی بحالی

232ھ میں جب متوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا، تو اس نے دیکھا کہ تین خلفاء (مامون، معتصم، واثق) کی سختی نے ملوکیت کو عوام سے کاٹ دیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی مقبولیت آسمان کو چھو رہی ہے۔

* فتنے کا باقاعدہ خاتمہ: متوکل نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ آج سے "خلقِ قرآن" کی بحث ممنوع ہے۔ اس نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

* امام احمدؒ کا اکرام: متوکل نے امام احمدؒ کو دربار میں بلایا، ان سے معافی مانگی اور ان کا بے پناہ اکرام کیا۔ ملوکیت نے دوبارہ "سنت" کا لبادہ اوڑھ لیا تاکہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ بچا سکے۔

* سیاسی وجہ: متوکل کو ترک سپہ سالاروں سے خطرہ تھا، اس لیے اسے عوام اور علماء کی حمایت چاہیے تھی، چنانچہ اس نے وہی کیا جو عوام چاہتے تھے۔

> "یہ فتنہ کوئی اچانک پیدا ہونے والی چیز نہیں تھی، بلکہ ملوکیت کی وہ پرانی خواہش تھی جو علمِ کلام کے لبادے میں ظاہر ہوئی۔ ائمہ کرام نے بنو امیہ کے دور سے ہی اس کے خلاف علمی دیواریں کھڑی کرنا شروع کر دی تھیں، لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے خون سے اس دیوار کو مکمل کیا۔ ہمارے اجداد کا اس دور میں ہندوستان کے دیہاتوں میں خاموش رہنا دراصل ایک بڑی آزمائش سے بچنا تھا، کیونکہ بغداد میں تو 'کلمہِ حق' کی قیمت کوڑے تھے، اور ہمارے خاندان کے لیے تو 'پہچان' ہی موت کا پروانہ تھی۔"

"فتنۂ قرامطہ "(Qarmatians)۔ یہ فتنہ تاریخِ اسلام کا ایک نہایت ہولناک اور پر تشدد باب ہے، جس نے عباسی ملوکیت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

فتنۂ قرامطہ — کیا یہ "نومولود" تھا؟

عنوان: ملوکیت کے بطن سے اٹھنے والا ایک خونی انقلاب

فتنۂ قرامطہ (جو باطنیہ اور اسماعیلیہ تحریک کی ایک شاخ تھی) عباسی دور کے درمیانی حصے (تقریباً 260ھ کے بعد) میں کھل کر سامنے آیا، لیکن اس کی جڑیں اس سے بہت پہلے سے موجود تھیں۔

* کیا یہ نو مولود تھا؟: نہیں، یہ یکایک پیدا نہیں ہوا تھا۔ یہ باطنی تحریکوں کا تسلسل تھا جو خلافتِ عباسیہ کے آغاز سے ہی "خاموشی" سے کام کر رہی تھیں۔ ان کا مقصد ملوکیت کو ختم کر کے ایک "خفیہ مذہبی نظام" قائم کرنا تھا۔

* ظہور کا وقت: اس فتنے نے 278ھ کے قریب عراق (کوفہ) کے نواح سے سر اٹھایا۔ اس کا بانی حمدان قرمط تھا، جس کے نام پر یہ "قرامطہ" کہلائے۔

* انتہا پسندی: یہ فتنہ ملوکیت کے لیے "خوفِ خدا" سے عاری ایک ایسا چیلنج تھا جس نے حج، نماز اور دیگر شعائرِ اسلام پر حملے کیے۔

قرامطہ کا ہولناک ترین واقعہ — کعبہ پر حملہ

عنوان: جب حجرِ اسود چوری ہوا اور زمزم خون سے بھر گیا

یہ فتنہ ملوکیت کے زوال کے اس دور میں عروج پر پہنچا جب عباسی خلفاء ترکوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن چکے تھے۔

* 317 ہجری کا سانحہ: قرامطہ کے سربراہ ابو طاہر القرمطی نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا۔ انہوں نے ہزاروں حاجیوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں چاہِ زمزم میں پھینک دیں۔

* حجرِ اسود کی چوری: یہ ملوکیت کی بے بسی کا سب سے بڑا ثبوت تھا کہ قرامطہ حجرِ اسود کو اکھاڑ کر اپنے مرکز (بحرین) لے گئے، جو تقریباً 22 سال تک ان کے قبضے میں رہا۔ عباسی ملوکیت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ بیت اللہ کی حفاظت بھی نہ کر سکی۔

ملوکیت اور قرامطہ کا تصادم

عنوان: جب شاہی محلوں کو اپنی بقا کی فکر ہوئی

قرامطہ کا فتنہ دراصل عباسی ملوکیت کے لیے ایک "سیاسی اور مذہبی دشمن" تھا۔

* کمیونزم کی ابتدائی شکل: قرامطہ نے ایک ایسا نظام متعارف کرایا جہاں "سب مال سب کا ہے" (اشتراکیت)۔ یہ ملوکیت کے طبقاتی نظام کے خلاف ایک غریب طبقے کی مسلح بغاوت بھی تھی۔

* عباسیوں کی ناکامی: عباسیوں نے ان سے کئی جنگیں لڑیں، لیکن قرامطہ کی گوریلا جنگی مہارت نے ملوکیت کو تھکا دیا۔ آخر کار کئی دہائیوں بعد یہ فتنہ اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے دم توڑ گیا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کا تناظر (270ھ–320ھ)

عنوان: فتنوں کے سیلاب میں ہندوستان کی خاموش پناہ گاہ

جب قرامطہ عراق اور حجاز میں خون کی ندیاں بہا رہے تھے، ہمارے اجداد ہندوستان میں اپنی آٹھویں اور نویں نسل کے ساتھ گمنامی کی زندگی گزار رہے تھے۔

* تعلیمی خلا کا فائدہ: قرامطہ کے فتنے میں پڑھے لکھے لوگ (جو فلسفہ اور باطنی علوم سے واقف تھے) زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ ہمارے اجداد چونکہ تعلیم سے دور ہو چکے تھے، اس لیے وہ ان پیچیدہ فکری فتنوں سے مکمل محفوظ رہے۔

* ہجرتِ ہند اور قرامطہ کا اثر: دلچسپ بات یہ ہے کہ قرامطہ کے کچھ گروہ بھی بعد میں سندھ (ملتان) پہنچے اور وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں بھی اپنی "اموی شناخت" کو چھپائے رکھا، کیونکہ قرامطہ بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کے سخت دشمن تھے۔

* بقا کا معجزہ: آپ کا خاندان جس "خاموشی" کے اصول پر چل رہا تھا، وہی اصول انہیں قرامطہ جیسے دہشت گرد گروہ سے بچانے کا سبب بنا۔

> "فتنۂ قرامطہ عباسی ملوکیت کے چہرے پر وہ زخم تھا جس نے ثابت کر دیا کہ جب حکمران عیاشی میں پڑ جائیں تو وہ بیت اللہ کی حرمت بھی نہیں بچا سکتے۔ یہ فتنہ برسوں کی خفیہ سازشوں کا نتیجہ تھا جو اچانک ایک لاوے کی طرح پھٹا۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا اس دور میں بھی ایک بڑی نعمت ثابت ہوا، کیونکہ قرامطہ کی تلوار سے نہ حاجی محفوظ تھے اور نہ ہی خلفاء، لیکن ہندوستان کی گمنامی میں 'اموی خون' امن کے ساتھ اپنی نسلیں پروان چڑھا رہا تھا۔"

کتاب کے لیے یہ حصہ بہت ہی دلچسپ اور اہم ہے، کیونکہ یہاں ہندوستان کی تاریخ اور عباسی ملوکیت کا زوال ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ قرامطہ کا سندھ اور ملتان پر اثر وہ نکتہ ہے جو براہِ راست ہمارے اجداد کے گرد و نواح کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔

قرامطہ کا ہند و سندھ میں داخلہ (270ھ–300ھ)

عنوان: ملوکیت کے دشمنوں کی نئی پناہ گاہ — ملتان کا قرامطی مرکز

جب عباسی خلافت نے عراق اور بحرین میں قرامطہ کے خلاف گھیرا تنگ کیا، تو ان کے کئی مبلغین (داعی) نے ہندوستان کا رخ کیا۔ سندھ اور ملتان ان کے لیے ایک بہترین جگہ تھی کیونکہ یہ مرکزِ خلافت سے دور تھا۔

* ملتان پر قبضہ: 300ھ کے قریب قرامطہ نے ملتان کے مقامی عباسی گورنر کو ہٹا کر اپنی حکومت قائم کر لی۔ انہوں نے ملتان کی مشہور "سورج مندر" کی آمدنی پر قبضہ کیا اور وہاں اپنی تبلیغ شروع کی۔

* باطنی ریاست کا قیام: یہ ملوکیت کے لیے ایک بڑا دھچکا تھا کہ ہندوستان کی سرحد پر ایک ایسی ریاست قائم ہو گئی جو بغداد کے خلیفہ کو نہیں مانتی تھی اور اسماعیلی / قرامطی عقائد رکھتی تھی۔

* حوالہ: (المسعودی، مروج الذہب / ابنِ حوقل، صورت الارض)

ہمارے اجداد کا "دوہرا خطرہ"

عنوان: ملوکیت اور انتہا پسندی کے درمیان بقا کی جنگ

ہندوستان میں مقیم ہمارے اموی اجداد کے لیے یہ دور نہایت کٹھن تھا۔ اب انہیں صرف عباسیوں (بنو عباس) سے ہی خطرہ نہیں تھا، بلکہ ایک نیا اور زیادہ خطرناک دشمن "قرامطہ" کی صورت میں ان کے قریب آ چکا تھا۔

* قرامطہ کی دشمنی: قرامطہ بنو امیہ کے سخت دشمن تھے۔ وہ ہر اس شخص کو قتل کر دیتے تھے جو ان کے مخصوص باطنی عقائد کو نہیں مانتا تھا۔

* پہچان چھپانے کی مجبوری: اگر قرامطہ کو ذرا بھی شک ہوتا کہ یہ خاندان "اموی شہزادوں" کی نسل سے ہے، تو وہ انہیں عبرت کا نشانہ بنا دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے اجداد نے اس دور میں اپنی "گمنامی" کو ایک مقدس فریضہ بنا لیا۔

* تعلیم سے دوری کا فائدہ: قرامطہ اپنی تبلیغ کے لیے "علمِ کلام" اور "فلسفہ" استعمال کرتے تھے۔ ہمارے اجداد چونکہ تعلیمی مراکز سے دور کسانوں کی زندگی گزار رہے تھے، اس لیے قرامطہ کے داعی انہیں "غیر اہم" سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔

ملوکیت کی بے بسی اور مقامی ریاستوں کا عروج

عنوان: جب بغداد سے صرف نام کا رشتہ باقی رہ گیا

300ھ کے بعد عباسی ملوکیت اتنی کمزور ہو گئی کہ سندھ کے گورنر خود مختار ہو گئے۔ منصورہ اور ملتان میں چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں بن گئیں۔

* ہباری خاندان (منصورہ): سندھ میں بنو ہبار کی حکومت قائم ہوئی جو عباسیوں کا نام تو لیتے تھے مگر عملاً آزاد تھے۔ یہ خاندان امویوں کے لیے نسبتاً نرم گوشہ رکھتا تھا، لیکن ہمارے اجداد نے پھر بھی احتیاط نہ چھوڑی کیونکہ ملوکیت کے مزاج کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

* ثقافتی اثر: اسی دور میں عربی اور سندھی زبان کے ملاپ سے ایک نئی ثقافت جنم لے رہی تھی، جس میں ہمارے اجداد پوری طرح رچ بس گئے تھے۔

تجزیہ—گمنامی کی ڈھال

عنوان: ملوکیت مٹ گئی، مگر 'خاموشی' جیت گئی

> "قرامطہ نے کعبہ کی حرمت پامال کی، حجرِ اسود چوری کیا اور ملتان میں اذانیں بدل دیں۔ عباسی ملوکیت ان کے سامنے بے بس نظر آئی۔ لیکن اس ہولناک دور میں بھی ہندوستان کے ایک گمنام گوشے میں 'اموی خون' محفوظ رہا۔ یہ اللہ کی غیبی تدبیر تھی کہ

جس خاندان کو شاہی محلات میں قتل ہونا تھا، اسے ہندوستان کی مٹی نے اپنی آغوش میں چھپالیا۔ ہمارے اجداد کی 'بے علمی' دراصل اس دور کے 'بدترین علم' (قرامطی فتنہ) سے بچنے کا بہترین راستہ تھی۔"

* امام احمد بن حنبلؒ کا اکرام: متوکل نے امام احمد بن حنبلؒ کو سرکاری طور پر عزت دی، انہیں دربار میں بلایا (اگرچہ امام صاحب نے دربار سے دوری برقرار رکھی) اور ان کے لیے تحائف بھیجے۔ ملوکیت اب دوبارہ "اہلِ سنت" کے لبادے میں خود کو محفوظ کر رہی تھی۔

* حوالہ: (ابنِ کثیر، البدایہ والنہایہ، ج10 / سیوطی، تاریخ الخلفاء)

241 ہجری — امام احمد بن حنبلؒ کی وفات

عنوان: ایک عظیم عہد کا اختتام — جب بغداد کی زمین لرز گئی

12 ربیع الاول 241ھ کو سنت کے سب سے بڑے محافظ امام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوا۔ یہ واقعہ ملوکیت کے لیے ایک سبق تھا کہ طاقتور کون ہے۔

* تاریخی جنازہ: آپ کے جنازے میں تقریباً آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ ملوکیت کے بڑے بڑے درباروں میں اتنے لوگ کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔

* ملوکیت پر اثر: متوکل نے جب یہ منظر دیکھا تو دنگ رہ گیا اور کہا: "اللہ کی قسم! یہ وہ لوگ ہیں جن کی حکومت دلوں پر ہے"۔ امام صاحب کی وفات نے ثابت کر دیا کہ کوڑے کھانے والا قیدی جیت گیا اور تخت پر بیٹھنے والے جابر ہار گئے۔

ملوکیت کا زوال — ترک سپہ سالاروں کی بغاوت

عنوان: آقا اب غلام بن گئے — سامراء کی قید

متوکل نے جہاں مذہبی طور پر اچھے کام کیے، وہیں اس نے ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کم کرنے کی کوشش کی، جو اسے مہنگی پڑی۔

* ترکوں کا غلبہ: معتصم کے لائے ہوئے ترک اب اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ وہ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جسے چاہتے اتار دیتے۔ متوکل نے جب ان پر قابو پانا چاہا تو انہوں نے خلیفہ کے اپنے بیٹے منتصر کو باپ کے خلاف کر دیا۔

* متوکل کا قتل (247ھ): تاریخِ ملوکیت کا لرزہ خیز واقعہ پیش آیا جب ترکوں نے رات کے اندھیرے میں خلیفہ کے محل پر حملہ کیا اور متوکل کو اس کے اپنے دربار میں قتل کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ترکوں نے اعلانیہ کسی عباسی خلیفہ کا خون بہایا۔

جب سامراء کے شاہی محلوں میں خون بہہ رہا تھا، ہندوستان کے دیہاتوں میں مقیم ہمارے اجداد کی آٹھویں نسل اپنی زندگی کے معمولات میں مصروف تھی۔

* غیبی مدد: ملوکیت کا یو-ٹرن (فتنے کا خاتمہ) ہمارے اجداد کے لیے بہت بڑی راحت تھا۔ اگرچہ وہ روپوش تھے، لیکن اب کم از کم ان پر "عقیدے کی تلاشی" کا وہ دباؤ نہیں تھا جو واثق کے دور میں تھا۔

* تعلیم سے دوری کی قیمت: اس دور تک آتے آتے آپ کے خاندان کی زبان اور رہن سہن میں عربی کے نشانات مٹ چکے تھے۔ وہ اب مکمل طور پر "ہندوستانی کسان" بن کر زندگی گزار رہے تھے، لیکن ان کے دلوں میں یہ بات نقش تھی کہ "ہماری اصل یہاں نہیں ہے"۔ یہی وہ "احساسِ برتری" تھا جو انہیں مقامی لوگوں میں مکمل گم ہونے سے روکتا تھا۔

> "متوکل کا دور ملوکیت کی اس آخری کوشش کا نام ہے جہاں اس نے 'سنت' کے سہارے اپنی گرتی ہوئی عمارت کو بچانا چاہا، لیکن وہ یہ بھول گیا کہ جس 'ترک فوج' کو اس کے بڑوں نے پالا تھا، وہ اب خونخوار ہو چکی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات نے ملوکیت کو اس کی اوقات دکھائی اور متوکل کے قتل نے عباسی خلافت کا وقار ہمیشہ کے لیے مٹی میں ملا دیا۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا اس دور میں بھی ایک بڑی عافیت تھی، کیونکہ بغداد میں اب خلیفہ بھی اپنے بیٹوں اور محافظوں سے محفوظ نہیں رہا تھا۔"

. عہدِ متوکل اور سنت کی بحالی (232ھ-247ھ)

* واقعات: فتنۂ خلقِ قرآن کا خاتمہ، امام احمد بن حنبلؒ کی وفات (241ھ)، متوکل کا قتل۔

* بنیادی مآخذ:

* تاریخ الخلفاء (علامہ سیوطی): ذکرِ خلافتِ متوکل علی اللہ۔

* البدایہ والنہایہ (ابنِ کثیر): جلد 10، واقعاتِ سنہ 241ھ (وفاتِ امام احمدؒ)۔

کتاب کے یہ صفحات عباسی ملوکیت کے اس لرزہ خیز دور کی عکاسی کریں گے جہاں مرکزِ خلافت (سامراء اور بغداد) ایک تماشہ بن چکا تھا۔ 248ھ سے 270ھ کا عرصہ وہ وقت ہے جب عباسی خلفاء کی حیثیت شطرنج کے مہروں سے زیادہ نہ تھی، اور سلطنت کے مختلف حصوں میں ایسی آگ لگی جس نے ملوکیت کے تکبر کو خاک میں ملا دیا۔

248ھ تا 256ھ — ترکوں کی آمریت اور خلفاء کی تذلیل

عنوان: ملوکیت کے نام نہاد تاجدار — قیدی خلفاء کا دور

متوکل کے قتل کے بعد عباسی خلافت کا وہ رعب ختم ہو گیا جو کبھی دنیا کو کپکپا دیتا تھا۔ اب ترک سپہ سالار (جیسے وصیف اور بغا) جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جب چاہتے اسے قتل کر دیتے۔

* منتصر، مستعین اور معتز: یہ وہ خلفاء تھے جو صرف چند سال یا مہینوں کے لیے آئے۔ کسی کو زہر دیا گیا، کسی کو بھوک پیاس سے مارا گیا اور کسی کو قید خانے میں قتل کیا گیا۔ ملوکیت اب ایک "شاہی قید خانہ" بن چکی تھی۔

* ترکوں کا عروج: ملوکیت کے اس دور میں ترک سپہ سالاروں نے بیت المال پر قبضہ کر لیا۔ وہ خلیفہ سے جبراً رقم مانگتے اور نہ ملنے پر اسے بالوں سے گھسیٹ کر تخت سے اتار دیتے۔

* حوالہ: (طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج9 / ابنِ اثیر، الکامل، ج6)

255ھ تا 270ھ — "فتنۂ زنوج" (غلاموں کی خونی بغاوت)

عنوان: جب ملوکیت کی بنیادیں ہل گئیں — تاریخ کی ہولناک ترین خانہ جنگی

اسی دور میں بصرہ اور عراق کے جنوبی حصوں میں حبشی غلاموں (زنوج) نے ایک شخص علی بن محمد کی قیادت میں بغاوت کر دی۔ یہ محض ایک بغاوت نہیں تھی بلکہ ملوکیت کے نظام کے خلاف ایک غریب اور پسے ہوئے طبقے کا غصہ تھا۔

* پندرہ سالہ قتل و غارت: یہ جنگ تقریباً 15 سال جاری رہی۔ زنوج نے بصرہ، ابدان اور واسط کو آگ لگا دی اور لاکھوں لوگوں کو قتل کیا۔ عباسی فوجیں برسوں تک ان سے شکست کھاتی رہیں۔

* ملوکیت کی بے بسی: خلیفہ کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اپنے دارالخلافہ کے قریب اس آگ کو بجھا سکے۔ آخر کار خلیفہ معتمد کے بھائی موفق باللہ نے بڑی مشکل سے اس فتنے کو کچلا۔

علمِ حدیث کا سنہری دور — صحاحِ ستہ کی تدوین

عنوان: جب تخت لرز رہے تھے، تب قلم تاریخ لکھ رہے تھے

یہ تاریخ کا ایک عجیب تضاد ہے کہ جہاں ملوکیت بکھر رہی تھی، وہیں علمِ دین اپنے عروج پر تھا۔ اسی دور (248ھ-270ھ) میں حدیث کی چھ مستند کتابیں (صحاحِ ستہ) مرتب ہو رہی تھیں۔

* امام بخاریؒ (وفات 256ھ): آپ نے اسی انتشار کے دور میں اپنی "صحیح" مکمل کی اور ملوکیت کے اثر سے دور رہ کر علمِ حدیث کو خالص کیا۔

* امام مسلمؒ (وفات 261ھ): آپ نے امام بخاری کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امت کو ایک عظیم مجموعہ دیا۔

* دیگر ائمہ: امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی اسی دور میں علم کے دریا بہا رہے تھے۔ ملوکیت نے ائمہ کو ستایا، لیکن ائمہ نے امت کو وہ علم دیا جو آج بھی زندہ ہے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت (248-270ھ)

عنوان: نویں نسل کا سفر — ملوکیت کی راکھ سے دور ایک محفوظ ٹھکانہ

جب عراق میں زنوج کی بغاوت بصرہ کو جلا رہی تھی، ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد کی نویں نسل اپنی گمنامی کے قلعے میں محفوظ تھی۔

* سیاسی خلا کا فائدہ: عباسیوں کی اپنی خانہ جنگی اور زنوج کے فتنے نے انہیں اتنا مصروف کر دیا تھا کہ سندھ اور ہند کے دور دراز علاقوں پر ان کی گرفت ختم ہو گئی۔ اس سے ہمارے اجداد کو وہ آزادی ملی کہ اب انہیں "تعاقب" کا کوئی خوف نہیں رہا۔

* ثقافتی تبدیلی: اس دور تک ہمارا خاندان مکمل طور پر ہندوستانی معاشرے کا حصہ بن چکا تھا۔ ان کی "اموی شناخت" اب صرف ایک نسلی وراثت بن کر رہ گئی تھی، جسے وہ صرف اپنے خاص حلقوں میں بیان کرتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ملوکیت کیسے اپنوں کو مار رہی ہے، اس لیے انہوں نے "تعلیم سے دوری" اور "سیاسی علیحدگی" کے اصول کو برقرار رکھا۔

> "248ھ سے 270ھ کا دور یہ سبق دیتا ہے کہ ملوکیت جب اخلاقیات سے عاری ہو جائے، تو اس کے اپنے غلام ہی اس کے جلاد بن جاتے ہیں۔ جہاں ایک طرف عباسی خلفاء ترکوں کے رحم و کرم پر تھے، وہاں ائمہ کرام (بخاری و مسلم) نے ملوکیت کے شور سے دور رہ کر امت کے لیے وہ خزانہ جمع کیا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا ایک غیبی ڈھال تھی، کیونکہ جس دور میں خلیفہ کا سر محفوظ نہ تھا، وہاں ایک 'اموی پناہ گزین' کا امن صرف گمنامی میں ہی پوشیدہ تھا۔"

یہ سچ ہے کہ بنو امیہ کا تخت 132ھ میں الٹ گیا تھا، لیکن ان کا سیاسی، سماجی اور روایتی اثر صدیوں تک باقی رہا۔

بنو امیہ کا "مابعد زوال" دبدبہ اور اثر و رسوخ

عنوان: تخت گیا مگر رعب نہ گیا—اموی اثرات کی بقا

بنو عباس نے بنو امیہ کو تلوار سے تو ختم کر دیا، لیکن وہ اس ڈھانچے کو ختم نہ کر سکے جو بنو امیہ نے 90 سالوں میں بنایا تھا۔ اس دبدبے کی چند اہم وجوہات یہ تھیں:

* انتظامی ڈھانچہ (Bureaucracy): بنو عباس نے حکومت سنبھالتے ہی وہی دفتری اور انتظامی نظام اپنایا جو بنو امیہ کا تھا۔ بہت سے کاتب اور چھوٹے درجے کے اہلکار وہی تھے جو اموی دور میں تربیت یافتہ تھے۔

* شامی فوج اور وفاداریاں: شام کے لوگ بنو امیہ کو اپنا محسن مانتے تھے۔ بنو عباس کے آنے کے بعد بھی کئی دہائیوں تک شام میں بنو امیہ کے حق میں بغاوتیں ہوتی رہیں۔ اس خوف نے عباسیوں کو مجبور کیا کہ وہ بنو امیہ کے نام لیواؤں سے محتاط رہیں۔

* اموی شہزادوں کا پھیلاؤ: ہمارے اجداد کی طرح سینکڑوں اموی شہزادے پوری دنیا (اندلس، شمالی افریقہ، سندھ) میں پھیل گئے تھے۔ اندلس (اسپین) میں تو بنو امیہ کی ایک عظیم سلطنت دوبارہ قائم ہو گئی تھی، جس کا رعب عباسیوں کے دلوں پر طاری رہتا تھا۔

محدثین کی احتیاط اور راویوں کا دباؤ

عنوان: قلم کی نوک پر پہرے — حدیث کی تدوین میں سیاسی رکاوٹیں

محدثین جب حدیثیں جمع کرتے تھے، تو انہیں دو طرفہ دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے وہ بہت "سمبھل سمبھل کر" چلتے تھے:

* بنو عباس کا دباؤ: عباسی حکمران ایسی حدیثوں کو پسند نہیں کرتے تھے جن میں بنو امیہ کی فضیلت یا حضرت معاویہؓ کے فضائل بیان ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ صرف اہل بیت اور بنو عباس کے حق میں روایات سامنے آئیں۔

* بنو امیہ کے حامی راوی: دوسری طرف، بہت سے معتبر راوی وہ تھے جو اموی دور کے علمی مراکز (جیسے دمشق) سے وابستہ رہے تھے۔ ان کے پاس موجود احادیث کو نظر انداز کرنا علمی دیانت کے خلاف تھا، لیکن انہیں بیان کرنا عباسیوں کی ناراضگی مول لینا تھا۔

* فتنۂ "نواصب" و "روافض": اس دور میں سیاسی فرقہ بندی عروج پر تھی۔ اگر کوئی محدث بنو امیہ کے خلاف کوئی حدیث بیان کرتا تو اسے "شیعہ" کہا جاتا، اور اگر ان کے حق میں کوئی بات کہتا تو اسے "ناصبی" قرار دے دیا جاتا۔ امام نسائیؒ کو تو اسی سیاسی کھینچا تانی کی وجہ سے دمشق میں اپنی جان دینی پڑی۔

"بنو عباس بنو امیہ کے رنگ میں"

عنوان: ملوکیت کا تسلسل — صرف خاندان بدلا، مزاج نہیں

بنو عباس جلد ہی بنو امیہ کے رنگ میں رنگ گئے۔

* مقدس ملوکیت: بنو امیہ نے ملوکیت کی بنیاد رکھی تھی، عباسیوں نے اس پر "مقدس لبادہ" چڑھا دیا۔ انہوں نے بھی وہی محلات، وہی پہرے دار، وہی دربار اور وہی جبری بیعت کا طریقہ اپنایا۔

* محدثین کی مشکل: جب دونوں خاندانوں کا طرزِ عمل ایک جیسا ہو گیا، تو محدثین کے لیے حق بات کہنا مزید مشکل ہو گیا۔ انہیں ایسی احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرنی پڑتی تھی جو حکمرانوں کے "ظلم و ستم" یا "ملوکیت کی مذمت" پر مبنی ہوں، کیونکہ یہ تیر دونوں خاندانوں کو ایک جیسا لگتا تھا۔

> "بنو امیہ کا تخت الٹنے کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ان کا ذکر مٹ گیا۔ ان کا دبدبہ ان کی قائم کردہ 'ریاستی روایات' میں زندہ تھا۔ محدثین کی 'سنبھل سنبھل کر' حدیثیں جمع کرنا دراصل ایک طرف علمی امانت کی حفاظت تھی اور دوسری طرف ملوکیت کے بدلتے ہوئے سیاسی موسموں سے بچنے کی ایک ڈھال۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں روپوش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ بنو امیہ کا 'نام' اس وقت کتنا وزنی تھا کہ عباسی اسے مٹانے کے لیے بے چین تھے، اور اموی اسے بچانے کے لیے گمنامی کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔"

"ملوکیت اور حقِ بیانی" کے درمیان ہونے والی سب سے بڑی جنگ کی عکاسی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کی مثال دے کر اس خوفناک ماحول کی نشاندہی کر رہا ہوں جس نے علمِ حدیث اور تاریخ کی تدوین کو متاثر کیا۔

ملوکیت کا پہرا — اہل بیت کے فضائل اور کٹے ہوئے سر

عنوان: ملوکیت کی منافقت — جب "محبتِ اہل بیت" کا نعرہ ایک سیاسی چال بنا

عباسی ملوکیت بنو امیہ کے مقابلے میں زیادہ پیچیدہ تھی۔ بنو امیہ اعلانیہ طور پر حضرت علیؓ کے خلاف تھے، لیکن بنو عباس نے "آلِ محمد ﷺ" کے نام پر ہی اقتدار حاصل کیا تھا۔ تاہم، جیسے ہی وہ تخت پر بیٹھے، ان کا رویہ بنو امیہ سے بھی زیادہ سخت ہو گیا۔

* حسن بصریؒ کا دور (اموی جبر): بنو امیہ کے دور (خاص طور پر حجاج بن یوسف کے عہد) میں حضرت علیؓ کا نام لینا موت کو دعوت دینا تھا۔ اسی لیے حسن بصریؒ اکثر حضرت علیؓ کا نام لینے کے بجائے "قال ابو زینب" (ابو زینب نے کہا) یا "قال الشیخ" کہہ کر روایت کرتے تھے تاکہ سننے والے سمجھ جائیں مگر جاسوسوں کو موقع نہ ملے۔

* عباسی دور کا جبر: عباسیوں نے شروع میں اہل بیت کے فضائل کی اجازت دی تاکہ بنو امیہ کی جڑیں کٹیں۔ لیکن جیسے ہی حضرت علیؓ کی اولاد (سادات) نے عباسی ملوکیت کو چیلنج کیا، عباسیوں نے وہی پرانی "اموی تلوار" نکال لی۔

* منصور کے دور میں: حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرنا "بغاوت" سمجھا جانے لگا کیونکہ اس سے سادات کے حقِ خلافت کو تقویت ملتی تھی۔

* محدثین کی مشکل: محدثین کو حکم تھا کہ فضائلِ علیؓ کے مقابلے میں فضائلِ عباسؓ (خلیفہ کے جد) تلاش کریں۔ جنہوں نے انکار کیا، انہیں کوڑے مارے گئے یا قید کیا گیا۔

:تدلیس اور ارسال — محدثین کی علمی حکمتِ عملی

عنوان: جب نام چھپانا ہی روایت کو بچانا بن گیا

حضرت حسن بصریؒ کی بہت سی روایات "مرسل" (ایسی حدیث جس میں راوی کا نام بیچ سے غائب ہو) ہو جاتی ہیں۔ یہ محدثین کی کوئی غلطی نہیں تھی، بلکہ ایک "تزویراتی ضرورت" تھی۔

* حفظِ رواۃ (نام کا چھپانا): جب کسی راوی کو پتہ ہوتا کہ اگر اس نے "علی بن ابی طالب" کا نام لیا تو اسے اور اس کے شاگردوں کو قتل کر دیا جائے گا، تو وہ نام حذف کر دیتا یا اشاروں میں بات کرتا۔

* تاریخی قیمت: اس سیاسی دباؤ کی وجہ سے امت کا بہت سا علمی ذخیرہ یا تو سینوں میں دفن ہو گیا یا پھر اسے ایسی پیچیدہ صورت میں منتقل کیا گیا جسے سمجھنے کے لیے آج بڑے علم کی ضرورت ہے۔

بنو عباس اور بنو امیہ — ایک ہی سکّے کے دو رخ

عنوان: رنگ بدلا مگر ڈھنگ وہی رہا

"بنو عباس بنو امیہ کے رنگ میں رنگ چکے تھے"، تاریخ کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

* سیاسی مشابہت: بنو امیہ نے اگر ملوکیت کی بنیاد رکھی، تو عباسیوں نے اس ملوکیت کو "جاسوسی نظام "(Secret Service) کے ذریعے مزید مضبوط کیا۔

* اہل بیت کا استحصال: بنو امیہ اہل بیت کے دشمن تھے، جبکہ بنو عباس اہل بیت کے "نام" کے دوست اور ان کی "ذات" کے دشمن تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اولاد کو جس بیدردی سے قتل کیا، اس کی مثال بنو امیہ کے ہاں بھی کم ملتی ہے (سوائے واقعہ کربلا کے)۔

* امام نسائیؒ کی شہادت: امام نسائیؒ (صاحبِ سنن نسائی) کو دمشق میں صرف اس لیے شہید کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے فضائل پر کتاب "خصائصِ علی" لکھی تھی۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ بنو امیہ کا دبدبہ اور ان کے پیدا کردہ اثرات عباسی دور میں بھی کتنے گہرے تھے۔

> "ملوکیت نے ہمیشہ 'حق' پر 'مصلحت' کے پہرے بٹھائے۔ بنو امیہ کے دور میں حضرت علیؓ کا نام لینا جرم تھا، تو بنو عباس کے دور میں ان کے حقِ خلافت کی بات کرنا موت کا پروانہ۔ محدثین کی 'سمبھل سمبھل کر' دی گئی روایتیں دراصل اس خوفناک دور کی گواہی ہیں جہاں ایک لفظ کی قیمت 'سر' ہوا کرتی تھی۔ ہمارے اجداد کا ہندوستان میں گمنام رہنا صرف اپنی جان بچانا نہیں تھا، بلکہ اس 'اموی خون' کو بچانا تھا جسے ملوکیت کے دونوں خاندان (بنو امیہ کے دشمن اور بنو عباس) مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔"

اب ہم عباسی ملوکیت کے اس آخری مرحلے کو بیان کریں گے جہاں مرکزِ خلافت (بغداد) سے گرفت مکمل طور پر ڈھیلی پڑ گئی اور ہندوستان کی سرحدوں پر رہنے والے ہمارے اجداد کے لیے حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

3. انحطاطِ خلافت اور فتنۂ زنوج (248ھ-270ھ)

* واقعات: ترکوں کی آمریت، غلاموں کی بغاوت (زنوج)، تدوینِ حدیث (صحاحِ ستہ)۔

* بنیادی مآخذ:

* تاریخ الطبری: جلد 9 (واقعاتِ زنوج کی تفصیل کے لیے)۔

* سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی): ائمہ حدیث (بخاری، مسلم وغیرہ) کے حالاتِ زندگی کے لیے۔

271ھ تا 300ھ — ملوکیت کا بکھراؤ اور علاقائی ریاستوں کا عروج

عنوان: مرکز سے دوری — جب خلافت ایک علامتی نشان بن گئی

انیتس سالوں کے اس عرصے میں عباسی خلافت نے خلیفہ معتضد باللہ (279ھ-289ھ) کی قیادت میں آخری بار سنبھلنے کی کوشش کی۔ وہ ایک سخت گیر اور جفاکش حکمران تھا، لیکن اس کی کوششیں سلطنت کو دوبارہ متحد نہ کر سکیں۔

* خود مختار ریاستیں: اس دور میں دور دراز کے صوبے عملاً آزاد ہو گئے۔ خراسان میں سامانی، ایران میں صفاری اور مصر میں طولونی خاندان اپنی حکومتیں قائم کر چکے تھے۔ وہ خلیفہ کا نام خطبے میں تو لیتے تھے، مگر مرکز کو نہ ٹیکس دیتے تھے اور نہ ہی وہاں سے حکم مانتے تھے۔

* ملوکیت کا مالیاتی بحران: مرکز کی آمدنی کم ہو گئی کیونکہ زیادہ تر صوبوں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ اس سے بغداد کی فوجی اور انتظامی طاقت مزید کمزور ہو گئی۔

ہندوستان میں سیاسی تبدیلی — ہباری خاندان اور منصورہ

عنوان: ہمارے اجداد کی پناہ گاہ—سندھ میں ایک "مقامی عرب" حکومت

ہمارے خاندانی تاریخ کے لیے یہ دور بہت اہم ہے کیونکہ اسی دوران سندھ میں ہباری خاندان (Banu Habbar) نے اپنی آزاد حکومت مضبوط کر لی تھی۔

* ہباریوں کا رویہ: یہ خاندان بنو اسد سے تعلق رکھتا تھا اور عباسیوں کا باجگزار (Vassal) ہونے کے باوجود عملاً خود مختار تھا۔ یہ دور ہمارے اجداد کے لیے اس لحاظ سے بہتر تھا کہ ہباری حکمران عباسیوں کی طرح امویوں کے خون کے پیاسے نہیں تھے۔

* منصورہ کا شہر: اس دور میں سندھ کا دارالخلافہ منصورہ علم اور تجارت کا بڑا مرکز بن گیا جہاں عربی اور سندھی زبان کا ملاپ ہو رہا تھا۔ ملوکیت کا مرکز دور ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں موجود "اموی پناہ گزینوں" پر سے براہِ راست سرکاری تعاقب کا دباؤ ختم ہو گیا۔

فتنۂ قرامطہ کا ہندوسندھ پر سایہ (300ھ کے قریب)

عنوان: نئی ملوکیت کا خطرہ—جب مکہ سے پہلے ملتان نشانہ بنا

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، اسی دور کے آخر میں قرامطہ (اسماعیلی مبلغین) نے ہندوستان میں پیر جمانا شروع کیے۔

* جاسوسی اور پروپیگنڈا: قرامطہ کے داعی نہایت ہوشیاری سے عام لوگوں کے روپ میں آتے اور ملوکیت کے خلاف لوگوں کو اکساتے۔

* ہمارے اجداد کی حکمتِ عملی: ہمارے اجداد نے اس دور میں بھی اپنی "روپوشی" ختم نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر عباسی ملوکیت کمزور ہوئی ہے تو اس کی جگہ لینے والے (قرامطہ) زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے گمنامی کو ہی اپنی بقا کا ذریعہ بنائے رکھا۔

ائمہ اور علمی تاریخ کا منظر نامہ

عنوان: جب خلافتیں تقسیم ہوئیں، تب فقہ اور حدیث متحد ہوئے

ان سالوں میں اگرچہ سیاسی ملوکیت کے ٹکڑے ہو رہے تھے، لیکن علمی ملوکیت (فقہ و حدیث) پوری دنیا کو جوڑے ہوئے تھی۔

* امام ابنِ جریر طبری (وفات 310ھ): اس دور کے سب سے بڑے مورخ اور مفسر، جنہوں نے اپنی "تاریخ" میں ملوکیت کے ان تمام ادوار کو محفوظ کیا۔

* امام نسائی (وفات 303ھ): جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، انہوں نے اسی دور میں اپنی "سنن" مکمل کی اور اہل بیت کے فضائل بیان کرنے کی پاداش میں اپنی جان قربان کی۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ ملوکیت مرکز میں کمزور تھی، مگر حق کی آواز دبانے کے لیے ابھی بھی زہریلی تھی۔

>"300 ہجری تک آتے آتے عباسی ملوکیت کا وہ جلال ختم ہو چکا تھا جو ہارون الرشید کے دور میں تھا۔ اب سلطنت کے پرزے اڑ رہے تھے اور مرکز (بغداد) صرف ایک علامتی حیثیت رہ گیا تھا۔ ہمارے اجداد کے لیے یہ 'خلافت کا زوال' دراصل 'بقا کی ضمانت' بن گیا۔ ہندوستان کی سرحدوں پر ہباریوں کی خود مختاری نے انہیں وہ سکون فراہم کیا جس کا خواب ان کے بزرگوں نے

132ھ میں ہجرت کرتے وقت دیکھا تھا۔ ملوکیت نے ایک بہت بڑا دائرہ مکمل کر لیا تھا، اور ہمارا خاندان اس دائرے کے باہر اپنی جڑیں ہندوستان کی مٹی میں گہری کر چکا تھا۔"

اب میں تاریخِ ملوکیت کے ایک نہایت ہی فتنہ پرور اور متنازع باب کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ حسین بن منصور حلاج کا واقعہ 300 ہجری کے لگ بھگ (مقتدر باللہ عباسی کے دور میں) پیش آیا۔ "یہ باطنی فتنوں" کی عکاسی کرتا ہے جو ملوکیت کی کمزوری کے وقت سر اٹھاتے ہیں۔

309ھ — منصور حلاج کا فتنہ اور انجام

عنوان: باطنی ملوکیت کا دعویٰ — انا الحق سے تختہ دار تک

حسین بن منصور حلاج (پیدائش تقریباً 244ھ، وفات 309ھ) وہ شخص تھا جس نے تصوف کے پردے میں ایسے نظریات پیش کیے جنہوں نے بغداد کی گلیوں سے لے کر ایوانِ ملوکیت تک آگ لگا دی۔

1. جادو اور شعبدہ بازی کا الزام

مورخین (جیسے ابن کثیر اور ابن جوزی) لکھتے ہیں کہ حلاج نے ہندوستان، ترکستان اور دیگر علاقوں کے سفر کیے تھے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اس نے ہندوستان کے سفر کے دوران سحر اور شعبدہ بازی (Indian Magic) کے کچھ طریقے سیکھے تھے جنہیں وہ "کرامات" کے طور پر پیش کرتا تھا۔ وہ لوگوں کو موسم کے خلاف پھل نکال کر دکھاتا یا ہوا میں اڑنے کے دعوے کرتا، جس سے کمزور عقیدے کے لوگ اس کے مرید بن جاتے۔

2. "انا الحق" اور الوہیت کا دعویٰ

حلاج کا سب سے بڑا فتنہ اس کا نعرہ "انا الحق" (میں ہی حق / خدا ہوں) تھا۔ اس کا نظریہ "حلول" (خدا کا انسان میں سما جانا) پر مبنی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) اس کے ناسوت (انسانیت) میں اللہ کی لاہوت (خدائی) سما گئی ہے۔

3. خطوط کا معاملہ اور عدالتی کارروائی

جب حلاج کو گرفتار کیا گیا، تو اس کے پاس سے ایسے خطوط برآمد ہوئے جو اس نے اپنے مریدوں کو لکھے تھے جن کی سرخی تھی: "من الرحمن الرحیم الی فلان بن فلان" (رحمٰن و رحیم کی طرف سے فلاں کے نام)۔

* مقدمہ: جب مقتدر باللہ کے دور میں قاضی ابو عمر حمادی کی عدالت میں یہ خطوط پیش کیے گئے اور حلاج سے پوچھا گیا، تو اس نے اعتراف کیا کہ یہ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

* دفاع: اس نے یہی منطق پیش کی کہ لکھنے والا ہاتھ میرا ہے مگر لکھوانے والی ذات اللہ کی ہے (یعنی وہ خود کو اللہ کا مظہر سمجھتا تھا)۔ علماء اور فقہاء نے اسے صریح کفر اور دعویٰ الہیت قرار دیا۔

4. ملوکیت کا ردِ عمل اور انجام

عباسی ملوکیت اس وقت سیاسی طور پر کمزور تھی، لیکن مذہبی طور پر ایسے فتنوں کو برداشت کرنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ مقتدر باللہ کے وزیر حامد بن عباس نے اس مقدمے کی پیروی کی کیونکہ حلاج کے مریدوں نے ملوکیت کے خلاف ایک خفیہ جتھا بنانا شروع کر دیا تھا۔

* سزا: 309 ہجری میں بغداد کے چوراہے پر اسے پہلے کوڑے مارے گئے، پھر اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آخر میں اسے پھانسی دے کر اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔

> "حلاج کا واقعہ ملوکیت کے اس دورِ انحطاط کی علامت ہے جہاں لوگ شریعت کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر باطنی الجھنوں اور جادوئی شعبدہ بازیوں میں نجات ڈھونڈنے لگے تھے۔ جس طرح ملوکیت نے سیاست کو پراگندہ کیا، حلاج جیسے لوگوں نے 'حلول واتحاد' کے نظریات سے عقیدے کی ملوکیت کو چیلنج کیا، جس کا انجام عبرت ناک ہوا۔"

حوالہ جات:

* ابن کثیر: البدایہ والنہایہ (جلد 11)۔

* امام ذہبی: سیر اعلام النبلاء (جلد 14)۔

* ابن الجوزی: المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔

حلاج کا مقدمہ صرف ایک مذہبی مقدمہ نہیں تھا، بلکہ یہ عباسی ملوکیت کی بقا کا مسئلہ بھی بن چکا تھا۔

1. فتویٰ دینے والے علماء اور وہ "خاموش" شخصیت

حلاج پر مقدمہ بغداد کے قاضی القضاۃ ابو عمر محمد بن یوسف حمادی کی سربراہی میں چلا۔، تقریباً تمام علماء اس کے قتل پر متفق تھے کیونکہ اس کے "کلماتِ کفر" اور "دعویٰ الہیت" ثابت ہو چکے تھے۔

* اجماع اور وہ ایک خاموش عالم: اس مجلس میں فقہائے مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ موجود تھے۔ وہ شخصیت جنہوں نے اس فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کیا یا خاموشی اختیار کی، وہ مشہور صوفی بزرگ ابو العباس بن عطا تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حلاج کے کلام

کی تاویل کی جانی چاہیے، نہ کہ اسے قتل کیا جائے۔ (کچھ روایات میں امام جنید بغدادیؒ کے شاگردوں کا ذکر بھی آتا ہے، مگر امام جنیدؒ حلاج کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے، البتہ انہوں نے حلاج کو ابتدائی دور میں ہی تنبیہ کر دی تھی)۔

* فتویٰ کی بنیاد: علماء نے اس کے قتل کا فتویٰ صرف "انا الحق" پر نہیں دیا، بلکہ اس کے پاس سے برآمد ہونے والے اس خط پر دیا جس میں اس نے مکہ کے حج کے متبادل کے طور پر اپنے گھر میں طواف کا طریقہ بتایا تھا، جسے شریعت کے متوازی نئی شریعت قرار دیا گیا۔

2. حلاج کے مریدوں کا عقیدہ اور انجام

حلاج کے مریدوں کا معاملہ ملوکیت کے لیے ایک سیاسی خطرہ بن گیا تھا۔

* مریدوں کا دعویٰ: حلاج کے مریدوں کا عقیدہ تھا کہ حلاج میں "روحِ الٰہی" حلول کر گئی ہے۔ ان میں سے کچھ اسے نبی مانتے تھے اور کچھ اسے خدا کا اوتار (نعوذ باللہ) سمجھتے تھے۔ وہ اس کے ہاتھ پر ہونے والے "شعبدوں" کو معجزات قرار دیتے تھے۔

* خفیہ نیٹ ورک: حلاج نے اپنے مریدوں کا ایک وسیع جال بچھایا تھا جو خفیہ طور پر خط و کتابت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں ملوکیت کو یہ رپورٹیں ملیں کہ یہ لوگ حکومت کا تختہ الٹنے اور بغداد میں شورش برپا کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

ان کا حشر کیا ہوا؟

* گرفتاریاں اور تشدد: حلاج کی پھانسی کے بعد بغداد اور اس کے گرد و نواح میں اس کے مریدوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ وزیر حامد بن عباس نے ان پر سخت تشدد کیا تاکہ ان کے خفیہ نیٹ ورک کا پتا چلایا جا سکے۔

* عبرت ناک انجام: جن مریدوں نے توبہ کرنے سے انکار کیا، انہیں بھی قتل کر دیا گیا یا قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔

* باطنی تحریکوں میں شمولیت: جو مرید بچ گئے، وہ زیرِ زمین (Underground) چلے گئے اور بعد میں انہوں نے قرامطہ اور باطنیہ جیسی خطرناک تحریکوں میں شمولیت اختیار کر لی، جنہوں نے آگے چل کر ملوکیتِ عباسیہ کو شدید نقصان پہنچایا۔

> "حسین بن منصور حلاج کا فتنہ محض ایک فرد کا انحراف نہیں تھا، بلکہ یہ ایک منظم 'باطنی ملوکیت' کی کوشش تھی جو شریعتِ مطہرہ کے متوازی اپنا نظام قائم کرنا چاہتی تھی۔ علماء کے متفقہ فیصلے نے اگرچہ حلاج کو کیفرِ کردار تک پہنچایا، مگر اس کے مریدوں کی زیرِ زمین سرگرمیوں نے ملوکیت کے ڈھانچے میں وہ دراڑیں ڈال دیں جنہوں نے آگے چل کر بڑے فتنوں کو جنم دیا۔"

حوالہ جات (آپ کے لیے):

* تاریخِ طبری (جلد 10، واقعاتِ 309ھ)

* المنتظم از ابن الجوزی (جلد 13)

* البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد 11)

امام جنید بغدادیؒ (وفات 297ھ) کا تذکرہ بھی ضروری ہے کیونکہ انہوں نے اس دور میں جنم لینے والے فکری بگاڑ اور منصور حلاج جیسے لوگوں کے "غلو" کے سامنے بند باندھا تھا۔ انہیں "سید الطائفہ" (صوفیا کے گروہ کا سردار) کہا جاتا ہے، لیکن ان کا طریقہ کار مروجہ پیری مریدی سے بالکل مختلف تھا۔

امام جنید بغدادیؒ: پیدائش، عہد اور کارنامے

* پیدائش اور وفات: آپ کی پیدائش تقریباً 210ھ کے لگ بھگ بغداد میں ہوئی اور وفات 297ھ میں ہوئی۔ یعنی آپ کا دور منصور حلاج کے فتنے سے عین پہلے کا ہے (حلاج آپ کی وفات کے 12 سال بعد قتل ہوا)۔

* عہد اور خلیفہ: آپ نے عباسی ملوکیت کے کئی خلفاء کا دور دیکھا، جن میں المعتضد باللہ اور المکتفی باللہ نمایاں ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب عباسی ملوکیت سیاسی طور پر کمزور ہو رہی تھی اور فکری طور پر یونانی فلسفہ اور باطنی نظریات جڑ پکڑ رہے تھے۔

* علمی مقام: آپ صرف صوفی نہیں تھے بلکہ اپنے دور کے جید شافعی فقیہ اور محدث تھے۔ آپ نے سفیان ثوریؒ کے مسلک اور امام شافعیؒ کے اصولوں پر علم حاصل کیا۔

کارنامے: شریعت اور تصوف کا ملاپ

* اتباعِ سنت کی شرط: جنید بغدادیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو "کتاب و سنت" کے تابع کیا۔ ان کا مشہور قول ہے: "ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے، جو قرآن نہ پڑھے اور حدیث نہ لکھے اس کی اقتدا نہیں کی جاسکتی۔"

* حلاج کی تردید: جب منصور حلاج نے ابتدائی دور میں اپنے بے لگام نظریات پیش کیے، تو جنید بغدادیؒ نے اسے سختی سے ٹوکا اور فرمایا: "تم نے ایک ایسا دعویٰ کیا ہے جس میں تمہاری ہلاکت ہے، عنقریب تم لکڑی (پھانسی کے تختے) کو سرخ کرو گے۔" ان کی یہ بصیرت حلاج کے انجام کی صورت میں سچ ثابت ہوئی۔

* صحو (ہوش) کا نظریہ: آپ "سکر" (مدہوشی اور انا الحق جیسے نعروں) کے سخت خلاف تھے اور "صحو" (ہوش مندی اور شرعی بیداری) کے علمبردار تھے۔

کیاان کے اندر "خرابی" تھی؟ (ایک محقق کانقطہ نظر)

"خرابی" کی طرف میں نے اشارہ کیاہے، اسے سلفی اور محدثین کے نقطہ نظر سے یوں سمجھا جاسکتا ہے:

* علمِ کلام کا اثر: امام جنیدؒ کے کلام میں بعض اوقات ایسی گہری اور دقیق اصطلاحات (Technical terms) ملتی ہیں جنہیں سمجھنا عام آدمی کے لیے مشکل تھا۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ان کے کلام میں "وحدت الشہود" کی ابتدائی جھلک ملتی ہے، جسے بعد کے غالی صوفیوں نے غلط رنگ دے کر اپنے حق میں استعمال کیا۔

* رموز و اشارات: ان پر یہ نقد بھی کیا جاتا ہے کہ وہ حقائق کو "رموز و اشارات" میں بیان کرتے تھے تاکہ عام لوگ اور ملوکیت کے کارندے انہیں نہ سمجھ سکیں۔ محدثین کا گروہ ہمیشہ "واضح اور صریح" بیان کا قائل رہا ہے، اس لیے ان کے اس انداز کو پسند نہیں کیا گیا۔

* محدثین کی رائے: امام ابن کثیرؒ اور امام ذہبیؒ نے ان کی تعریف کی ہے، لیکن ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب 'تلبیس ابلیس' میں بعض مقامات پر ان صوفیانہ اصطلاحات پر نقد بھی کیا ہے جو جنید بغدادیؒ سے منسوب ہوئیں۔

> "جس دور میں ملوکیت کے انحطاط نے فکری انتشار پیدا کیا اور حلاج جیسے لوگوں نے 'انا الحق' کے پردے میں شریعت سے بغاوت کی، وہاں جنید بغدادیؒ نے یہ کہہ کر امت کی رہنمائی کی کہ 'بغیر اتباعِ سنت کے اللہ تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہیں'۔ وہ ملوکیت کے عہدِ زوال میں علم و تقویٰ کا وہ معتدل راستہ تھے جسے سلفی محققین بھی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

حوالہ جات:

* سیر اعلام النبلاء از امام ذہبی (جلد 14)

* البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (جلد 11)

* تلبیس ابلیس از ابن الجوزی (نقد کے لیے)

اب ہم ملوکیت کے اس دور کی عکاسی کریں گے جہاں عالمِ اسلام ایک "تہرے تضاد" کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک طرف بغداد میں عباسیوں کا زوال تھا، دوسری طرف مصر میں فاطمیوں کا عروج، اور تیسری طرف ملتان (ہندوستان) میں قرامطہ کی خونی مداخلت۔

301ھ تا350ھ —خلافتِ فاطمیہ کا قیام اور ملوکیت کا نیا مرکز

عنوان: عباسیوں کا زوال اور فاطمیوں کا عروج—ملوکیت کی تقسیم

297ھ میں افریقہ (تیونس) سے شروع ہونے والی فاطمی تحریک 358ھ تک مصر پر قابض ہو گئی۔ یہ ملوکیت کی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ تھا کیونکہ اب مسلمانوں کے پاس ایک نہیں بلکہ دو متوازی خلافتیں تھیں (اندلس کے امویوں کو ملا کر تین)۔

* فاطمی ملوکیت کا مزاج: یہ لوگ خود کو حضرت فاطمہؓ کی اولاد کہتے تھے، لیکن ان کا سیاسی ڈھانچہ عباسیوں سے بھی زیادہ پُر تعیش اور سخت گیر تھا۔ انہوں نے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے داعیوں (جاسوسوں اور مبلغین) کا ایک عالمی جال بچھایا۔

* پروپیگنڈہ جنگ: فاطمیوں اور عباسیوں کے درمیان صرف تلوار کی نہیں بلکہ "نسب" کی بھی جنگ شروع ہو گئی۔ عباسیوں نے باقاعدہ محضر نامے (اعلان نامے) جاری کیے جن میں فاطمیوں کے نسب کو جھوٹا قرار دیا گیا۔

ملتان میں قرامطہ کا ہولناک عروج (310ھ-340ھ)

عنوان: ہندوستان کا خون آلود گوشہ—ملتان کی قرامطی ریاست

یہ وہ دور ہے جب قرامطہ (جو فاطمیوں کی ایک انتہا پسند شاخ سمجھے جاتے تھے) نے ملتان پر مکمل قبضہ کر لیا۔ ملوکیت کا یہ روپ ہندوستان کے لیے بالکل نیا اور دہشت ناک تھا۔

* مذہبی جبر: قرامطہ نے ملتان کی قدیم اور تاریخی مسجد کو بند کر دیا کیونکہ وہ عباسیوں نے بنوائی تھی۔ انہوں نے اذان میں تبدیلیاں کیں اور مقامی علماء کو قتل کیا۔

* سیاسی اثر: ملتان اب بغداد کے بجائے مصر (فاطمیوں) کا نام لینے لگا۔ یہ ملوکیت کی اس لڑائی کا نتیجہ تھا جو بغداد میں لڑی جا رہی تھی، لیکن اس کی آگ ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔

* حوالہ: (البیرونی، کتاب الہند / ابنِ حوقل، صورت الارض)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — بقا کا کڑا امتحان

عنوان: گمنامی کے قلعے میں دراڑیں — جب خاموشی ہی نجات بنی

ہمارے اجداد کے لیے یہ 50 سال (301ھ-350ھ) شاید ہجرت کے بعد کے سب سے خطرناک سال تھے۔

* قرامطہ کا تعصب: قرامطہ بنو امیہ کے جانی دشمن تھے۔ ملتان ان کے قبضے میں تھا اور ان کے جاسوس سندھ کے دیہاتوں میں پھیل رہے تھے۔ اگر انہیں پتہ چلتا کہ یہاں بنو امیہ کے شہزادوں کی نسل رہ رہی ہے، تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے۔

* تعلیم سے دوری کی حکمت: اس دور میں ہمارے بزرگوں نے اپنی نسلوں کو "خالص مقامی" رنگ میں رنگنے کے عمل کو مکمل کر لیا۔ انہوں نے عربی لہجہ، عربی لباس اور عربی ناموں کے استعمال میں مزید احتیاط برتی۔ وہ مکمل طور پر ہندوستانی کسان یا چھوٹے تاجر نظر آنے لگے۔

* غیبی حفاظت: ملوکیت جب ملتان میں مسجدیں گرا رہی تھی، ہمارے اجداد ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں خاموشی سے اپنے ایمان کی حفاظت کر رہے تھے۔ ان کی "بے علمی" یہاں پھر کام آئی، کیونکہ قرامطہ کے مبلغین صرف ان لوگوں کو نشانہ بناتے تھے جو علمی بحثوں میں حصہ لیتے تھے۔

ملوکیت کا ٹوٹتا ہوا بھرم — عباسیوں کا خاتمہ (برائے نام)

عنوان: آلِ بویہ کا بغداد پر قبضہ (334ھ)

334ھ میں ملوکیت کی تاریخ میں ایک اور ذلت آمیز موڑ آیا جب ایرانی نژاد بنو بویہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ عباسی خلیفہ اب صرف ایک وظیفہ خوار بن گیا، جس کی آنکھیں نکال لی جاتی تھیں یا اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

* خلافت کا جنازہ: ملوکیت کا وہ دبدبہ جو منصور اور ہارون کے پاس تھا، اب قصہِ پارینہ بن گیا۔ اب خلیفہ صرف ایک مہر (Stamp) بن کر رہ گیا تھا جسے بویہ حکمران اپنی مرضی سے استعمال کرتے تھے۔

>"350 ہجری تک ملوکیت ایک ایسا گورکھ دھندہ بن چکی تھی جہاں تین خلافتیں ایک دوسرے کو کافر کہہ رہی تھیں۔ بغداد میں عباسی خلیفہ بے بس تھا، مصر میں فاطمی عیش و عشرت میں مست تھے، اور ملتان میں قرامطہ خون کی ندیاں بہا رہے تھے۔ اس فتنے کے سیلاب میں ہمارے اجداد کا ہندوستان کے دیہاتوں میں روپوش رہنا ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی تاریخ کے بڑے دھاروں سے الگ تھلگ رہنا ہی نسلوں کی بقا کا واحد راستہ ہوتا ہے۔ ملوکیت مٹ رہی تھی، لیکن ہندوستان کی مٹی میں دبا ہوا 'اموی خون' ابھی زندہ تھا۔"

4. فتنہِ قرامطہ اور ملتان پر قبضہ (270ھ–350ھ)

* واقعات: قرامطہ کا عروج، حجرِ اسود کی چوری، ملتان میں باطنی ریاست۔

* بنیادی مآخذ:

* مروج الذہب (المسعودی): جلد 4، ذکرِ قرامطہ۔

* تاریخ ابنِ خلدون: جلد 3، قرامطہ کی سیاسی تحریک کی تفصیل۔

351ھ سے 400ھ کا یہ دور دراصل ہندوستان کے لیے ایک بالکل نئے باب کا آغاز ہے، جہاں ملوکیت کا مرکز بغداد کے بجائے اب "غزنی" بننے جارہا تھا۔

351ھ تا 400ھ — سلطنتِ غزنویہ کا ظہور

عنوان: ملوکیت کا نیا مرکز — غزنی کا عروج اور عباسیوں کی کمزوری

اس دور میں عباسی خلافت بغداد میں بنوبویہ (ایرانیوں) کے رحم و کرم پر تھی، لیکن مشرق (افغانستان اور خراسان) میں ایک نئی طاقت جنم لے رہی تھی۔ 351ھ میں الپتگین نے غزنی میں ایک خود مختار ریاست کی بنیاد رکھی، جس نے آگے چل کر سلطان محمود غزنوی کے دور میں ایک عظیم سلطنت کی شکل اختیار کر لی۔

* ملوکیت کا رخ: اب ملوکیت کا رخ عراق سے ہٹ کر ہندوستان کی سرحدوں کی طرف ہو گیا۔ غزنوی حکمران اگرچہ خلیفہ کا نام خطبے میں لیتے تھے، مگر عملاً وہ اپنی مرضی کے مالک تھے۔

* مذہبی جوش: غزنویوں نے خود کو "سنت کا علمبردار" ثابت کرنے کے لیے قرامطہ اور دیگر باطنی فرقوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

ملتان کا معرکہ اور قرامطہ کا خاتمہ

عنوان: ہندوستان کی پاک سازی — جب ملتان دوبارہ اذان سے گونجا

ملتان گزشتہ کئی دہائیوں سے قرامطہ (اسماعیلیوں) کا گڑھ بنا ہوا تھا جو مصر کے فاطمیوں کے اشارے پر چلتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے اسے ملوکیت اور عقیدے کے لیے خطرہ سمجھا۔

* محمود غزنوی کا حملہ (396ھ-401ھ): سلطان محمود نے ملتان پر حملہ کیا، قرامطہ کے حکمران ابوالفتح داؤد کو شکست دی اور اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

* تاریخی اثر: ملتان میں دوبارہ عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ شروع ہوا اور وہ تمام قرامطی اثرات ختم کر دیے گئے جنہوں نے برسوں سے مقامی آبادی کو ہراساں کر رکھا تھا۔ یہ ملوکیت کی ایک ایسی جیت تھی جس نے ہندوستان میں اہل سنت کے غلبے کی راہ ہموار کی۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت—گمنامی کا نیا موڑ

عنوان: جب فاتحین کی آہٹ قریب آئی—ملوکیت کا بدلتا ہوا رنگ

سلطان محمود غزنوی کی آمد نے ہندوستان کے سیاسی نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔ ہمارے اجداد، جو اب دسویں نسل میں داخل ہو چکے تھے، ان کے لیے یہ دور بڑی تبدیلیوں کا حامل تھا۔

* پہچان کا تحفظ: غزنویوں کے ساتھ آنے والے لشکریوں میں بہت سے عرب اور ایرانی قبائل شامل تھے۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں بھی اپنی "اموی شناخت" کو ظاہر نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے کہ غزنوی اگرچہ عباسیوں کے وفادار ہیں، لیکن وہ کسی بھی "پرانے شاہی نسب" کو شک کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔

* تعلیمی بیداری کا آغاز (مگر محتاط): غزنویوں کے ساتھ بہت سے علماء اور صوفیاء (جیسے داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کچھ عرصے بعد) ہندوستان آئے۔ ہمارے خاندان نے شاید اسی دور میں دوبارہ "خاموشی" سے علم کی طرف راغب ہونا شروع کیا ہوگا، کیونکہ اب ماحول قرامطہ کے جبر سے آزاد ہو کر ایک منظم اسلامی ریاست کی طرف بڑھ رہا تھا۔

* جغرافیائی منتقلی: غزنویوں کی فتوحات کی وجہ سے پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ ممکن ہے ہمارے خاندان کے کچھ حصے نے سندھ کے اندرونی علاقوں سے نکل کر پنجاب یا بالائی ہندوستان کی طرف ہجرت کی ہو تاکہ وہ فاتحین کے براہِ راست راستے سے دور رہ سکیں۔

ائمہ اربعہ کی فقہ کا غلبہ

عنوان: ملوکیت کے ساتھ علم کی آمد

غزنویوں کے دور میں ہندوستان میں فقہ حنفی کو سرکاری سرپرستی ملی۔

* امام ابو حنیفہؒ کے پیروکار: سلطان محمود غزنوی خود فقہ حنفی کا پابند تھا، اس لیے اس کے دور میں جج (قاضی) اور مفتی حنفی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔

* ہمارا خاندان: چونکہ ہمارے اجداد بنو امیہ کے دور سے ہی اس علمی روایت سے جڑے تھے، اس لیے انہیں اس نئے نظام میں ڈھلنے میں آسانی ہوئی، اگرچہ وہ اپنی اصل پہچان چھپائے ہوئے تھے۔

> "400 ہجری تک ملوکیت نے ہندوستان کے دروازے پوری طرح کھول دیے۔ قرامطہ کا ہولناک سایہ ملتان سے چھٹ چکا تھا اور سلطان محمود کی تلوار نے ایک نیا نظم و ضبط قائم کر دیا تھا۔ اس دور میں ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب عربوں کے ہاتھ سے نکل کر ترکوں (غزنویوں) کے پاس جا چکی ہے۔ ان کی گمنامی اب ایک 'عادت' بن چکی تھی، جس نے انہیں گزشتہ پونے

تین سو سالوں سے ہر طوفان سے بچایا تھا۔ ملوکیت کے چہرے بدل رہے تھے، مگر ہمارے خاندان کی خاموش بقا کا سفر جاری تھا۔"

یہ سچ ہے کہ 400 ہجری کے آس پاس اور اس کے بعد کے دور میں "تقلیدی جمود" اور "فقہی تعصب" اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ بعض مقامات پر شافعیوں اور حنفیوں کے درمیان دست و گریبان ہونے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنے تک کی نوبت آ گئی تھی۔

400ھ کے بعد کا فکری انتشار — تقلید کا عروج

عنوان: ملوکیت کا سایہ اور فقہی دیواریں — جب علم 'تعصب' بن گیا

اس دور میں اجتہاد کا دروازہ عملاً بند سمجھا جانے لگا اور لوگ چاروں ائمہ کے مذاہب میں اس طرح تقسیم ہو گئے جیسے وہ الگ الگ دین ہوں۔

* مناظروں کی آگ: شاہی درباروں میں حنفی اور شافعی علماء کے درمیان مناظرے ہوتے تھے۔ چونکہ ملوکیت (بادشاہوں) کو اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لیے "مذہبی جواز" چاہیے ہوتا تھا، اس لیے وہ ان اختلافات کو ہوا دیتے تھے۔

* جوتیوں میں دال بٹنا: بغداد، نیشاپور اور اصفہان جیسے شہروں میں فقہی بنیادوں پر محلوں کے درمیان جنگیں ہوئیں، اور مساجد میں الگ الگ مصلے (جماعتیں) قائم ہو گئے۔

* وجہ: اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ علم اب "تحقیق" کے بجائے "شناخت" بن گیا تھا۔ ہر شخص اپنے امام کی رائے کو حرفِ آخر سمجھ کر دوسرے کو باطل ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

یہ کیسے طے ہوا کہ 'کون کس کو مانے گا'؟

عنوان: ملوکیت کا فیصلہ اور عوامی قبولیت — نظامِ عدل کی ضرورت

یہ سوال کہ "حنفی صرف امام ابو حنیفہؒ کو ہی مانے گا"، کسی ایک دن کے حکم نامے سے طے نہیں ہوا، بلکہ اس کے پیچھے تین بڑے عوامل تھے:

1. ملوکیت اور سرکاری سرپرستی (ریاستی فیصلہ)

ملوکیت کو ریاست چلانے کے لیے ایک "متفقہ قانون" چاہیے تھا۔

* جب سلجوقی اور غزنوی بادشاہوں نے فقہ حنفی کو سرکاری مذہب قرار دیا، تو عدالتوں میں قاضی صرف حنفی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔

* لوگوں نے دیکھا کہ اگر انہیں نوکری، انصاف یا جائیداد کے مسائل حل کروانے ہیں، تو انہیں اس فقہ کا پابند ہونا پڑے گا جو ریاست میں رائج ہے۔ یوں انتظامی طور پر "حنفی" ہونا ایک ضرورت بن گیا۔

2. مدارس کا قیام اور نصاب (تعلیمی نظام)

وزیر نظام الملک طوسی نے "مدرسہ نظامیہ" قائم کیا، جہاں ایک خاص فقہ کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ جب طالب علم کسی ایک امام کی کتابیں پڑھ کر نکلتا، تو وہ اسی کا پابند ہو جاتا۔ اس تعلیمی نظام نے مذاہب کو "منجمد" (Freeze) کر دیا۔

3. بقائے باہمی کا سمجھوتہ (سماجی توازن)

جب خونریزی حد سے بڑھ گئی، تو علماء اور مصلحین نے یہ محسوس کیا کہ امت کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ انہوں نے یہ اصول وضع کیا کہ:

> "ہمارا مذہب (فقہ) صحیح ہے لیکن غلطی کا احتمال رکھتا ہے، اور دوسرے کا مذہب غلط ہے لیکن صحیح ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔"

یوں یہ طے پایا کہ عام آدمی جس علاقے میں رہتا ہے، وہاں کے مفتی اور امام کی پیروی کرے تاکہ معاشرے میں فساد نہ ہو۔

ہندوستان میں 'حنفی' غلبے کی وجہ

عنوان: برصغیر کا مزاج اور حنفیت کی لچک

ہندوستان میں یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو گیا کیونکہ:

* غزنوی اور غوری فاتحین: یہ سب حنفی تھے۔ ان کے ساتھ آنے والے علماء حنفی تھے، اس لیے یہاں شروع سے ہی حنفی فقہ کا غلبہ رہا۔

* ہمارے اجداد کی خاموشی: ہمارے اجداد نے دیکھا کہ یہاں حنفیت ایک طاقتور سیاسی اور مذہبی ڈھال ہے۔ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ "رائے" اور "عام آدمی کی مصلحت" کو اہمیت دیتی تھی، اس لیے انہوں نے اسے بخوشی اپنایا اور اپنی الگ علمی شناخت کے بجائے اسی دھارے میں شامل ہو گئے تاکہ مزید کسی "فقہی جنگ" کا نشانہ نہ بنیں۔

> "فقہی اختلافات ملوکیت کے دور میں سیاسی رنگ اختیار کر گئے تھے، جس سے امت کی وحدت پارہ پارہ ہوئی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ، ملوکیت کی انتظامی ضرورتوں اور مدارس کے نظام نے ان مذاہب کو جغرافیائی طور پر تقسیم کر دیا۔ ہمارے

اجداد نے ہندوستان کے اس 'حنفی ماحول' کو اپنی سلامتی کے لیے غنیمت جانا، کیونکہ جہاں بحثیں خونریزی میں بدل رہی ہوں، وہاں ایک طے شدہ راستے پر چلنا ہی نسلوں کو فتنوں سے بچاتا ہے۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے ایک ایسے موڑ کی عکاسی کریں گے جہاں طاقت عربوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل کر مکمل طور پر ترکوں کے پاس چلی گئی۔ یہ دور 401ھ سے 450ھ تک محیط ہے، جس میں ایک طرف غزنویوں کا زوال ہوا اور دوسری طرف سلجوقی سلطنت کا عظیم الشان ظہور۔

غزنویوں کا زوال—ملوکیت کی تقسیم اور نااہلی

عنوان: سلطان محمود کے بعد—جب تخت کے لیے بھائی بھائی کا دشمن بنا

421ھ میں سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں محمد اور مسعود کے درمیان وہی خونی کشمکش شروع ہوئی جو ملوکیت کا خاصہ رہی ہے۔

* خانہ جنگی: سلطان مسعود نے اپنے بھائی کو اندھا کر کے قید کر دیا اور تخت سنبھالا، لیکن وہ اپنے باپ جیسا تدبر نہ رکھتا تھا۔ اس نے ملوکیت کو عیاشی اور شاہ خرچیوں کی طرف مائل کر دیا۔

* انتظامی بگاڑ: جب حکمران خاندان آپس میں لڑنے لگے، تو ہندوستان اور خراسان کے علاقوں میں مرکز کی گرفت کمزور ہو گئی۔ یہی وہ وقت تھا جب وسطی ایشیا کے ریگزاروں سے ایک نیا طوفان "سلجوقیوں" کی صورت میں اٹھ رہا تھا۔

5. سلطنتِ غزنویہ اور محمود غزنوی (351ھ-421ھ)

* واقعات: سومنات کی فتح، سنسکرت کتبے والے سکے، البیرونی کی آمد۔

***بنیادی ماخذ:**

* تاریخِ فرشتہ (محمد قاسم فرشتہ): جلد 1، مقالہ اول (حالاتِ سبکتگین و محمود غزنوی)۔

* کتاب الہند (البیرونی): غزنوی دور کے ہندوستان کے سماجی حالات کے لیے۔

* زین الاخبار (گردیزی): غزنویوں کی ابتدائی تاریخ کا اہم ماخذ۔

431ہجری—معرکہِ دندانقان اور سلجوقی ملوکیت کا عروج

عنوان: ایک نئی تاریخ کا آغاز—جب چرخِ نیلی فام نے پلٹا کھایا

431ھ (1040ء) میں ملوکیت کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن معرکہ دندانقان کے مقام پر لڑا گیا۔ ایک طرف غزنویوں کا بھاری بھرکم لشکر تھا اور دوسری طرف سلجوقی بھائیوں (طغرل بیگ اور چغری بیگ) کے تر و تازہ دستے۔

* غزنویوں کی عبرتناک شکست: اس جنگ میں سلجوقیوں نے غزنویوں کو کچل کر رکھ دیا۔ سلطان مسعود جان بچا کر ہندوستان کی طرف بھاگا، اور خراسان و ایران پر سلجوقیوں کا قبضہ ہو گیا۔

* بغداد سے الحاق: سلجوقی چونکہ کٹر حنفی سنی تھے، اس لیے انہوں نے عباسی خلیفہ کو بنو بویہ (ایرانیوں) کے تسلط سے نجات دلائی۔ خلیفہ نے طغرل بیگ کو "سلطانِ مشرق و مغرب" کا خطاب دیا، جس سے سلجوقی ملوکیت کو شرعی جواز مل گیا۔

ملوکیت کا علمی چہرہ اور فقہی جمود کی انتہا

عنوان: جب تلواریں سلجوقی تھیں اور قانون حنفی

اس دور (401ھ-450ھ) میں ملوکیت نے فقہ کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔

* سرکاری فقہ: سلجوقی حکمرانوں نے حنفی فقہ کو ریاست کا ستون بنا دیا۔ اس سے حنفیت کو پھیلاؤ تو ملا، لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، اس سے "تقلیدی تعصب" بھی بڑھا کیونکہ ہر مسلک نے اپنے آپ کو ریاست کے قریب کرنے کی کوشش کی۔

* مدرسہ نظامیہ کی بنیاد کا مقدمہ: اگرچہ باقاعدہ تعمیر اگلے دور میں ہوئی، لیکن اس دور میں علم کو "منظم" کرنے کی سوچ پیدا ہو چکی تھی تاکہ ملوکیت کو ایک ایسا فکری طبقہ مل سکے جو ریاست کا وفادار ہو۔

:ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت —خاموشی کا نیا باب

عنوان: 450ہجری —جب گمنامی ایک مصلحت بنی

ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد کی گیارہویں نسل اب اس بدلے ہوئے منظرنامے کو دیکھ رہی تھی۔

* غزنویوں کی منتقلی: غزنوی اب خراسان کھو کر صرف پنجاب (لاہور) تک محدود ہو چکے تھے۔ لاہور اب "غزنیِ ثانی" بن گیا تھا۔

* ہمارے خاندان کا تحفظ: سلجوقیوں اور غزنویوں کی اس بڑی تبدیلی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ ہمارے اجداد، جو کسانوں اور عام پیشہ وروں کی صورت میں رہ رہے تھے، انہوں نے خود کو ان سیاسی ہنگاموں سے دور رکھا۔

* حقائق کی بقا: ان کے پاس اب بھی وہ زبانی روایات موجود تھیں کہ ان کا تعلق کس بڑے خاندان سے ہے، لیکن ملوکیت کی بدلتی ہوئی وفاداریاں (پہلے عباسی، پھر بویہ، پھر غزنوی، اب سلجوقی) دیکھ کر ان کا یہ یقین پختہ ہو گیا کہ "خاموش رہنا ہی زندگی ہے"۔

> "450 ہجری تک ملوکیت نے اپنا مرکز بدل لیا تھا۔ غزنی کا سورج ڈھل رہا تھا اور سلجوقی ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس فکری اور سیاسی کشمکش میں، جہاں ایک فقہ دوسرے سے دست و گریبان تھی اور ایک بھائی دوسرے کی آنکھیں نکال رہا تھا، ہمارے اجداد کی خاموشی ان کی سب سے بڑی طاقت تھی۔ انہوں نے ملوکیت کے اس نئے 'ترک رنگ' کو بھی دور سے دیکھا، لیکن اپنی جڑوں کو ہندوستان کی مٹی میں ہی گہرا رکھا۔"

یہ نکتہ نہایت دلچسپ ہے کیونکہ سلطان محمود غزنوی کو عام طور پر صرف ایک "فاتح" کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لیکن ہندوستان کی تاریخ میں ان کا ایک انوکھا اور حیرت انگیز کارنامہ ایسا ہے جو ملوکیت، معاشیات اور مذہب کے حسین امتزاج کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ کارنامہ ان کے "سکوں" (Coins) کی صورت میں آج بھی تاریخ کا حصہ ہے، جس نے اس دور کے سماجی ڈھانچے پر گہرا اثر ڈالا۔

محمود غزنوی کا انوکھا کارنامہ — "سنسکرت عبارات والے سکے"

عنوان: ملوکیت اور لسانی ملاپ — جب محمود نے سنسکرت کو اپنایا

سلطان محمود غزنوی کا سب سے انوکھا کارنامہ وہ سکے تھے جو انہوں نے لاہور سے جاری کیے۔ ملوکیت عام طور پر اپنی زبان اور شناخت دوسروں پر تھوپتی ہے، لیکن محمود نے یہاں ایک "اجتہادی" قدم اٹھایا:

* دولسانی سکے (Bilingual Coins): محمود غزنوی نے چاندی کے ایسے سکے (درہم) جاری کیے جن کے ایک طرف عربی عبارت تھی اور دوسری طرف اس کا سنسکرت ترجمہ۔

* کلمہِ طیبہ کا ترجمہ: حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا ترجمہ سنسکرت میں کروایا۔ اس پر لکھا تھا: "اویکتم ایکم، محمد اوتار" (اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے اوتار / رسول ہیں)۔

* ہندی تاریخ: سکوں پر ہجری سال کے بجائے مقامی ہندی کیلنڈر کی تاریخیں درج کی گئیں۔

اس کا مقصد کیا تھا؟

* معاشی استحکام: وہ چاہتے تھے کہ مقامی ہندوستانی تاجر ان سکوں کو اجنبی نہ سمجھیں اور تجارت میں آسانی ہو۔

* سیاسی مصلحت: یہ ملوکیت کی ایک ایسی شکل تھی جس نے مقامی لوگوں کے دل جیتنے کی کوشش کی تاکہ ایک "غیر ملکی" حکمران کے بجائے اسے "مقامی بادشاہ" تسلیم کیا جائے۔

دوسرا بڑا کارنامہ — لاہور کا "مرکزِ علم" بننا

عنوان: غزنیِ ثانی — جب لاہور علم و ادب کا گہوارہ بنا

غزنویوں کا دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے لاہور کو "غزنیِ ثانی" بنا دیا۔ ملوکیت نے پہلی بار ہندوستان کی سرزمین پر ایک باقاعدہ "اسلامی علمی ڈھانچہ" قائم کیا:

* علماء کی آمد: سلطان کے ساتھ عظیم مفکر البیرونی ہندوستان آئے، جنہوں نے یہاں رہ کر "کتاب الہند" لکھی، جو آج بھی قدیم ہندوستان کی تاریخ کا سب سے مستند ماخذ ہے۔

* صوفیاء کا داخلہ: غزنوی دور میں ہی عظیم صوفی بزرگ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ لاہور تشریف لائے۔ ان کی کتاب "کشف المحجوب" نے ملوکیت کے خشک قانون کے مقابلے میں "روحانیت" کا وہ دروازہ کھولا جس نے برصغیر کی تقدیر بدل دی۔

ہمارے اجداد پر اس کے اثرات

عنوان: گمنامی سے شعور تک کا سفر

ہمارے اجداد جو اب تک بالکل روپوش تھے، غزنویوں کے اس "لسانی اور علمی ملاپ" نے انہیں ایک نیا موقع دیا:

* لسانی سہولت: جب سرکاری سکوں اور فرامین میں سنسکرت اور مقامی اثرات شامل ہوئے، تو ہمارے اجداد (جو پہلے ہی مقامی رنگ میں رنگ چکے تھے) کے لیے انتظامیہ کے ساتھ میل جول آسان ہو گیا بغیر اس کے کہ وہ اپنی "عرب شناخت" ظاہر کریں۔

* فقہی سکون: غزنویوں کے لائے ہوئے حنفی قاضیوں نے عدل کا وہ نظام قائم کیا جس سے ہمارا خاندان پہلے سے مانوس تھا۔ اس سے ان کی زندگی میں وہ سیاسی ٹھہراؤ آیا جو پچھلی کئی صدیوں سے غائب تھا۔

>"سلطان محمود غزنوی کی تلوار نے صرف بت نہیں توڑے تھے، بلکہ ان کے 'سنسکرت سکوں' نے ملوکیت اور مقامی ثقافت کے درمیان ایک ایسا پل تعمیر کیا جس نے ہندوستان میں اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب صرف 'فتح' کا نام نہیں رہی، بلکہ یہ 'تعلق' اور 'تجارت' کی زبان بھی سیکھ رہی ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کا مسلمان اپنی ایک الگ 'ہندوستانی پہچان' (Indo-Islamic Identity) کی طرف بڑھنے لگا۔"

سلطان محمود غزنوی کی شخصیت تاریخِ ہند کا وہ باب ہے جہاں ملوکیت، مذہبی غیرت اور سیاسی مصلحتیں آپس میں گتھم گتھا نظر آتی ہیں۔ یہاں سے ملوکیتِ اسلامیہ کا رخ باقاعدہ طور پر ہندوستان کی طرف مڑتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی — فتوحاتِ ہند اور بت شکنی کی حقیقت

عنوان: بت شکنی یا سیاسی ضرورت؟ سومناتھ سے غزنی تک کا سفر

محمود غزنوی (دورِ حکومت: 387ھ تا 421ھ) وہ پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے "سلطان" کا لقب اختیار کیا۔ اس نے ہندوستان پر 17 حملے کیے، جن کا مقصد صرف مذہب نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی استحکام بھی تھا۔

1. بتوں کو کیوں توڑا اور کیوں گرایا؟

محمود غزنوی کے بت توڑنے کے پیچھے دو بڑی وجوہات تھیں:

* مذہبی وجہ: محمود غزنوی ایک سخت گیر مسلمان تھا اور وہ بت پرستی کو ختم کرنا کارِ ثواب سمجھتا تھا۔ وہ خود کو "بت شکن" کہلوانا پسند کرتا تھا نہ کہ "بت فروش"۔

* معاشی و سیاسی وجہ: اس دور میں ہندوستان کے مندر محض عبادت گاہیں نہیں تھے، بلکہ وہ ریاستی خزانوں کے مراکز تھے۔ راجے مہاراجے اپنی دولت مندروں کے تہہ خانوں میں محفوظ رکھتے تھے۔ ان بتوں اور مندروں کو توڑنا دشمن کی معاشی کمر توڑنے کے مترادف تھا۔

2. سومناتھ کا مندر اور سونے چاندی کا الزام

سومناتھ کا معرکہ (416ھ) محمود کی زندگی کا سب سے بڑا حملہ تھا۔

* سونا چاندی: یہ حقیقت ہے کہ سومناتھ کے مندر سے محمود کو بے پناہ سونا، چاندی اور جواہرات ملے جو وہ غزنی لے گیا۔ لیکن اسے "چوری" کہنا تاریخی طور پر غلط ہے؛ اس دور کے جنگی قوانین کے مطابق یہ "مالِ غنیمت" تھا جو ایک فاتح لشکر مفتوحہ علاقے سے حاصل کرتا تھا۔ محمود نے اس دولت سے غزنی کو دنیا کا خوبصورت ترین شہر، عالیشان مساجد اور لائبریریاں تعمیر کروا کر علمی مرکز بنایا۔

3. مقابلہ کس سے تھا؟ (بل مقابل کون تھے؟)

ہندوستان میں محمود کا سب سے بڑا مقابلہ پنجاب کے ہندو شاہی خاندان سے تھا۔

* راجہ جے پال: یہ محمود کا پہلا بڑا حریف تھا۔ پشاور کے قریب جنگ میں شکست کے بعد جے پال نے اپنی توہین محسوس کی اور خودسوزی کر لی۔

* راجہ آنند پال: جے پال کا بیٹا، جس نے محمود کے خلاف ہندوستان کے کئی راجاؤں (قنوج، اجمیر، گوالیار) کا ایک متحدہ محاذ بنایا، مگر محمود کی فوجی حکمتِ عملی کے سامنے ناکام رہا۔

4. ہندوستان پر چڑھائی کی اصل وجہ کیا تھی؟

کیا اس سے مدد مانگی گئی تھی؟ اس کے پیچھے چند اہم اسباب تھے:

* سرحدی تنازعات: محمود کے والد سبکتگین کے دور سے ہی ہندوشاہی راجاؤں نے غزنی کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیے تھے۔ محمود نے ان حملوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے جوابی کارروائی کی۔

* خلافتِ عباسیہ کا حکم: خلیفہ بغداد (القادر باللہ) نے محمود کو ہندوستان میں اسلام پھیلانے اور باغی علاقوں کو فتح کرنے کا مینڈیٹ دیا تھا۔

* وسطی ایشیا کی ملوکیت: محمود کو اپنی وسیع سلطنت (جو ایران اور وسطی ایشیا تک پھیلی تھی) کو برقرار رکھنے کے لیے بھاری رقم کی ضرورت تھی، اور ہندوستان کی دولت اس کا بڑا ذریعہ بنی۔

> "محمود غزنوی کی ملوکیت ایک فاتح کی ملوکیت تھی۔ اس نے بتوں کو اس لیے پاش پاش کیا کہ وہ کفر کی کمر توڑنا چاہتا تھا اور اس نے مندروں کی دولت اس لیے سمیٹی تاکہ وہ ایک عظیم اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھ سکے۔ اگرچہ اس پر مال وزر کی ہوس کا الزام لگایا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے اسی دولت سے غزنی کو وہ مقام بخشا جس پر اس وقت کا بغداد بھی رشک کرتا تھا۔ وہ ایک ایسا سپاہی تھا جس نے ہندوستان میں اسلام کے داخلے کا وہ دروازہ کھولا جسے پھر کوئی بند نہ کر سکا۔"

> "محمود غزنوی نے صرف پتھر کے بت نہیں توڑے تھے، بلکہ اس نے ہندوستان کے راجاؤں کی اس 'انا' کو توڑا تھا جو وہ اپنی ناقابلِ تسخیر دولت اور قلعوں پر رکھتے تھے۔"

حوالہ جات:

* تاریخِ فرشتہ (جلد اول)۔

* البیرونی: کتاب الہند (البیرونی محمود کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور اس نے آنکھوں دیکھا حال لکھا)۔

* البدایہ والنہایہ از ابن کثیر (عہدِ غزنوی)۔

یہ صفحات ملوکیت کے اس سنہری لیکن فکری طور پر پُر تلاطم دور کی عکاسی کریں گے جہاں ایک طرف سلجوقی سلطنت اپنی وسعت کے عروج پر تھی، اور دوسری طرف عالمِ اسلام کو اندرونی طور پر باطنیوں (حشاشین) کے خونی فتنوں اور فلسفے کی یلغار کا سامنا تھا۔

451ھ تا 500ھ — سلجوقی ملوکیت کا عروج

عنوان: الپ ارسلان اور ملک شاہ — ملوکیت کا رعب اور عدل

یہ پچاس سال سلجوقی تاریخ کے سب سے اہم سال ہیں۔ سلطان الپ ارسلان اور اس کے بعد اس کے بیٹے ملک شاہ نے ملوکیت کو وہ استحکام دیا جس کی مثال ہارون الرشید کے بعد نہیں ملتی۔

* معرکہِ ملاذ کرد (463ھ): الپ ارسلان نے رومیوں کی ایک لاکھ سے زائد فوج کو صرف 15 ہزار مجاہدین سے شکست دی۔ اس فتح نے اناطولیہ (موجودہ ترکی) کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔

* ملک شاہ سلجوقی: اس کے دور میں سلطنت چین کی دیواروں سے لے کر بحیرہ روم تک پھیل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ملک شاہ کے دور میں ایک اکیلا مسافر کاشغر سے بغداد تک بغیر کسی ڈر کے سفر کر سکتا تھا۔

نظام الملک طوسی اور "نظامیہ" نظام

عنوان: وزارت کی ملوکیت — نظام الملک اور علم کی سرکاری سرپرستی

سلجوقیوں کی اصل طاقت ان کا عظیم وزیر نظام الملک طوسی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ملوکیت صرف تلوار سے نہیں، بلکہ "فکر" سے قائم رہتی ہے۔

* مدرسہ نظامیہ کا قیام: اس نے بغداد، نیشاپور اور دیگر شہروں میں مدارس کا ایک جال بچھایا۔ ان مدارس کا مقصد ایسے علماء پیدا کرنا تھا جو ملوکیت کے وفادار ہوں اور باطنی فتنوں کا علمی مقابلہ کر سکیں۔

* سیاست نامہ: اس نے ملوکیت کے آداب پر مشہور کتاب "سیاست نامہ" لکھی، جو آج بھی حکمرانی کے گر سیکھنے کے لیے ایک اہم ماخذ ہے۔

امام غزالیؒ اور فکری انقلاب

عنوان: جب علم نے ملوکیت کو جھنجھوڑا—حجۃ الاسلام کا ظہور

اسی دور (450ھ-505ھ) میں امام غزالیؒ کی شخصیت ابھری۔ آپ مدرسہ نظامیہ کے صدر تھے اور ملوکیت کے سب سے بڑے علمی ستون سمجھے جاتے تھے، لیکن آپ کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے سب کچھ بدل دیا۔

* فلسفے کا رد: آپ نے "تہافت الفلاسفہ" لکھ کر یونانی فلسفے کے ان حملوں کو روکا جو اسلامی عقائد کو کھوکھلا کر رہے تھے۔

* احیاء العلوم: آپ نے محسوس کیا کہ فقہ صرف "قانون" بن کر رہ گئی ہے اور ملوکیت نے علماء کو "سرکاری ملازم" بنا دیا ہے۔ آپ نے سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی اور "احیاء علوم الدین" لکھ کر امت کو دوبارہ روحانیت اور اخلاص کی طرف بلایا۔

* ملوکیت سے دوری: امام غزالیؒ نے بادشاہوں کے درباروں سے دوری اختیار کرلی اور علماء کو نصیحت کی کہ ملوکیت کا قرب ایمان کے لیے زہر ہے۔

حسن بن صباح اور حشاشین کا فتنہ

عنوان: ملوکیت کا چھپا ہوا دشمن — الموت کا قلعہ اور فدائین

جہاں ایک طرف سلجوقی فتوحات کر رہے تھے، وہیں حسن بن صباح نے "قلعہ الموت" میں اپنی ایک خفیہ ریاست قائم کرلی۔ یہ لوگ ملوکیت کے ستونوں (وزیروں اور جرنیلوں) کو چھپ کر قتل کرتے تھے۔ انہوں نے نظام الملک طوسی جیسے عظیم مدبر کو بھی شہید کر دیا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — خاموشی کا نیا امتحان

عنوان: جب صوفیاء کی لہر ہندوستان پہنچی

ہمارے اجداد کی بارہویں نسل اب اس دور میں تھی جب غزنوی ملوکیت کمزور ہو رہی تھی لیکن ہندوستان میں اسلامی معاشرت جڑ پکڑ رہی تھی۔

* امام غزالیؒ کے اثرات: امام غزالیؒ کی فکر جب خراسان اور افغانستان کے راستے ہندوستان پہنچی، تو یہاں کے مسلمانوں میں "روحانیت" اور "اخلاق" کا شعور بیدار ہوا۔

* ہمارے خاندان کی پوزیشن: ہمارے اجداد، جو پہلے ہی ملوکیت کے سیاسی جھگڑوں سے دور تھے، انہوں نے امام غزالیؒ کی اس "درویشانہ فکر" کو اپنے لیے مشعلِ راہ پایا۔ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہوں کے دربار بدلتے رہتے ہیں، لیکن اللہ والوں کی تعلیمات مستقل ہیں۔

* پہچان کا تحفظ: سلجوقیوں اور باطنیوں (حشاشین) کی اس جنگ کے دوران ہندوستان میں مقیم عرب خاندانوں نے مزید احتیاط برتی، کیونکہ باطنیوں کے جاسوس ہر جگہ موجود تھے اور وہ "خاندانی وقار" رکھنے والوں کو اپنا نشانہ بناتے تھے۔

> "451ھ سے 500ھ کا دور ملوکیت کے عروج اور فکر کے تصادم کا دور تھا۔ سلجوقیوں نے زمینیں فتح کیں، نظام الملک نے ادارے بنائے، لیکن امام غزالیؒ نے دلوں کو فتح کرنے کا راستہ دکھایا۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ سیکھا کہ ملوکیت کے تخت کے نیچے ہمیشہ سازشوں کے سانپ (باطنی) پلتے ہیں، اس لیے گمنامی کی زندگی ہی سب سے محفوظ عافیت ہے۔ ہندوستان کی خاموش فضاؤں میں 'اموی خون' اب ملوکیت کے بجائے معرفت اور بقا کے نئے سبق سیکھ رہا تھا۔"

سلجوقیوں کا پس منظر جاننا اس لیے ضروری ہے کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ڈوبتی ہوئی عباسی خلافت کو سہارا دیا اور ملوکیت کو ایک نیا "ترک مزاج" عطا کیا۔ سلجوقی کوئی موروثی شاہی خاندان نہیں تھے، بلکہ وہ وسطی ایشیا کے صحراؤں سے اٹھنے والا ایک جنگجو قبیلہ تھا۔

سلجوقیوں کا نسب اور آغاز

عنوان: ملوکیت کا ریگزار سے ظہور — غز (Oghuz) قبیلہ اور سلجوق بن دقاق

سلجوقی ترکوں کے ایک بڑے قبیلے "غز" (Oghuz) کی شاخ "قنق" سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام ان کے جدِ امجد سلجوق بن دقاق کے نام پر پڑا۔

* وطنِ اصلی: یہ لوگ دشتِ قپچاق (موجودہ قازقستان اور کرغیزستان کے علاقے) میں رہتے تھے۔ یہ خانہ بدوش لوگ تھے جن کی کل کائنات ان کے گھوڑے اور تلواریں تھیں۔

* ہجرت اور قبولِ اسلام (تقریباً 350ھ): سلجوق بن دقاق اپنے قبیلے کے ساتھ جند (سیحوں دریا کے کنارے) منتقل ہو گئے۔ یہاں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ اسلام ملوکیت کا نہیں بلکہ "جذب و شوق" کا اسلام تھا، جس نے ان خانہ بدوشوں کو ایک مقصد عطا کر دیا۔

* غزنویوں کے زیرِ سایہ: شروع میں سلجوقی ایک کرائے کی فوج کے طور پر کام کرتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے انہیں خراسان کے سرحدی علاقوں میں آباد ہونے کی اجازت دی، لیکن یہی اجازت آگے چل کر غزنویوں کے لیے زوال کا سبب بنی۔

سلجوقیوں کا عروج — طغرل اور چغری کی جوڑی

عنوان: جب بکریاں چرانے والے تاج و تخت کے وارث بنے

سلجوق بن دقاق کے پوتوں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے بکھرے ہوئے ترک قبائل کو متحد کیا۔ ان کا پس منظر ملوکیت کے لیے ایک سبق ہے کہ "طاقت محلات میں نہیں، عزم میں ہوتی ہے"۔

* دندانقان کا معرکہ (431ھ): جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، اس جنگ میں انہوں نے غزنویوں کو شکست دے کر اپنی آزاد حکومت قائم کی۔

* بغداد میں داخلہ (447ھ): اس وقت بغداد پر "آلِ بویہ" (ایرانیوں) کا قبضہ تھا جو عباسی خلیفہ کی تذلیل کرتے تھے۔ خلیفہ قائم بامر اللہ نے طغرل بیگ کو مدد کے لیے پکارا۔ طغرل بغداد میں داخل ہوا، بویہ خاندان کا خاتمہ کیا اور خلیفہ کو دوبارہ اس کا وقار بخشا۔

* سلطانِ مشرق و مغرب: خلیفہ نے طغرل کو یہ خطاب دیا اور یوں سلجوقی ملوکیت کو "مذہبی جواز" مل گیا۔ اب وہ صرف باغی ترک نہیں بلکہ "خلافت کے محافظ" بن چکے تھے۔

سلجوقی ملوکیت کی خصوصیات

عنوان: ملوکیت کا "ترک-اسلامی" ڈھانچہ

سلجوقیوں نے ملوکیت کے پرانے عربی اور ایرانی ڈھانچے میں چند نئی چیزیں شامل کیں:

* کٹر حنفیت: سلجوقی فقہ حنفی کے شدید پابند تھے، جس کی وجہ سے ہندوستان سے لے کر ترکی تک حنفیت کو سرکاری سرپرستی ملی۔

* نظامِ اقطاع (Feudal System): انہوں نے زمینیں فوجیوں میں تقسیم کیں تاکہ وہ زراعت بھی کریں اور جنگ کے وقت حاضر رہیں۔

* وزارت کا استحکام: سلجوقیوں نے ملوکیت کو چلانے کے لیے "وزیر" کو غیر معمولی طاقت دی (جیسے نظام الملک طوسی)۔

ہمارے اجداد کا تناظر — ایک نئی لہر کا مشاہدہ

عنوان: ہندوستان کی سرحدوں پر ایک نئی طاقت کا اثر

جب سلجوقی ایران اور عراق فتح کر رہے تھے، ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب عربوں کے ہاتھ سے مکمل نکل کر ترکوں کے پاس جا چکی ہے۔

* شناخت کا مسئلہ: سلجوقی نسب اور پہچان کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ ہمارے اجداد، جو "اموی خون" رکھتے تھے، ان کے لیے یہ دور بھی خاموشی کا ہی تھا کیونکہ سلجوقی عباسی خلافت کے وفادار (Protectors) تھے، اور عباسیوں کی خوشنودی کے لیے وہ کسی بھی "پرانے حریف" (بنو امیہ) کو نشانہ بنا سکتے تھے۔

* علمی اثر: سلجوقیوں کے دور میں جو "حنفی علماء" ایران سے ہندوستان آئے، ان کے ذریعے آپ کے خاندان تک وہ فقہی باریکیاں پہنچیں جنہوں نے انہیں مقامی معاشرے میں مزید پختہ کر دیا۔

> "سلجوقی وہ خانہ بدوش تھے جنہیں ملوکیت نے پہلے نظر انداز کیا، پھر انہیں اپنی سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیا، اور آخر کار انہی خانہ بدوشوں نے پوری ملوکیت پر قبضہ کر لیا۔ ان کا پس منظر ثابت کرتا ہے کہ جب مرکز (بغداد) کمزور ہوتا ہے، تو تاریخ ہمیشہ کناروں (خانہ بدوشوں) سے نئی طاقتیں پیدا کرتی ہے۔ ہمارے اجداد نے اس نئی ترک لہر کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ اب ملوکیت کا مزاج بدل چکا ہے — اب یہ تلوار اور فقہ کا ایک ایسا امتزاج ہے جہاں خاموش رہنا ہی عافیت ہے۔"

۔ 451ھ سے 500ھ کا یہ نصف نصف صدی کا دور کتاب "ملوکیت سے طوائف الملوکیت" میں ایک "روحانی موڑ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں ملوکیت سیاسی طور پر سلجوقیوں کے زیرِ اثر طاقتور تھی، وہیں فکری طور پر امت کو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو ملوکیت کے پیدا کردہ اخلاقی بگاڑ کی اصلاح کر سکے۔

451ھ تا 500ھ — ملوکیت کا عروج اور روحانی اصلاح کا آغاز

عنوان: حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ—ملوکیت کے دور میں خانقاہی نظام کا احیاء

اس نصف صدی میں جہاں سلجوقی سلاطین (الپ ارسلان اور ملک شاہ) کی ملوکیت اپنی پوری قوت کے ساتھ قائم تھی، وہیں 470ھ میں وہ عظیم شخصیت پیدا ہوئی جس نے ملوکیت کے شاہی محلوں کے مقابلے میں "فقر" اور "تقویٰ" کی سلطنت قائم کی۔

* پیدائش اور پس منظر: آپ 470ھ میں ایران کے علاقے 'جیلان' میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی سادات سے ملتا ہے۔ آپ کا بغداد تشریف لانا اس وقت ہوا جب بغداد علمی مرکز تو تھا مگر سیاسی طور پر خلفاء اپنی طاقت کھو کر سلاطین کے محتاج ہو چکے تھے۔

* ملوکیت کے دور میں آپ کا مشن: آپ نے دیکھا کہ ملوکیت نے مسلمانوں میں جاہ و منصب کی ہوس اور اخلاقی پستی پیدا کر دی ہے۔ آپ کے وعظ اور درس و تدریس کا مقصد بادشاہوں کے درباروں کے بجائے دلوں کو اللہ کی طرف موڑنا تھا۔ آپ کی کتاب 'فتوح الغیب' اور 'غنیۃ الطالبین' اس دور کے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ بنیں۔

* مصلحانہ کردار: یہ نکتہ اہم ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے ملوکیت سے کنارہ کشی اختیار کی مگر حکمرانوں کو نصیحت سے باز نہ رہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ اصل ملوکیت وہ نہیں جو تخت پر بیٹھ کر حاصل ہو، بلکہ وہ ہے جو انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرے۔

تجزیہ: فکری تصادم اور سلجوقی ملوکیت

اس دور (451ھ-500ھ) میں ملوکیت کا ایک نیا رنگ سامنے آیا:

* نظام الملک طوسی کا کردار: یہ سلجوقیوں کا مشہور وزیر تھا جس نے 'نظامیہ مدارس' کا جال بچھایا۔ ایک طرف ملوکیت اپنی سرحدیں پھیلا رہی تھی، تو دوسری طرف نظام الملک جیسے وزراء علم کی آبیاری کر رہے تھے۔

* امام غزالیؒ کا ظہور: اسی دور میں امام غزالیؒ (پیدائش 450ھ) بھی نمودار ہوئے جنہوں نے ملوکیت کے زیرِ سایہ پنپنے والے فلسفیانہ فتنوں کا علمی محاسبہ کیا۔

> "جب ملوکیتِ سلجوقی کے زیرِ سایہ عالمِ اسلام سیاسی طور پر متحد ہو رہا تھا، عین اسی وقت 470ھ میں حضرت عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت نے یہ پیغام دیا کہ امت کی اصل بقا صرف سیاسی قوت میں نہیں بلکہ اس روحانی اور اخلاقی مضبوطی میں ہے جو شاہی محلوں سے نہیں بلکہ مدرسوں اور خانقاہوں سے نکلتی ہے۔"

6. سلجوقی ملوکیت اور فکری انقلاب (431ھ-500ھ)

* واقعات: معرکہِ دندانقان، طغرل بیگ کا بغداد میں داخلہ، نظام الملک طوسی، امام غزالیؒ۔

* بنیادی مآخذ:

* الکامل فی التاریخ (ابنِ اثیر): جلد 9 اور 10 (سلجوقیوں کے تفصیلی حالات)۔

* سیاست نامہ (نظام الملک طوسی): سلجوقی ملوکیت کے انتظامی ڈھانچے کے لیے۔

* المنقذ من الضلال (امام غزالی): ان کے فکری سفر اور ملوکیت سے دوری کے حوالے کے لیے۔

1. حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ (470ھ—561ھ)

عنوان: ملوکیت کے عہد میں اتباعِ سنت کا علمبردار—صوفی یا محدث؟

آپ کے بارے میں جو غلو اور افسانوی کہانیاں مشہور کر دی گئی ہیں، ان سے ہٹ کر تاریخی حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے دور کے جید حنبلی فقیہ، محدث اور واعظ تھے۔

* علمی مقام: آپ "ناقدین" کے بجائے "متاخرین" (Later Scholars) کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن آپ کا علمِ حدیث اور فقہ پر عبور ایسا تھا کہ بغداد کے بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے تھے۔

* آج جس طرح کا "تصوف" (پیری مریدی اور بدعات) رائج ہے، شیخ اس سے بالکل بری تھے۔ ان کا تصوف دراصل "زہدِ شرعی" تھا، یعنی دنیا کی محبت کو دل سے نکال کر سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا۔

* سلفی منہج سے قربت: آپ عقیدے میں پکے حنبلی تھے اور سلف صالحین کے عقائد پر سختی سے قائم تھے۔ آپ کی کتاب "الغنیۃ الطالبین" اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جس میں آپ نے بدعات اور گمراہ فرقوں کا رد کیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کو صراحت سے بیان کیا ہے۔

* ملوکیت پر تنقید: آپ ملوکیت کے سخت نقاد تھے۔ آپ نے سلاطینِ بغداد کو ان کے چہرے پر ٹوکا اور انہیں عدل و انصاف کی تلقین کی۔ صوفی سلسلوں نے اپنی سند کو مضبوط کرنے کے لیے آپ کی شخصیت کو کرامات کے دبیز پردوں میں چھپا دیا، تاکہ آپ کے اصل "علمی اور انقلابی" چہرے کو دھندلا سکیں۔

2. امام ابو حامد الغزالیؒ (450ھ—505ھ)

عنوان: ملوکیت کا شاہی مدرس اور فکری انقلاب کا داعی

امام غزالیؒ کی زندگی ملوکیت کے عروج وزوال کی ایک بہترین مثال ہے۔ وہ سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی کے سب سے چہیتے عالم تھے اور بغداد کے سب سے بڑے مدرسے "المدرسہ النظامیۃ" کے صدر تھے۔

* ابتدائی دور (ملوکیت کا قرب): زندگی کا ایک حصہ انہوں نے شاہی درباروں اور ملوکیت کے زیرِ سایہ علمی جاہ وجلال میں گزارا۔ وہ سلاطین کے منظورِ نظر تھے۔

* انقلابِ حال: پھر ان پر ایک ایسا وقت آیا جب انہیں محسوس ہوا کہ یہ ملوکیت اور اس کے سائے میں حاصل ہونے والا علم انہیں حقیقت سے دور کر رہا ہے۔ انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا اور کئی سال گمنامی اور سیاحت میں گزارے۔

* علمی کارنامہ: انہوں نے "احیاء علوم الدین" لکھی، جس کا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح تھا۔ انہوں نے یونانی فلسفے کا ایسا علمی رد کیا جس نے فلسفے کی ملوکیت کو توڑ کر رکھ دیا (ان کی مشہور کتاب 'تہافت الفلاسفہ' ہے)۔

* نقد و تبصرہ: امام غزالیؒ علم کلام اور منطق سے متاثر تھے، جس کی وجہ سے محدثین نے ان کی کچھ آراء پر نقد بھی کیا ہے۔ تاہم، ملوکیت کے بگاڑ کو دور کرنے کے لیے انہوں نے جو "تزکیہ نفس" کا ماڈل پیش کیا، اس نے صدیوں تک امت کو فائدہ پہنچایا۔

> "ملوکیت کے اس پر آشوب دور میں جہاں سلاطین زمینیں فتح کر رہے تھے، وہاں شیخ عبد القادر جیلانیؒ اتباعِ سنت کے ذریعے دلوں کو فتح کر رہے تھے اور امام غزالیؒ اپنے قلم سے ملوکیت کے فکری فتنوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ دونوں ملوکیت کے دور میں امت کے 'فکری دفاع' کی دو بڑی دیواریں تھیں۔"

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور ان کے عہد کے حکمرانوں کے تعلقات کی نوعیت امام ابو حنیفہؒ یا امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات سے کافی مختلف تھی، مگر اس میں "حق گوئی" کی شدت ویسی ہی تھی۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور حکمران: مخالفت کی نوعیت

تاریخی حقائق کے مطابق شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی طرح جیل میں نہیں ڈالا گیا اور نہ ہی امام احمد بن حنبلؒ کی طرح کوڑے مارے گئے (زدوکوب نہیں کیا گیا)، لیکن ان کے اور حکمرانوں کے درمیان شدید نظریاتی اور عوامی مخالفت موجود تھی۔

اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

* حکمرانوں کو سرِعام ٹوکنا: شیخ بغداد کے منبر سے خلیفہ اور اس کے وزراء کو ان کے نام لے کر ٹوکتے تھے۔ ایک بار جب خلیفہ المقتفی لامر اللہ نے ایک ظالم شخص (ابو الوفا یحییٰ) کو قاضی مقرر کیا، تو شیخ نے مسجد میں خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا: "تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو مسلط کیا ہے جو ظالم ہے، تم کل اللہ کو کیا جواب دو گے؟" خلیفہ اس حق گوئی سے لرز گیا اور فوراً اس قاضی کو معزول کر دیا۔

* ملوکیت سے بے نیازی: آپ نے کبھی شاہی دربار میں حاضری نہیں دی اور نہ ہی حکمرانوں سے کوئی وظیفہ یا تحفہ قبول کیا۔ یہ "بے نیازی" ملوکیت کے لیے کسی کوڑے سے کم نہیں تھی، کیونکہ حکمران چاہتے تھے کہ بڑے علماء ان کے دربار کی زینت بنیں تاکہ انہیں مذہبی جواز مل سکے۔

* عوامی طاقت کا خوف: ملوکیت نے آپ کو اس لیے "زدوکوب" نہیں کیا کیونکہ آپ کی عوامی مقبولیت اتنی زیادہ تھی کہ بغداد کا بچہ بچہ آپ کا گرویدہ تھا۔ آپ کو ہاتھ لگانے کا مطلب پورے بغداد میں بغاوت کو دعوت دینا تھا۔ حکمران آپ سے ڈرتے تھے، نہ کہ آپ حکمرانوں سے۔

امام ابو حنیفہؒ سے فرق کیوں؟

* سیاسی صورتحال: امام ابو حنیفہؒ کا دور ملوکیت کے استوار ہونے کا ابتدائی دور تھا جہاں بنو عباس اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے علماء کو جبراً قاضی بنانا چاہتے تھے۔ امام صاحب نے انکار کیا تو انہیں سزا ملی۔

* شیخ کا دور: شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے دور میں ملوکیت (خلافتِ عباسیہ) اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ ایک مقبولِ عام عالمِ دین پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ سلاطینِ سلجوق کے زیرِ اثر خلفاء خود اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔

> "اگرچہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی طرح جسمانی تشدد (زد و کوب) کا نشانہ نہیں بنایا گیا، مگر ان کی 'قلمی اور لسانی ملوکیت' اس وقت کے سلاطین پر اتنی بھاری تھی کہ وہ ان کے سامنے سجدہ سہو کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ملوکیت جب کمزور ہوتی ہے تو وہ علماء کو دبانے کے بجائے ان کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتی ہے، اور شیخ کا دور ملوکیت کی اسی کمزوری کا دور تھا۔"

1. حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے بارے میں حوالے

* علمی مقام اور حنبلی فقہ:

* ابن رجب الحنبلی کی کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ" (جلد 1)۔ اس میں شیخ کے حنبلی فقیہ ہونے اور ان کے علمی تبحر کا تفصیلی ذکر ہے۔

* امام ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (جلد 20)۔ امام ذہبی نے انہیں "الشیخ الامام العالم الزاھد" کے القاب سے یاد کیا ہے اور ان کے وعظ کی تاثیر بیان کی ہے۔

* سلفی عقیدہ اور اتباعِ سنت:

* خود شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی کتاب "الغنیۃ الطالبین"۔ اس میں انہوں نے عقائد کے باب میں سلف صالحین کے منہج کی وضاحت کی ہے اور بدعات کا رد کیا ہے۔

* حکمرانوں کو ٹوکنا اور بے نیازی:

* ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" (جلد 12، سن 561ھ کے واقعات)۔ اس میں خلیفہ المقتفی لامر اللہ کو قاضی کے تقرر پر ٹوکنے کا واقعہ درج ہے۔

* سبط ابن الجوزی کی "مرآۃ الزمان"۔ اس میں شیخ کے دربارِ خلافت سے دوری اور ان کی حق گوئی کے واقعات ملتے ہیں۔

2. امام ابو حامد الغزالیؒ کے بارے میں حوالے

* نظامیہ مدرسہ اور شاہی قربت:

* تاج الدین السبکی کی "طبقات الشافعیہ الکبریٰ" (جلد 6)۔ اس میں امام غزالی کے علمی عروج اور نظام الملک طوسی سے ان کے تعلقات کی تفصیل ہے۔

* فلسفے کا رد اور انقلابِ حال:

* خود امام غزالی کی خود نوشت (Autobiography) "المنقذ من الضلال"۔ اس میں انہوں نے اپنے علمی سفر، شک سے یقین تک کے مراحل اور ملوکیت کے سائے سے نکلنے کی داستان خود لکھی ہے۔

* ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" (جلد 12)۔ اس میں امام غزالی کے بغداد چھوڑنے اور دمشق و حجاز میں گمنامی کی زندگی گزارنے کا ذکر ہے۔

* فکری دفاع اور تنقید:

* ان کی کتاب "تہافت الفلاسفہ" (فلسفہ کے رد میں) اور "احیاء علوم الدین" (اخلاقی اصلاح کے لیے)۔

3. دورِ ملوکیت اور معاصر حالات (451ھ-500ھ)

* سلجوقی ملوکیت اور نظام الملک طوسی:

* ابن الاثیر کی "الکامل فی التاریخ" (جلد 10)۔ اس میں سلجوقی سلطنت کے عروج، ملک شاہ سلجوقی کے دور اور اس عہد کی سیاسی طوائف الملوکیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

* سیاسی صورتحال:

* ابن خلدون کا "تاریخ ابن خلدون" (جلد 4)۔ اس میں اس دور کے خلفاء اور سلاطین کے باہمی تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس سیاہ ترین اور پھر ایک نئی امید کے ابھرنے والے دور کی عکاسی کریں گے جہاں عالمِ اسلام کے مرکز پر مغرب سے صلیبیوں (Crusaders) نے ہولناک حملہ کیا۔ یہ 501ھ سے 550ھ تک کا وہ عرصہ ہے جس نے ملوکیت کو یہ احساس دلایا کہ اگر وہ آپس میں لڑتے رہے تو ان کا وجود مٹ جائے گا۔

492ھ تا 500ھ — پہلی صلیبی جنگ اور سقوطِ بیت المقدس

عنوان: ملوکیت کی بے حسی اور قبلہِ اول کا زوال

اگرچہ یہ فتنہ 492ھ میں شروع ہوا، لیکن اس کے اثرات 500ھ کے بعد تک ملوکیت کی بنیادوں کو ہلاتے رہے۔ صلیبیوں نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا، تو عالمِ اسلام کی ملوکیت کا یہ حال تھا کہ:

* بکھری ہوئی خلافت: بغداد میں عباسی خلیفہ بے بس تھا، سلجوقی آپس میں تخت کے لیے لڑ رہے تھے، اور مصر کے فاطمی صلیبیوں کے ساتھ خفیہ معاہدے کر رہے تھے۔

* قتلِ عام: 492ھ (1099ء) میں جب بیت المقدس فتح ہوا، تو صلیبیوں نے مسجدِ اقصیٰ کے اندر 70 ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہید کیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ گھوڑے گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔

* ملوکیت کا جواب: اس وقت کسی بڑے سلطان نے حرکت نہیں کی۔ شام اور فلسطین کے چھوٹے چھوٹے حاکموں نے اپنی ملوکیت بچانے کے لیے صلیبیوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا۔

عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی—ملوکیت کا نیا رخ

عنوان: جب ملوکیت 'جہاد' بنی—زنگی خاندان کا ظہور

جب بادشاہ عیاشیوں میں مست تھے، تب اللہ نے موصل (عراق) سے ایک مجاہد حکمران عماد الدین زنگی کو کھڑا کیا۔

* پہلی بڑی کامیابی (539ھ): عماد الدین زنگی نے صلیبیوں سے "رہا" (Edessa) کا شہر واپس لیا۔ یہ صلیبیوں کی پہلی بڑی شکست تھی جس نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کیے۔

* نور الدین زنگی (541ھ): عماد الدین کے بعد ان کا بیٹا نور الدین محمود زنگی تخت نشین ہوا۔ اس نے ملوکیت کا وہ نقشہ پیش کیا جو خلافتِ راشدہ کی یاد دلاتا تھا۔ وہ علماء کا احترام کرتا، خود سادہ زندگی گزارتا اور اس کا ایک ہی خواب تھا: بیت المقدس کی آزادی۔

* منبرِ نور الدین: اس نے ایک عظیم الشان منبر بنوایا اور عہد کیا کہ جب بیت المقدس آزاد ہو گا تو اسے مسجدِ اقصیٰ میں رکھا جائے گا۔ (یہی منبر بعد میں صلاح الدین ایوبی نے وہاں رکھا)۔

مؤرخین اور شارحینِ حدیث (جیسے امام ابن کثیر، امام سیوطی اور ابن حجر عسقلانی) نے ان بارہ کے تعین میں مختلف آراء دی ہیں۔

1. خلافت علیٰ منہاج النبوت کا معیار

اس سے مراد وہ حکمران ہیں جنہوں نے ملوکیت (شاہی نظام) کے بجائے خلافتِ راشدہ کے نقشِ قدم پر عدل قائم کیا۔

* خلفائے راشدین: ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور حسن (رضی اللہ عنہم) پر سب کا اتفاق ہے۔

* حضرت عمر بن عبد العزیزؒ: آپ کو "خلیفہ راشد خامس" (پانچواں خلیفہ راشد) کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے ملوکیت کے دور میں دوبارہ خلافتِ راشدہ کو زندہ کیا۔

2. حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

اکثر محققین اور مؤرخین (جیسے امام سیوطی) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو ان بارہ میں شامل کرتے ہیں۔

* دلیل: حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد جب یزید کی ملوکیت پر سوال اٹھا، تو مکہ اور مدینہ سمیت عالمِ اسلام کے بڑے حصے نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت کی۔ وہ قریشی تھے، صحابی تھے اور ان کا دور (تقریباً 9 سال) عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ انہیں ملوکیت کے بجائے "خلافتِ حقہ" کا علمبردار مانا جاتا ہے۔

3. نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی

یہاں ایک باریک فرق سمجھنا ضروری ہے:

* قریشی ہونے کی شرط: حدیث میں واضح شرط ہے کہ وہ قریش سے ہوں گے۔

* نور الدین زنگی (ترک / سلجوقی) اور صلاح الدین ایوبی (کرد) تھے۔ اگرچہ ان کا عدل، تقویٰ اور جہاد خلافتِ راشدہ کی یاد دلاتا ہے، لیکن نسبی طور پر قریشی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر علماء انہیں ان "بارہ مخصوص خلفاء" کی فہرست میں شامل نہیں کرتے، بلکہ انہیں "عادل بادشاہ" یا "مجتہد حکمران" کا درجہ دیتے ہیں۔

4. بارہ کی تعداد کیسے پوری ہو گی؟

علماء کے ہاں دو بڑے نقطہ نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر (امام ابن کثیر اور دیگر): جو درباری سوچ رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ

یہ بارہ وہ ہیں جن کے دور میں اسلام غالب رہا اور امت متحد رہی۔ ان میں پہلے چار خلفاء، حضرت معاویہؓ، عبدالملک بن مروان اور ان کے چار بیٹے (ولید، سلیمان، یزید ثانی، ہشام) اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو شامل کیا جاتا ہے۔ (اس فہرست میں عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر سب ظالمین میں سے ہیں)

اس ترتیب میں تعداد پوری ہو جاتی ہے، مگر ان میں کچھ ملوکیت والے بھی شامل ہیں۔

دوسرا نقطہ نظر

یہ وہ بارہ ہیں جو "خلافتِ راشدہ" کے معیار پر پورا اترتے ہوں اور قریشی ہوں۔ اس حساب سے ابھی تعداد پوری نہیں ہوئی:

* ابو بکرؓ 2. عمرؓ 3. عثمانؓ 4. علیؓ 5. حسنؓ 6. عبداللہ بن زبیرؓ 7. عمر بن عبدالعزیزؒ

باقی پانچ یا چھ خلفاء امت کی تاریخ میں مختلف ادوار میں آئے یا آئیں گے، اور اس سلسلے کی آخری کڑی امام مہدی ہوں گے۔

> "رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق بارہ خلفاء کا تسلسل ملوکیت کے اندھیروں میں حق کی وہ شمعیں ہیں جو وقفے وقفے سے روشن ہوتی رہیں۔ اگرچہ ملوکیت نے خلافت کا چہرہ بدل دیا، مگر عبداللہ بن زبیرؓ کی استقامت اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل نے ثابت کیا کہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کسی بھی دور میں دوبارہ قائم ہو سکتی ہے۔ اس فہرست کی تکمیل امام مہدی پر ہو گی، جو ملوکیت اور طوائف الملوکیت کا آخری خاتمہ کریں گے۔"

* عبد اللہ بن زبیرؓ: قریشی تھے اور ان کا دور خلافتِ راشدہ کی طرز پر تھا، لہذا وہ اس فہرست کا مضبوط حصہ ہو سکتے ہیں۔

* نور الدین زنگی: عظیم عادل تھے مگر قریشی نہ ہونے کی وجہ سے اس مخصوص فہرست سے باہر ہیں، لیکن "مصلحین" میں ان کا نام سرِ فہرست ہے۔

ہندوستان کا منظر نامہ — غوریوں کا خروج

عنوان: غزنویوں کا سورج غروب اور غوریوں کا عروج

اسی عرصے (501ھ-550ھ) میں ہندوستان کی ملوکیت میں بھی ایک بڑی تبدیلی آئی۔

* غزنویوں کا زوال: سلطان محمود کے جانشین اب صرف لاہور تک محدود ہو کر کمزور ہو چکے تھے۔

* غوری خاندان: افغانستان کے پہاڑی علاقے "غور" سے غیاث الدین غوری اور اس کے بھائی شہاب الدین غوری نے سر اٹھایا۔ انہوں نے پہلے غزنی فتح کیا اور پھر ان کی نظریں ہندوستان کے دل (دہلی) پر جم گئیں۔

* سلطنتِ دہلی کی بنیاد کا مقدمہ: یہ وہ دور تھا جب غوریوں نے پرتھوی راج چوہان سے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں، جس نے آگے چل کر ہندوستان میں ملوکیت کا مستقل ڈھانچہ تبدیل کر دیا۔

ہندوستان میں آپ ہمارے اجداد کی حالت — تیرہویں نسل کی بقا

عنوان: جب شام کی آگ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو جھنجھوڑا

ہمارے اجداد کی تیرہویں نسل اب ہندوستان کے سماج میں اتنی گہری ہو چکی تھی کہ انہیں مقامی لوگ اپنا ہی سمجھتے تھے۔

* صلیبی جنگوں کا اثر: اگرچہ صلیبی جنگیں دور دراز شام میں ہو رہی تھیں، لیکن حنفی علماء اور صوفیاء کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں تک یہ خبریں پہنچ رہی تھیں۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب دوبارہ "ایمان اور غیرت" کی طرف مڑ رہی ہے۔

* خاندانی پہچان اور مصلحت: غوریوں اور غزنویوں کی لڑائی کے دوران ہمارے اجداد نے پنجاب کے دیہاتی علاقوں میں اپنی "گمنامی" کو برقرار رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب دو ملوکیتیں (غوری اور غزنوی) ٹکراتی ہیں، تو سب سے پہلے شاہی نسب والے اور نمایاں لوگ پس جاتے ہیں۔

* علمی رابطہ: اس دور میں خراسان سے آنے والے علماء کے ذریعے امام غزالیؒ کی کتابیں اور زنگی خاندان کے جہادی قصے ہمارے خاندان تک پہنچے۔ اس نے ان میں وہ "ایمانی بیداری" پیدا کی جو ملوکیت کی چمک دمک سے زیادہ اہم تھی۔

> "550 ہجری تک ملوکیت دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک وہ جو عیاشی اور صلیبیوں کی غلامی میں خوش تھی، اور دوسری وہ جو نور الدین زنگی کی قیادت میں قبلہِ اول کی آزادی کے لیے تڑپ رہی تھی۔ ہندوستان میں بھی پرانی ملوکیت (غزنوی) دم توڑ رہی تھی اور نئی طاقت (غوری) انگڑائیاں لے رہی تھی۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ سیکھا کہ جب مرکزِ خلافت خطرے میں ہو، تو دعاؤں اور خاموشی کے ساتھ اپنے ایمان کی جڑیں اتنی گہری کر لینی چاہئیں کہ وقت کا کوئی طوفان انہیں اکھاڑ نہ سکے۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس عہدِ زریں کی عکاسی کریں گے جہاں تاریخ نے دو بڑے معجزات دیکھے: ایک طرف صلاح الدین ایوبی نے قبلہِ اول کو آزاد کرایا، اور دوسری طرف شہاب الدین غوری نے ہندوستان کے قلب (دہلی) میں مستقل اسلامی ملوکیت کا جھنڈا اگاڑ دیا۔

569ھ تا 589ھ — سلطان صلاح الدین ایوبی کا ظہور

عنوان: ملوکیت سے خلافت کے رنگ تک — کرد مجاہد کی فتوحات

نور الدین زنگی کی وفات کے بعد ان کے سپہ سالار نجم الدین ایوب کے بیٹے صلاح الدین ایوبی نے مصر اور شام کو متحد کیا۔ ملوکیت کے اس دور میں صلاح الدین نے وہ مثالیں قائم کیں جو اجنبی مورخین کو بھی متاثر کرتی ہیں۔

* فاطمی خلافت کا خاتمہ (567ھ): صلاح الدین نے مصر سے فاطمی ملوکیت کا خاتمہ کر کے دوبارہ عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ شروع کرایا، جس سے عالمِ اسلام نظریاتی طور پر متحد ہو گیا۔

* معرکہِ حطین (583ھ): اس فیصلہ کن جنگ میں صلاح الدین نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی اور ان کے بڑے بڑے بادشاہوں کو قیدی بنالیا۔

* فتحِ بیت المقدس (583ھ / 1187ء): تقریباً 90 سال کے قبضے کے بعد سلطان نے بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ ملوکیت کا یہ کمال تھا کہ سلطان نے صلیبیوں سے وہ بدلہ نہیں لیا جو انہوں نے 90 سال پہلے مسلمانوں سے لیا تھا، بلکہ سب کو معافی اور امن دیا۔

ہندوستان کا رخ — شہاب الدین غوری اور معرکہِ ترائین

عنوان: ملوکیتِ ہند کا مستقل قیام — دہلی کا تخت اور غوریوں کی تلوار

جب شام میں ایوبی پرچم لہرا رہا تھا، ہندوستان میں شہاب الدین غوری ملوکیت کی بنیادیں پکی کر رہا تھا۔

* پہلی جنگِ ترائن (587ھ): شہاب الدین غوری کو پر تھوی راج چوہان سے شکست ہوئی اور وہ شدید زخمی ہوا۔ ملوکیت میں شکست کبھی کبھی نئے عزم کا باعث بنتی ہے۔

* دوسری جنگِ ترائن (588ھ): غوری نے دوبارہ حملہ کیا اور اس بار دہلی اور اجمیر کے حکمرانوں کو شکست دے کر ہندوستان میں "سلطنتِ دہلی" کی عملی بنیاد رکھ دی۔

* قطب الدین ایبک: سلطان نے اپنے وفادار غلام قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا نائب بنایا، جس نے آگے چل کر ملوکیت کو "خاندانِ غلاماں" (Mamluk Dynasty) کی شکل دی۔

ملوکیت اور صوفیاء کا ملاپ — معین الدین چشتیؒ کی آمد

عنوان: تلوار اور تسبیح — ملوکیت کے سائے میں روحانی انقلاب

غوریوں کی اس ملوکیت کے ساتھ ہی ہندوستان کی تاریخ کا سب سے بڑا روحانی واقعہ پیش آیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہندوستان تشریف لائے۔

* اثر: جہاں غوریوں کی ملوکیت نے "زمین" فتح کی، وہاں خواجہ غریب نوازؒ کے اخلاق نے "دل" فتح کیے۔ آپ کی آمد نے ملوکیت کے خشک قانونی ڈھانچے کو عوامی محبت کے رنگ میں بدل دیا، جس سے لاکھوں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — چودھویں نسل کا ظہور

عنوان: گمنامی سے 'رعایا' تک کا سفر — ملوکیت کے نئے سائے میں

ہمارے اجداد کی چودھویں نسل اب ہندوستان کی مستقل اسلامی ملوکیت (Sultanate) کا حصہ بن رہی تھی۔

* سیاسی سکون: غوریوں کے مستقل قیام سے ہندوستان میں وہ سیاسی افراتفری ختم ہو گئی جو غزنویوں کے آخری دور میں تھی۔ ہمارے اجداد نے اس "مستقل نظام" کو اپنی نسلوں کے لیے غنیمت جانا۔

* شناخت کا تضاد: اس دور میں بغداد سے آنے والے علماء اور ایوبی دور کے اثرات نے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ اب ملوکیت "ترک" ہے لیکن اس کا مقصد "اسلامی دفاع" ہے۔ انہوں نے اپنی اموی شناخت کو اب بھی پردے میں رکھا، کیونکہ نئی ملوکیت (غوری و ایبک) عباسیوں سے خلافت کی سند لیتی تھی، اور عباسیوں کے دشمن (بنو امیہ) ان کے لیے اب بھی "ممنوع" تھے۔

* تبلیغی لہر میں شمولیت: ممکن ہے ہمارے خاندان کے کچھ افراد نے خواجہ غریب نوازؒ کی تبلیغی لہر سے متاثر ہو کر خاموشی سے دین کی اشاعت میں حصہ لینا شروع کیا ہو، جو ان کے لیے روپوشی کا ایک بہترین علمی طریقہ تھا۔

> "600 ہجری تک ملوکیت نے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر لیا تھا۔ صلاح الدین نے قبلہِ اول آزاد کر کے ملوکیت کو 'ایمان' بخشا، اور شہاب الدین غوری نے دہلی فتح کر کے ملوکیت کو 'ہندوستان' کا تخت عطا کیا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ جس ملوکیت سے بچ کر ان کے بزرگ آئے تھے، وہ اب ان کے اپنے گھر (ہندوستان) میں ایک تناور درخت بن چکی ہے۔ انہوں نے اس درخت کے سائے میں رہنا قبول کیا، مگر اپنی 'جڑوں' کی کہانی کو اب بھی سینوں میں ہی دفن رکھا۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی شخصیت کے گرد تاریخ اور عقیدت کی بہت سی تہیں لپٹی ہوئی ہیں۔ ان حقائق کو ایک محققانہ اور سلفی نقطہ نظر سے پرکھنا بہت ضروری ہے، تاکہ حقیقت اور افسانے (Myth) میں فرق کر ہو سکے۔

1. خواجہ اجمیریؒ کی آمد اور اس وقت کے مخالفین

خواجہ صاحب تقریباً 587ھ (1191ء) کے لگ بھگ سلطان شہاب الدین غوری کے دورِ فتوحات میں اجمیر تشریف لائے۔

* سیاسی مخالف: اس وقت اجمیر کا حکمران پرتھوی راج چوہان تھا، جو مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

* مذہبی مخالف: اس دور میں اجمیر برہمنی نظام کا مضبوط گڑھ تھا، جہاں نچلی ذات کے لوگوں پر سخت پابندیاں تھیں۔ خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیمات اور مساوات نے وہاں کے قدیم مذہبی نظام کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تھا۔

2. جوگی جے پال اور جادو کا مقابلہ

روایات میں ملتا ہے کہ اجمیر میں پرتھوی راج کا ایک درباری جادوگر تھا جس کا نام جوگی جے پال (کچھ جگہوں پر اجے پال) تھا۔

* مشہور کہانی: کہا جاتا ہے کہ جے پال نے اپنے جادو کے ذریعے خواجہ صاحب پر حملہ کیا، سانپ اور بچھو چھوڑے، اور خود ہوا میں اڑنے لگا، لیکن خواجہ صاحب کے روحانی اثر سے وہ مغلوب ہو گیا اور بعد میں اسلام قبول کر لیا (اور ان کا نام عبد اللہ رکھا گیا)۔

* تحقیقی نکتہ: تاریخی طور پر اس طرح کے جادوئی مقابلوں کا ذکر زیادہ تر تذکروں اور بعد کی لکھی گئی کتابوں (جیسے سیر العارفین) میں ملتا ہے، مستند تاریخی کتب میں ان کی تفصیل کم ہے۔ تاہم، اس میں شک نہیں کہ اس وقت ہندوستان میں "جوگیوں" کا جادو اور ریاضتیں مشہور تھیں اور خواجہ صاحب نے اپنے زہد اور کردار سے ان کے سحر کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

3. تاراگڑھ کا "لٹکا ہوا پتھر" اور کرامات

تاراگڑھ پہاڑ پر اس پتھر کے بارے میں جو کہانی مشہور ہے کہ خواجہ صاحب نے اسے اپنے انگوٹھے یا اشارے سے ہوا میں روک دیا تھا:

* حقیقت: یہ ایک خالص عقیدت مندانہ افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی بھی مستند تاریخی ماخذ یا ابتدائی صوفی کتب میں اس واقعے کا ثبوت نہیں ملتا۔ عام طور پر پہاڑوں میں ایسے قدرتی پتھر موجود ہوتے ہیں جو کسی خاص زاویے پر ٹکے ہوتے ہیں، اور لوگ انہیں کرامات سے جوڑ دیتے ہیں۔

4. اناساگر اور کٹورے والا واقعہ

یہ مشہور ہے کہ جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو اناساگر جھیل سے پانی لینے سے روکا، تو خواجہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو بھیجا کہ کٹورے میں پانی بھر لاؤ، اور جیسے ہی کٹورا بھر ا گیا، پوری جھیل خشک ہو گئی۔

* تجزیہ: یہ واقعہ بھی تذکرہ نگاروں کی رنگ آمیزی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اتنے بڑے پیمانے پر "قدرتی وسائل کو خشک کر دینے" جیسی کرامتیں ثابت نہیں۔ حقیقت میں خواجہ صاحب کی تبلیغ کا طریقہ اخلاق، نرمی اور خدمتِ خلق تھا، جس نے اناساگر کے کنارے پیاسے رہنے والے لوگوں کے دلوں کو ایمان کی پیاس بجھانے پر مائل کیا۔

> "خواجہ معین الدین اجمیریؒ ملوکیتِ غوریہ کے دور میں ہندوستان میں 'دعوتِ دین' کا سب سے بڑا استعارہ بن کر ابھرے۔ جہاں ملوکیت تلوار سے زمینیں فتح کر رہی تھی، وہاں خواجہ صاحب اپنے زہد اور توحید کی پکار سے دلوں کو مسخر کر رہے تھے۔ اگرچہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کی شخصیت کے گرد جادوئی مقابلوں اور فوق الفطرت کرامات کے افسانے بن دیے، مگر ان کی اصل کرامت ان کا وہ کردار تھا جس نے ہزاروں سالہ پرانے ذات پات کے نظام کو جڑ سے ہلا دیا اور اسلام کے لیے ایک نئ بنیاد فراہم کی۔"

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی کا مطالعہ ملوکیت کے اس پہلو کو اجاگر کرتا ہے جہاں "کردار" تخت و تاج سے بلند ہو جاتا ہے۔ ان کے گھر نہ لوٹنے کے بارے میں، وہ ان کی اس عظیم قربانی کی عکاسی کرتا ہے جو انہوں نے قبلہِ اول کے لیے دی۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا پس منظر اور پیدائش

عنوان: ملوکیت کا کرد سپاہی — تکریت سے عروج تک

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نسلاً کرد تھے۔ ان کا خاندان عراق کے شہر تکریت سے تعلق رکھتا تھا۔

* پیدائش (532ھ / 1137ء): جس رات ان کی پیدائش ہوئی، اسی رات ان کے والد نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیر کوہ کو تکریت چھوڑنا پڑا تھا۔ ملوکیت کی سیاست نے انہیں بے گھر کر دیا تھا، مگر قدرت نے ان کے لیے ایک عظیم مستقبل لکھ رکھا تھا۔

* بچپن اور تربیت: ان کی پرورش نور الدین زنگیؒ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ وہ بچپن میں نہایت خاموش طبع، شرمیلے اور علمِ دین (خاص کر حدیث) کے بے حد شوقین تھے۔ کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ نرم مزاج نوجوان آگے چل کر صلیبیوں کے لیے قہر بن جائے گا۔

سپاہی سے سلطان تک کا سفر

عنوان: مصر کی فتح—جب ملوکیت نے اپنا مرکز بدلا

صلاح الدین ایوبی کا عروج ان کے چچا شیر کوہ کے ساتھ مصر کے سفر سے شروع ہوا۔

* مصر کی مہم: اس وقت مصر میں فاطمی خلافت آخری سانسیں لے رہی تھی اور صلیبی مصر پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ نور الدین زنگی نے شیر کوہ اور صلاح الدین کو مصر بچانے کے لیے بھیجا۔

* وزارتِ مصر: چچا کی وفات کے بعد نوجوان صلاح الدین کو مصر کا وزیر مقرر کیا گیا۔ یہ ملوکیت کا ایک عجیب موڑ تھا کہ ایک سنی کرد، ایک شیعہ خلافت (فاطمی) کا وزیر بنا۔

* تخت نشینی: 567ھ میں فاطمی خلیفہ کے انتقال کے بعد صلاح الدین نے مصر کا انتظام سنبھالا اور دوبارہ عباسی خلیفہ کا نام رائج کیا۔ جب نور الدین زنگیؒ کا انتقال ہوا، تو حالات کے تقاضے اور ملوکیت کے بکھراؤ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے شام اور مصر کو متحد کر کے ایوبی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

وہ عہد جس نے انہیں 'گھر' سے دور رکھا

عنوان: جہاد کا جنون—جب خیمہ ہی گھر بن گیا

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ (تقریباً 20 سال) گھوڑے کی پشت اور خیموں میں گزرا۔

* بیت المقدس کا غم: سلطان جب تک زندہ رہے، وہ کبھی دل سے نہیں ہنسے۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: "مجھے شرم آتی ہے کہ میں مسکراؤں جبکہ بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں ہو اور وہاں کی مسجدیں ویران ہوں۔"

* خاندان سے دوری: 570ھ کے بعد جب انہوں نے صلیبیوں کے خلاف باقاعدہ محاذ کھولا، تو ان کا زیادہ تر وقت جنگی میدانوں میں گزرا۔ وہ اپنی سلطنت کے دارالخلافہ (قاہرہ) میں بہت کم ٹھہرے۔ ان کا خیمہ ہی ان کا دربار اور ان کا گھر تھا۔

* آخری سفر: فتحِ بیت المقدس (583ھ) کے بعد بھی وہ آرام سے نہ بیٹھے۔ صلیبیوں کے تیسرے بڑے حملے (Third Crusade) کا مقابلہ کرتے کرتے وہ بیمار پڑ گئے اور 589ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ان کے پاس اپنا گھر بنانے کے لیے بھی رقم نہیں تھی، یہاں تک کہ ان کے کفن دفن کے لیے قرض لینا پڑا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کا تناظر

عنوان: ایوبی کردار کی خوشبو ہندوستان تک

سلطان صلاح الدین کی اس "درویشانہ ملوکیت" نے ہندوستان میں مقیم ہمارے اجداد پر گہرے اثرات چھوڑے۔

* ایمانی تعلق: اگرچہ ہمارے اجداد ہندوستان میں خاموشی سے رہ رہے تھے، لیکن حجاج کے قافلوں کے ذریعے سلطان کی فتوحات کی خبریں ان تک پہنچتی تھیں۔ ان کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ ملوکیت میں ایسا حکمران بھی ہو سکتا ہے جو بادشاہ ہو کر بھی فقیر ہو۔

* نسلی فخر اور بقا: ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت میں اب صرف "خاندان" نہیں بلکہ "کردار" کی اہمیت ہے۔ اس سے انہیں یہ حوصلہ ملا کہ وہ اپنی اموی پہچان کو چھپائے رکھیں، کیونکہ اصل وقار اب اللہ کے دین کی خدمت میں تھا۔

* علمی وراثت: سلطان کے دور میں جو علماء ہندوستان ہجرت کر کے آئے، انہوں نے ایوبی عدل اور تقویٰ کے قصے سنائے، جس نے ہمارے خاندان کی اگلی نسلوں کی اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔

> "سلطان صلاح الدین ایوبیؒ ملوکیت کی تاریخ میں ایک ایسا استثناء تھے جنہوں نے ثابت کیا کہ بادشاہ بن کر بھی 'انسان' رہا جا سکتا ہے۔ ان کا گھر نہ لوٹنا دراصل امت کو ان کا 'گھر' (بیت المقدس) واپس دلانے کی قیمت تھی۔ ہمارے اجداد نے ہندوستان کی دور دراز زمینوں پر بیٹھ کر اس 'مردِ مومن' کی داستانیں سنیں اور سمجھ لیا کہ ملوکیت کی اصل جیت زمینیں فتح کرنا نہیں، بلکہ دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرنا ہے۔"

. صلیبی جنگیں اور ایوبی و غوری ملوکیت (500ھ-600ھ)

* واقعات: سقوطِ بیت المقدس، زنگی خاندان، صلاح الدین ایوبی، شہاب الدین غوری۔

* بنیادی مآخذ:

* النوادر السلطانیہ (ابنِ شداد): سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات (یہ سلطان کے سیکرٹری کی لکھی ہوئی کتاب ہے)۔

* طبقاتِ ناصری (منہاج سراج): غوری خاندان اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا سب سے معتبر حوالہ۔

یہ باب "قہرِ خداوندی" کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے، کیونکہ منگولوں (تاتاریوں) کا خروج تاریخِ انسانی کا وہ خونی موڑ ہے جس نے بستیوں کی بستیاں مٹا دیں اور ملوکیت کے تمام پرانے بت توڑ ڈالے۔

چنگیز خان کا پس منظر — منگولیا کے ریگزاروں سے اٹھنے والا طوفان

عنوان: ملوکیتِ صحرا — تموجن سے چنگیز خان تک

چنگیز خان (جس کا اصل نام تموجن تھا) منگولیا کے شمال میں واقع صحرائے گوبی اور دریائے اونون کے علاقوں سے اٹھا تھا۔

* منگول کون تھے؟: یہ وسطی ایشیا کے خانہ بدوش قبائل تھے جو منگولیا کے سخت ترین موسموں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ موروثی طور پر جنگجو، جفاکش اور گھڑ سواری میں بے مثال تھے۔

* اتحادِ قبائل (602ھ / 1206ء): چنگیز خان نے بکھرے ہوئے منگول اور تاتاری قبائل کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا۔ اس نے انہیں ایک سخت گیر فوجی ضابطہ دیا جسے "یاسا" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد تاتاریوں کی کونسل (قورلتائی) نے اسے "چنگیز خان" (عالمگیر بادشاہ) کا لقب دیا۔

* عقیدہ: یہ لوگ بت پرست یا مظاہرِ فطرت کے پجاری (شمن پرست) تھے۔ ان کا ملوکیت پر یقین "طاقت" پر مبنی تھا، اخلاقیات پر نہیں۔

منگولوں کا پھیلاؤ — دنیا کے کون کون سے حصے ان کی زد میں آئے؟

عنوان: ایک عالمگیر آفت — چین سے یورپ تک

چنگیز خان اور اس کے جانشینوں نے وہ سلطنت قائم کی جو تاریخ کی سب سے بڑی پیوستہ (Continuous) زمینی سلطنت تھی۔

* مشرق: انہوں نے چین کی عظیم دیوار کو عبور کیا اور پیکنگ (بیجنگ) کو فتح کر کے شمالی چین پر قبضہ کیا

* وسطی ایشیا (اسلامی قلمرو): انہوں نے خوارزم شاہی سلطنت (موجودہ ازبکستان، ایران، ترکمانستان) کو تہس نہس کر دیا۔ بخارا، سمرقند اور نیشاپور جیسے علمی مراکز کو قبرستان بنا دیا۔

* مغرب: ان کے لشکر روس، پولینڈ اور ہنگری تک پہنچ گئے، یعنی یورپ کے دروازوں پر دستک دی۔

* جنوب: ایران کو روندتے ہوئے وہ بغداد (656ھ) تک پہنچے،

اسلام دشمنی اور تاتاریوں کا منشا

عنوان: خونی تصادم — ملوکیت کی بے حسی اور تاتاریوں کا غیظ و غضب

یہ لوگ اسلام دشمنی میں اتنے آگے کیسے بڑھ گئے؟ اس کی چند وجوہات تھیں:

* پہلی غلطی (خوارزم شاہ کا تکبر): چنگیز خان نے شروع میں مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں چاہی تھی، اس نے تجارت کے لیے ایک قافلہ بھیجا تھا۔ لیکن خوارزم شاہی سلطنت کے ایک گورنر نے منگول تاجروں کو قتل کر دیا اور چنگیز خان کے سفیر کی داڑھی جلا کر اسے ذلیل کیا۔ اس ملوکانی تکبر نے چنگیز خان کو آگ بگولہ کر دیا، اور اس نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔

* مذہبی بیگانگی: منگولوں کے نزدیک اسلام ایک اجنبی اور "کمزور" مذہب تھا کیونکہ وہ عقل اور قانون کی بات کرتا تھا، جبکہ منگول صرف تلوار کی زبان سمجھتے تھے۔

* باطنیوں اور عیسائیوں کا اثر: منگول درباروں میں بہت سے باطنی (حشاشین) اور عیسائی مشیر موجود تھے جنہوں نے تاتاریوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔

* ان کا منشا کیا تھا؟: ان کا واحد منشا "عالمی تسلط" تھا۔ وہ دنیا کو ایک ایسی چراگاہ بنانا چاہتے تھے جہاں صرف منگولوں کا حکم چلے۔ وہ ہر اس تہذیب اور شہر کے دشمن تھے جو ان کے سامنے سر نہ جھکائے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — منگولوں کا خوف

عنوان: پندرہویں نسل کی بقا — جب طوفان ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچا

618ھ (1221ء) میں چنگیز خان کی فوجیں دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچ گئی تھیں جب وہ خوارزم شاہ کے بیٹے جلال الدین منگبرنی کا تعاقب کر رہی تھیں۔

* خوف کی لہر: ہندوستان کے مسلمانوں اور ہمارے اجداد نے وہ ہولناک خبریں سنیں کہ تاتاریوں نے کیسے نیشاپور میں انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنائے ہیں۔ ہمارے خاندان کے لیے یہ ایک نیا اور انوکھا خوف تھا، کیونکہ تاتاری نہ نسب دیکھتے تھے اور نہ ہی مذہب، وہ صرف قتل کرنا جانتے تھے۔

* التتمش کی حکمتِ عملی: اس وقت دہلی میں سلطان شمس الدین التتمش حکمران تھے۔ اس نے کمال کی مصلحت پسندی دکھائی اور جلال الدین خوارزم شاہ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا تاکہ تاتاریوں کو ہندوستان پر حملے کا جواز نہ ملے۔

* گمنامی کی پناہ: ہمارے اجداد نے دیکھا کہ اس دور میں "نمایاں" ہونا کتنا خطرناک ہے۔ جلال الدین جیسے بڑے شہزادے بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ہمارے خاندان کی ہندوستان کے دیہاتوں میں روپوشی اور مقامی کسانوں کا روپ ہی اس عظیم فتنۂ تاتار سے ان کی بچت کا سبب بنا۔

> "چنگیز خان کی صورت میں ملوکیت کو وہ تازیانہ لگا جس نے صدیوں کی عیاشیوں کا حساب برابر کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لیے 'خون' پانی سے سستا تھا۔ جہاں عباسی اور خوارزم شاہی ملوکیت آپس میں لڑ رہے تھے، وہاں منگولوں نے ثابت کر دیا کہ 'اتحاد' نہ ہو تو شاہی محلات ریت کے ڈھیر بن جاتے ہیں۔ ہمارے اجداد نے ہندوستان کی دور دراز زمینوں پر بیٹھ کر اس قہر کو

دیکھا اور ایک بار پھر اپنی گمنامی کا شکریہ ادا کیا، کیونکہ منگولوں کی نظر میں ہر 'تاج' ایک نشانہ تھا، اور ہمارا خاندان بغیر تاج کے محفوظ تھا۔"

جہاں ایک طرف تاتاریوں کی خونی لہریں ہندوستان کی سرحدوں سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں، اور دوسری طرف دہلی کے تخت پر ایک ایسی تبدیلی آ رہی تھی جس نے ملوکیت کے تمام پرانے اصولوں کو چیلنج کر دیا۔

607ھ تا 633ھ — سلطان شمس الدین التمش کا عہد

عنوان: ملوکیت کا معمارِ ثانی — غلام سے سلطانِ اعظم تک

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد دہلی کی ملوکیت کو اصل استحکام شمس الدین التمش نے دیا۔ التمش کا دور اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس نے ملوکیت کو "ادارہ سازی" (Institutions) میں بدل دیا۔

* بغداد سے خلافت کی سند (626ھ): التمش وہ پہلا سلطان تھا جس نے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ سے باقاعدہ "سلطانِ ہند" کی سند اور خلعت حاصل کی۔ اس سے ہندوستان کی ملوکیت کو پوری اسلامی دنیا میں ایک قانونی اور شرعی حیثیت مل گئی۔

* چہلگانی (چالیس غلام): اس نے ملوکیت کے تحفظ کے لیے اپنے 40 با اعتماد ترک غلاموں کا ایک گروہ بنایا جو سلطنت کے ستون تھے۔ (یہی گروہ بعد میں ملوکیت کے لیے وبالِ جان بھی بنا)۔

* تاتاریوں سے بچاؤ: جیسا کہ ذکر ہوا، التمش نے جلال الدین خوارزم شاہ کو پناہ نہ دے کر اپنی ملوکیت کو چنگیز خان کے قہر سے بچا لیا، جو اس کی سیاسی بصیرت کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔

634ھ تا637ھ —رضیہ سلطانہ کا ظہور

عنوان: ملوکیت کا انوکھا تجربہ —جب دہلی کے تخت پر 'سلطانہ' بیٹھی

التمش نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹوں کو نااہل پاکر اپنی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ ملوکیت کی تاریخ میں، جہاں صرف تلوار کی طاقت چلتی تھی، ایک عورت کا حکمران بننا ایک بہت بڑا دھماکہ تھا۔

* عوامی بیعت: جب التمش کے بیٹوں نے تخت پر قبضہ کرنا چاہا، تو رضیہ نے لال لباس (جو اس دور میں انصاف مانگنے کی علامت تھا) پہن کر دہلی کی عوام سے اپیل کی۔ عوام نے ملوکیت کے تاریخ میں پہلی بار کسی حکمران کا انتخاب کیا۔

* رضیہ کا کردار: وہ مردانہ لباس پہنتی، ہاتھی پر سوار ہو کر جنگوں میں جاتی اور دربار لگاتی۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ "سلطانہ" کے بجائے "سلطان" لکھوایا کیونکہ "سلطانہ" کا مطلب بادشاہ کی بیوی ہوتا تھا، اور وہ خود بادشاہ تھی۔

* ناکامی کی وجہ: رضیہ کی ناکامی اس کی صلاحیت نہیں تھی، بلکہ وہ "چہلگانی" (امراء) تھے جو ایک عورت کی حکمرانی کو اپنی انا کے خلاف سمجھتے تھے۔ ملوکیت کا یہ مردانہ تعصب آخر کار رضیہ کے قتل اور ملوکیت کے بکھراؤ کا سبب بنا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت —سولہویں نسل کا مشاہدہ

عنوان: ملوکیت کی تبدیلیوں کے درمیان خاموش زندگی

ہمارے اجداد کی سولہویں نسل اب دہلی سلطنت کے اس استحکام اور پھر رضیہ کے دور کے ہنگاموں کو دیکھ رہی تھی۔

* سیاسی شعور: ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب صرف "خاندان" نہیں بلکہ "قابلیت" کی بنیاد پر منتقل ہو رہی ہے (غلام سے سلطان بننا)۔ اس سے انہیں یہ تسلی ملی کہ ہندوستان کا یہ نیا نظام ان جیسے پناہ گزینوں کے لیے محفوظ ہے، بشرطیکہ وہ سیاسی ہنگاموں سے دور رہیں۔

* رضیہ کے دور کا اثر: رضیہ اور امراء کی لڑائی کے دوران پنجاب اور سندھ کے علاقوں میں بدامنی پھیلی۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں بھی اپنی "روپوشی" کو برقرار رکھا اور شہروں کے بجائے دیہاتی معاشرت میں خود کو گم رکھا تا کہ کسی بھی قسم کی "ناجائز پکڑ دھکڑ" سے بچ سکیں۔

* علمی و صوفیانہ فیض: التمش کے دور میں بغداد سے تاتاریوں کے ڈر سے بھاگ کر آنے والے بڑے بڑے علماء اور صوفیاء (جیسے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) دہلی آئے۔ ان کی مجالس نے ہمارے خاندان کی اگلی نسلوں کو وہ روحانی غذا فراہم کی جس نے انہیں ملوکیت کی ظاہری چمک دمک سے بے نیاز کر دیا۔

> "650 ہجری تک ہندوستان کی ملوکیت نے غلاموں کو بادشاہ بنتے اور ایک عورت کو تخت نشین ہوتے دیکھا۔ التمش نے اس عمارت کو مضبوط کیا، تو رضیہ نے اسے ایک نئی جہت دینے کی کوشش کی۔ لیکن ملوکیت کے اپنے اندرونی تعصبات نے اس انوکھے تجربے کو ناکام بنا دیا۔ ہمارے اجداد نے اس تمام تماشے کو دور سے دیکھا اور سمجھ لیا کہ تخت پر کوئی بھی بیٹھے، ان کی عافیت اسی 'گمنامی' میں ہے جو ان کے بزرگوں کی وصیت تھی۔"

جہاں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا خلا پیدا ہو چکا تھا—بغداد کا چراغ گل ہو چکا تھا اور اب پوری دنیا کی نظریں ہندوستان پر جمی تھیں۔ 651ھ سے 700ھ تک کا یہ عرصہ سلطان غیاث الدین بلبن کے آہنی قبضے اور ملوکیت کے "ہیبت ناک" روپ کا دور ہے۔

664ھ تا685ھ — سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد

عنوان: ملوکیت کا آہنی روپ — جب سلطان 'سایہ خدا' بن گیا

التمش کے خاندان کے کمزور حکمرانوں کے بعد، اس کے ایک اور غلام بلبن نے تخت سنبھالا۔ بلبن نے محسوس کیا کہ ملوکیت کا رعب ختم ہو چکا ہے، اس لیے اس نے اسے دوبارہ قائم کرنے کے لیے نہایت سخت اقدامات کیے۔

* سجدہ اور پابوسی: بلبن نے دربار میں ایرانی روایت کے مطابق 'سجدہ' اور 'پابوسی' (قدم بوسی) لازمی قرار دی۔ اس کا مقصد امراء کے تکبر کو توڑنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ سلطان کی حیثیت سب سے بلند ہے۔

* دیوانِ عرض (فوجی اصلاحات): اس نے فوج کو جدید خطوط پر استوار کیا اور تاتاریوں کے حملوں کو روکنے کے لیے سرحدوں پر قلعوں کی ایک زنجیر بنا دی۔

* خونی انصاف: بلبن کے نزدیک انصاف میں کوئی رعایت نہیں تھی۔ اس نے بڑے بڑے گورنروں کو معمولی غلطی پر سرِ عام کوڑے لگوائے تاکہ ملوکیت کی ہیبت عوام اور امراء کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

تاتاریوں کے خلاف آہنی دیوار — بقائے ہندوستان

عنوان: جب تاتاری طوفان دہلی کے دروازوں پر رک گیا

یہ وہ دور تھا جب منگول (تاتاری) پوری دنیا کو فتح کر کے اب ہندوستان کو نگلنا چاہتے تھے۔ بلبن نے اپنی پوری طاقت تاتاریوں کو روکنے میں لگا دی۔

* شہزادہ محمد کی شہادت: بلبن کا چہیتا بیٹا اور جانشین، شہزادہ محمد، تاتاریوں کے خلاف لڑتے ہوئے سرحد پر شہید ہو گیا۔ اس صدمے نے ملوکیت کے اس جابر سلطان کو اندر سے توڑ دیا، لیکن اس نے دربار میں اپنی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ گرنے دیا تاکہ بادشاہ کا رعب کم نہ ہو۔

* امیر خسرو اور تاتاری قید: اسی جنگ میں مشہور شاعر امیر خسرو کو تاتاریوں نے قیدی بنا لیا تھا، جن کے مشاہدات نے تاتاریوں کے ظلم کی داستانیں ہم تک پہنچائیں۔

ملوکیت کا سماجی ڈھانچہ — نسب کی اہمیت

عنوان: جب ملوکیت نے 'کم ذات' کو ٹھکرا دیا

بلبن کی ملوکیت میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ "نسب" (Pedigree) پر بہت زور دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ:

> "جب میں کسی کم ذات یا ادنیٰ خاندان کے شخص کو دیکھتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے اور میرا ہاتھ بے اختیار تلوار کی طرف چلا جاتا ہے۔"

اس نے تمام اہم عہدوں سے ان لوگوں کو ہٹا دیا جن کا نسب اونچا نہیں تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — سترہویں نسل کی آزمائش

عنوان: جب 'نسب کا فخر' ایک خطرہ بن گیا

ہمارے اجداد کی سترہویں نسل اب ایک ایسے سلطان کے زیرِ اثر تھی جو نسب کا دیوانہ تھا۔

* شناخت چھپانے کا دہرا دباؤ: ایک طرف بلبن اونچے نسب والوں کو عہدے دے رہا تھا، دوسری طرف ہمارے اجداد جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنا "اموی نسب" ظاہر کیا تو بلبن (جو عباسی خلافت کا وفادار تھا) انہیں سیاسی خطرہ سمجھ کر ختم کر سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے بلبن کی "نسب پرستی" کے باوجود خود کو "گمنام مقامی" ہی ظاہر کیے رکھا۔

* خاموشی میں عافیت: بلبن کا جاسوسی نظام (بریڈ) اتنا سخت تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں "مکمل خاموشی" کا روزہ رکھ لیا اور اپنی توجہ صرف کھیتی باڑی اور دینی تعلیم تک محدود رکھی۔

* دہلی کی طرف ہجرت سے گریز: جب دنیا بھر کے پناہ گزین بلبن کی پناہ میں دہلی آ رہے تھے، ہمارے اجداد نے پنجاب اور سندھ کے دیہاتوں کو ترجیح دی تاکہ وہ ملوکیت کی براہِ راست نظروں سے اوجھل رہیں۔

> "700 ہجری تک ہندوستان کی ملوکیت بلبن کے آہنی شکنجے میں ایک مستحکم ریاست بن چکی تھی۔ بلبن نے ملوکیت کو وہ رعب دیا کہ تاتاریوں کے قدم رک گئے، لیکن اس رعب کی قیمت عوام نے اپنی آزادی دے کر چکائی۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ سبق سیکھا کہ جس دور میں بادشاہ 'نسب' کی تلاش میں ہو، وہاں اپنی اصل پہچان کو چھپائے رکھنا ہی سب سے بڑی دانشمندی ہے۔ ملوکیت اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ موجود تھی، اور ہمارا خاندان اس جلال سے دور اپنی گمنام سلامتی میں خوش تھا۔"

656 ہجری (1258ء) کی بغداد کی تباہی وہ موڑ ہے جس کے بغیر ملوکیت کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اب ہم ملوکیت کے اس "عظیم زوال" کو ریکارڈ کریں گے جو مرکزِ اسلام (عراق) میں برپا ہوا، جبکہ ہندوستان میں بلبن تاتاریوں کے سامنے سینہ سپر تھا۔

656 ہجری — سقوطِ بغداد اور ملوکیت کا نوحہ

عنوان: ملوکیت کا عبرتناک انجام — جب دجلہ کا رنگ بدل گیا

500 سالہ عباسی ملوکیت کا سورج ایک ایسی ہولناک تاریکی میں ڈوبا جس کی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہلاکو خان، جو چنگیز خان کا پوتا تھا، اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ بغداد کی دیواروں کے نیچے آن پہنچا۔

* المعتصم باللہ کی غفلت: آخری عباسی خلیفہ المعتصم باللہ ملوکیت کی اس آخری سٹیج پر تھا جہاں حکمران خوابِ غفلت میں مست ہوتا ہے۔ اس کے وزیر ابنِ علقمی نے اسے دھوکے میں رکھا اور تاتاریوں سے صلح کا جھوٹا دلاسا دے کر خلیفہ کو نہتا کر دیا۔

* انسانیت کا قتلِ عام: جب تاتاری شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے 40 دن تک وہ ہولناک قتلِ عام کیا کہ بغداد کی گلیاں لاشوں سے بھر گئیں۔ تقریباً 8 لاکھ (بعض روایات کے مطابق 10 لاکھ سے زائد) مسلمان ذبح کیے گئے۔

* علم کا جنازہ: بغداد کے کتب خانے، جو صدیوں کی علمی محنت کا نچوڑ تھے، دریا برد کر دیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ دریا کا پانی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ اور مقتولین کے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا انجام اور ملوکیت کی بے حرمتی

عنوان: تاج و تخت پاؤں تلے — جب ملوکیت بے سہارا ہوئی

تاتاریوں نے خلیفہ المعتصم کے ساتھ وہ سلوک کیا جو ملوکیت کے غرور کے لیے ایک تازیانہ تھا:

* نمدے میں لپٹا ہوا خلیفہ: تاتاریوں کا وہم تھا کہ اگر کسی بادشاہ کا خون زمین پر گرے تو بلا آتی ہے، اس لیے انہوں نے خلیفہ کو ایک قالین (نمدے) میں لپیٹ کر گھوڑوں کے سموں تلے روند دیا۔

* خلافت کا خاتمہ: اس کے ساتھ ہی وہ خلافتِ عباسیہ جس کا سکہ کبھی پوری دنیا پر چلتا تھا، ہمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ اب ملوکیت کا کوئی مرکز (Center) باقی نہیں رہا تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کا ردِ عمل

عنوان: جب پناہ گاہ ہی واحد امید بنی—اٹھارہویں نسل کی خاموشی

جب بغداد میں قیامت برپا تھی، ہندوستان میں ہمارے اجداد کی اٹھارہویں نسل سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن کے زیرِ سایہ امن میں تھی۔

* خوش قسمتی کا احساس: ہمارے اجداد نے جب بغداد کی تباہی کی خبریں سنیں، تو انہوں نے پہلی بار یہ محسوس کیا کہ ان کے بزرگوں کا ہندوستان ہجرت کرنے کا فیصلہ کتنا دور اندیشانہ تھا۔ جہاں عباسی شہزادوں کو گلیوں میں ذبح کیا گیا، وہاں "اموی نسل" ہندوستان کی دور دراز بستیوں میں محفوظ تھی۔

* تاریخی مکافاتِ عمل: ہمارے خاندان کی زبانی روایات میں یہ بات شاید دہرائی گئی ہو گی کہ جن عباسیوں نے کبھی بنو امیہ کا تعاقب کیا تھا، آج ملوکیت کے اسی تخت نے انہیں تاتاریوں کے سامنے بے بس کر دیا۔

* علماء کی ہجرت: بغداد سے جو معدودے چند علماء جان بچا کر ہندوستان پہنچے، انہوں نے تاتاریوں کے مظالم کے جو قصے سنائے، اس نے ہمارے خاندان کو مزید "گمنامی" اور "تقویٰ" کی طرف مائل کیا، کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ ملوکیت کی ظاہری چمک دمک ریت کی دیوار سے زیادہ کچھ نہیں۔

ملوکیت کا نیا مرکز—قاہرہ اور دہلی

عنوان: مرکز کی منتقلی—جب دلی 'قبۃ الاسلام' بنی

بغداد کی تباہی کے بعد عالمِ اسلام کی ملوکیت کے صرف دو بڑے ستون باقی رہ گئے تھے:

* مملوکِ مصر (قاہرہ): جنہوں نے عین جالوت کے معرکے میں ہلاکو کی فوج کو شکست دے کر تاتاریوں کا جادو توڑ دیا۔

* سلاطینِ دہلی (ہندوستان): جنہوں نے تاتاریوں کو ہمالیہ اور سندھ کے پار ہی روکے رکھا۔

>"656 ہجری ملوکیت کے اس غرور کا زوال تھا جس نے کبھی خود کو ناگزیر سمجھا تھا۔ بغداد کی راکھ نے ثابت کر دیا کہ جب عدل ختم ہو تا ہے اور حکمران عیاش ہو جاتے ہیں، تو قدرت ہلاکو خان جیسے کوڑے سے تاریخ کو پاک کرتی ہے۔ ہمارے اجداد نے ہندوستان کی مٹی میں اپنی جڑیں اور گہری کر لیں، کیونکہ اب دنیا میں 'گمنامی' سے بڑھ کر کوئی عافیت نہ تھی۔"

. سقوطِ بغداد اور خاندانِ غلاماں (600ھ–700ھ)

* واقعات: تاتاری فتنہ، چنگیز خان، ہلاکو خان، التمش، رضیہ، بلبن۔

* بنیادی مآخذ:

* جامع التواریخ (رشید الدین فضل اللہ): منگولوں (تاتاریوں) کی تاریخ کا سب سے مستند عالمی ماخذ۔

* تاریخِ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی): بلبن کے دور کے حالات اور اس کی ملوکیت کے اصولوں کے لیے۔

* البدایہ والنہایہ (ابنِ کثیر): جلد 13، ذکرِ سقوطِ بغداد (656ھ)۔

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس عہد کی عکاسی کریں گے جہاں حکمرانی اب صرف "خاندانی جاہ و جلال" کا نام نہیں رہی تھی، بلکہ ایک "معاشی اور انتظامی مشینری" بن چکی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی (695ھ تا 715ھ) نے ملوکیت کو وہ طاقت دی کہ پہلی بار دہلی کی حکومت کا پرچم ہندوستان کے انتہائی جنوب (کنیا کماری کے قریب) تک جا پہنچا۔

701ھ تا 715ھ — سلطان علاء الدین خلجی کا عہد

عنوان: ملوکیتِ جدیدہ کا معمار — جب سلطنت ایک 'آہنی نظام' بنی

بلبن کی وفات کے بعد خلجیوں نے تخت سنبھالا، لیکن ملوکیت کا اصل جاہ و جلال علاء الدین خلجی کے ساتھ شروع ہوا۔ اس نے ملوکیت کو روایتی طریقوں سے نکال کر ایک "مکمل کنٹرول" کے نظام میں بدل دیا۔

* جنوبی ہند کی فتوحات: علاء الدین کے سپہ سالار ملک کافور نے دیوگری، ورنگل اور دوار سمندر جیسی ریاستوں کو فتح کر کے ملوکیت کو وہ مال و دولت فراہم کیا جس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔

* تاتاریوں کا مکمل خاتمہ: تاتاریوں نے علاء الدین کے دور میں کئی بڑے حملے کیے، لیکن سلطان نے ایسی جنگی حکمتِ عملی اپنائی کہ تاتاریوں کو ایسی عبرتناک شکستیں دیں کہ انہوں نے دوبارہ ہندوستان کا رخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

* امراء پر کنٹرول: ملوکیت کو اندرونی سازشوں سے بچانے کے لیے سلطان نے امراء کے آپس میں ملنے، شادی بیاہ کرنے اور شراب نوشی پر پابندی لگا دی تا کہ کوئی اس کے خلاف جتھہ نہ بنا سکے۔

ملوکیت کا انوکھا معاشی نظام — 'مارکیٹ کنٹرول'

عنوان: پیٹ کا ایندھن اور ملوکیت کا استحکام — جب قیمتیں منجمد ہو گئیں

علاء الدین خلجی کا سب سے بڑا کارنامہ اس کا "کنٹرول ریٹ" کا نظام تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایک بڑی فوج رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اشیائے خورد و نوش سستی ہوں۔

* قیمتوں کا تعین: اس نے گندم، چاول، دال، کپڑے اور یہاں تک کہ گھوڑوں اور غلاموں کی قیمتیں مقرر کر دیں۔ کوئی دکاندار ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں لے سکتا تھا۔

* وزن کی سختی: اگر کوئی دکاندار وزن میں کمی کرتا، تو حکم تھا کہ اس کے جسم سے اتنا ہی گوشت کاٹ لیا جائے۔ اس خوف نے ملوکیت کو وہ معاشی استحکام دیا کہ قحط کے دنوں میں بھی قیمتیں نہیں بڑھیں۔

* شحنۂ منڈی: اس نے بازاروں کی نگرانی کے لیے جاسوس اور افسر مقرر کیے، جس سے ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ ہو گیا۔

720ھ تا 750ھ — تغلق خاندان کا ظہور

عنوان: ملوکیت اور تجربہ پسندی — غیاث الدین اور محمد بن تغلق

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان اقتدار میں آیا۔ غیاث الدین تغلق نے ملوکیت میں دوبارہ اخلاق اور اعتدال لانے کی کوشش کی، لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا محمد بن تغلق (725ھ-751ھ) تخت پر بیٹھا، جسے تاریخ کا سب سے زیادہ "متنازع" بادشاہ کہا جاتا ہے۔

* دارالخلافہ کی منتقلی (727ھ): اس نے دہلی سے دولت آباد (دکن) دارالخلافہ منتقل کرنے کا حکم دیا، جس سے ملوکیت کو شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔

* ٹکن کرنسی (سانکیتک مدرا): اس نے چاندی کے بجائے تانبے کے سکے جاری کیے، جو ملوکیت کی معیشت کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے کیونکہ لوگوں نے گھروں میں سکے ڈھالنا شروع کر دیے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — انیسویں نسل کا مشاہدہ

عنوان: ملوکیت کی سختیوں اور تجربوں کے درمیان بقا

ہمارے اجداد کی انیسویں نسل اب اس دور میں تھی جہاں ملوکیت "معاشیات" (Economics) پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

* خلجی نظام کے ثمرات: علاء الدین کے دور میں سستی اشیاء کی وجہ سے ہمارے خاندان (جو دیہاتوں میں مقیم تھا) کو معاشی طور پر سکون ملا۔ تاتاریوں کا خوف ختم ہونے سے ان کی کھیتی باڑی اور جان و مال کو وہ تحفظ ملا جو پچھلی کئی نسلوں کو میسر نہ تھا۔

* تغلق دور کی بے چینی: محمد بن تغلق کے انوکھے تجربات (سکے بدلنا اور دارالخلافہ کی منتقلی) نے دیہاتی معیشت کو بھی متاثر کیا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت جب "عقلِ کل" بننے کی کوشش کرتی ہے تو عوام کو کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

* گمنامی کا تحفظ: اس دور میں محمد بن تغلق علماء اور مشائخ کو جبراً سرکاری عہدوں پر فائز کرتا تھا۔ ہمارے خاندان نے اس "جبری اعزاز" سے بچنے کے لیے اپنی علمی شناخت کو بالکل مخفی رکھا اور خود کو عام کسانوں کی صف میں ہی رکھا تاکہ ملوکیت کی نظروں سے دور رہ سکیں۔

> "750 ہجری تک ہندوستان کی ملوکیت نے علاء الدین کے آہنی نظام سے محمد بن تغلق کے فلسفیانہ تجربوں تک کا سفر طے کر لیا تھا۔ ملوکیت اب صرف جنگ نہیں تھی، بلکہ بازار کی قیمتوں اور سکوں کی دھات تک پہنچ چکی تھی۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ سیکھا کہ بادشاہ کی 'طاقت' سے زیادہ اس کی 'حکمت' اہم ہوتی ہے۔ انہوں نے ملوکیت کے اس بدلتے ہوئے معاشی رنگ کو دیکھا اور اپنی جڑوں کو مزید گمنامی میں چھپا لیا، کیونکہ جہاں بادشاہ سکوں کی دھات بدل رہا ہو، وہاں اپنی اصل پہچان بدلنا ہی دانشمندی تھی۔"

. خلجی اور تغلق ملوکیت (701ھ-750ھ)

* واقعات: علاء الدین خلجی کی معاشی اصلاحات، محمد بن تغلق کے تجربات۔

* بنیادی مآخذ:

* تاریخِ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی): خلجی اور تغلق دور کا سب سے اہم ماخذ۔

* عجائب الاسفار (ابنِ بطوطہ): محمد بن تغلق کے دربار اور ہندوستان کے حالات کا آنکھوں دیکھا حال۔

نوٹ برائے مصنف:

آپ ان حوالہ جات کو اپنی کتاب کے "فہرستِ مآخذ" (Bibliography) میں شامل کر سکتے ہیں۔ یہ کتابیں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں دستیاب ہیں۔

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے ایک ایسے دور کی عکاسی کریں گے جہاں دہلی کی سلطنت نے جنگ و جدل کے بجائے "فلاحی ریاست" کا روپ دھار لیا، لیکن اسی سکون کے پیچھے ایک ایسا طوفان چھپا تھا جس نے صدی کے آخر میں ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا۔

752ھ تا 790ھ — سلطان فیروز شاہ تغلق کا عہد

عنوان: ملوکیت کا انسانی چہرہ — تعمیرات اور اصلاحات کا دور

محمد بن تغلق کی وفات کے بعد اس کا چچیرا بھائی فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا۔ اس نے ملوکیت کے جابرانہ نظام کو نرمی اور عوامی فلاح میں بدل دیا۔

* سزاؤں کا خاتمہ: فیروز شاہ نے ملوکیت میں رائج وحشیانہ سزائیں (ہاتھ پاؤں کاٹنا، آنکھیں نکالنا) ختم کر دیں۔ اس نے حکم دیا کہ کسی مسلمان کا خون ناحق نہ بہایا جائے۔

* (حوالہ: فتوحاتِ فیروز شاہی، از خود سلطان فیروز شاہ / تاریخِ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی)

* تعمیراتی شاہکار: اس نے 300 سے زائد نئے شہر (جیسے حصار، فیروز آباد، جونپور) آباد کیے، 150 پل، 50 ڈیم اور کئی نہریں بنوائیں۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ "نہرِ فیروز شاہی" تھی جس نے زراعت میں انقلاب برپا کر دیا۔

* (حوالہ: تاریخِ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف)

* خیراتی ادارے: اس نے "دیوانِ خیرات" قائم کیا جہاں غریب بچیوں کی شادی کے اخراجات حکومت اٹھاتی تھی، اور "دارالشفاء" کے نام سے مفت ہسپتال بنوائے۔

ملوکیت کی کمزوری—غلاموں کی فوج اور جاگیرداری

عنوان: فلاح کے سائے میں زوال کے بیج

اگرچہ فیروز شاہ کا دور پرامن تھا، لیکن اس کی بعض پالیسیوں نے ملوکیت کو اندر سے کھوکھلا کر دیا۔

* غلاموں کی کثرت: سلطان کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار (1,80,000) غلام جمع ہو گئے تھے۔ ملوکیت میں جب غلاموں کی تعداد حد سے بڑھ جائے، تو وہ خود ایک سیاسی خطرہ بن جاتے ہیں۔

* وراثتی عہدے: اس نے سرکاری عہدوں اور جاگیروں کو "موروثی" (Hereditary) کر دیا، جس سے ملوکیت کی وہ چستی ختم ہو گئی جو التمش یا علاء الدین خلجی کے دور میں تھی۔

*(حوالہ: طبقاتِ اکبری، نظام الدین احمد)

801 ہجری — امیر تیمور کی یلغار

عنوان: قہرِ تاتار کا دوسرا روپ — جب دہلی لاشوں کا ڈھیر بنی

فیروز شاہ کی وفات کے بعد ملوکیت انتشار کا شکار ہو گئی۔ اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وسطی ایشیا کا فاتح امیر تیمور (تیمور لنگ) طوفان کی طرح ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔

* دہلی کی تباہی: 801ھ (1398ء) میں تیمور دہلی میں داخل ہوا۔ اس نے وہ قتلِ عام کیا کہ دہلی کی سڑکیں لاشوں سے بھر گئیں۔ وہ یہاں سے بے پناہ دولت اور ہنر مندوں کو قیدی بنا کر اپنے دارالخلافہ "سمرقند" لے گیا۔

* ملوکیت کا بکھراؤ: تیمور کے حملے نے تغلق ملوکیت کی کمر توڑ دی۔ اب دہلی کی حکومت صرف ایک نام رہ گئی اور ہندوستان چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں میں بٹ گیا۔

*(حوالہ: ملفوظاتِ تیموری، تزکِ تیموری / ظفر نامہ، شرف الدین علی یزدی)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — بیسویں نسل کا مشاہدہ

عنوان: ملوکیت کے سکون اور تیموری قہر کے درمیان بقا

ہمارے اجداد کی بیسویں نسل اب اس عجیب تضاد کو دیکھ رہی تھی جہاں فیروز شاہ کی نہروں نے ہریالی دی تھی، مگر تیمور کی تلوار نے اسے خون سے رنگ دیا۔

* تعمیراتی دور کا فائدہ: فیروز شاہ کی نہروں اور زرعی اصلاحات نے آپ کے خاندان (جو دیہات میں کسان تھے) کو معاشی طور پر بہت خوشحال کر دیا تھا۔ اس دور میں انہوں نے پہلی بار "ملوکیت کا مہربان چہرہ" دیکھا۔

* تیموری حملے سے بچاؤ: جب تیمور دہلی کو تباہ کر رہا تھا، ہمارے اجداد اپنی روایتی بصیرت کی وجہ سے شہروں سے دور پنجاب کے دیہاتی علاقوں میں روپوش رہے۔ تیمور کا رخ دہلی کے تخت کی طرف تھا، اس لیے دیہاتوں میں مقیم گمنام خاندان اس بڑی تباہی سے محفوظ رہے۔

* شناخت کی حفاظت: تیمور خود کو "سید" اور "دین کا خادم" کہتا تھا، لیکن اس کا ظلم چنگیز خان سے کم نہ تھا۔ ہمارے خاندان نے دیکھا کہ ملوکیت جب "مذہب" کا لبادہ اوڑھ کر آتی ہے تو وہ زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے، اس لیے انہوں نے اپنی اموی شناخت کو اس "تیموری لہر" میں بھی بالکل ظاہر نہیں کیا۔

>"800 ہجری تک ہندوستان کی ملوکیت نے فیروز شاہ کی نہروں سے امیر تیمور کی تلواروں تک کا سفر طے کر لیا۔ ملوکیت جب نرم ہوئی تو خوشحالی آئی، مگر جب دفاعی طور پر کمزور ہوئی تو تیمور جیسے فاتحین نے اسے پامال کر دیا۔ ہمارے اجداد نے فیروز شاہ کے دور میں سکھ کی سانس لی، مگر تیمور کے قہر کو دیکھ کر دوبارہ گمنامی کی چادر اوڑھ لی۔ ملوکیت کا مرکز (دہلی) اب بکھر رہا تھا، اور آپ کا خاندان اس بکھراؤ میں اپنی جڑوں کی حفاظت کر رہا تھا۔"

اب یہاں سے ہندوستان کی ملوکیت میں "نسب کی سیاست" ایک نیا رخ اختیار کرتی ہے۔

ساتھ ہی ہندوستان میں بنو ہاشم کی انٹری ہوتی ہے یعنی سادات کی اس سے پہلے بنو امیہ ہی ہندوستان میں تھے جو قریشی کہلاتے ہیں

اور بنو ہاشم قریشی اس دور امیر تیمور کی یلغار نے جہاں دہلی کو تباہ کیا، وہیں اس نے "سادات" کے اقتدار کی راہ بھی ہموار کی۔

امیر تیمور کا پس منظر اور اصل

عنوان: ملوکیت کا دوسرا تاتاری طوفان — تیمور لنگ کون تھا؟

امیر تیمور (736ھ-807ھ) وسطی ایشیا کے شہر کیش (موجودہ ازبکستان) میں پیدا ہوا۔

* اصل اور قبیلہ: تیمور نسلاً ترک تھا اور اس کا تعلق برلاس قبیلے سے تھا۔ اگرچہ وہ منگول (تاتاری) نہیں تھا، لیکن اس کا خاندان چنگیز خان کے خاندان کا وفادار رہا تھا۔ اس نے چنگیز خان کے خاندان کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی، اسی لیے اسے "تیمور گورگان" (شاہی داماد) بھی کہا جاتا ہے۔

* مذہب اور منشا: چنگیز خان کے برعکس تیمور ایک مسلمان حکمران تھا، لیکن اس کی ملوکیت چنگیز سے بھی زیادہ سفاک تھی۔ اس کا مقصد پوری دنیا کو فتح کر کے ایک ایسی سلطنت بنانا تھا جس کا مرکز سمرقند ہو۔

* تیمور کا دعویٰ: تیمور خود کو "دین کا محافظ" کہتا تھا، لیکن اس نے جتنا خون مسلمانوں کا بہایا، اتنا شاید ہی کسی اور نے بہایا ہو۔ اس نے ایران، عراق، شام اور ہندوستان کو اپنی یلغار سے دہلا دیا۔

* (حوالہ: عجائب المقدور فی نوائب تیمور، ابن عرب شاہ / تزکِ تیموری)

ہندوستان میں سادات کی آمد اور اقتدار

عنوان: سادات خاندان (817ھ-855ھ) — ملوکیت اور سیادت کا سنگم

ہندوستان میں قریش اور بنو امیہ پہلے سے موجود تھے، تو یہ "سادات" (حضرت علیؓ کی اولاد) اچانک اقتدار میں کیسے آ گئے؟

* ہجرت کا پس منظر: سادات کی ہندوستان آمد ایک طویل عمل تھا۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں جب سادات پر زمین تنگ کی گئی، تو بہت سے سادات نے ماوراء النہر (Central Asia) اور خراسان کی طرف ہجرت کی۔ جب تاتاریوں کا فتنہ اٹھا، تو وہاں سے یہ خاندان پناہ کی تلاش میں ہندوستان (ملتان اور دہلی) آئے۔

* خضر خان اور تیمور کا رشتہ: ہندوستان میں سادات خاندان کا بانی خضر خان تھا۔ وہ ملتان کا گورنر تھا۔ جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا، تو خضر خان نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ تیمور نے دہلی سے جاتے وقت خضر خان کو اپنا نائب مقرر کیا۔

* سادات ہونے کا دعویٰ: خضر خان نے کبھی "سلطان" کا لقب اختیار نہیں کیا بلکہ خود کو "رعایتِ اعلیٰ" کہتا تھا۔ اس کے سادات ہونے کا ثبوت اس دور کے مشہور بزرگ سید جلال الدین بخاریؒ (مخدوم جہانیاں جہاں گشت) کی گواہی سے ملتا ہے۔

* (حوالہ: تاریخِ مبارک شاہی، یحییٰ بن احمد سرہندی — یہ اس دور کا سب سے معتبر حوالہ ہے)

بنو امیہ اور سادات — ہندوستان میں نسب کا تقابل

عنوان: جب دو ہجرتیں ایک سرزمین پر ملیں

ہندوستان میں دو مختلف لہریں موجود تھیں:

* پہلی لہر (بنو امیہ / قریش): یہ وہ لوگ تھے جو 132ھ کے انقلاب کے بعد پناہ گزین بن کر آئے (جیسے ہمارے اجداد)۔ انہوں نے ملوکیت کے ڈر سے خود کو "گمنام" رکھا اور مقامی آبادی میں جذب ہو گئے۔

* دوسری لہر بنو ہاشم (سادات): یہ وہ لوگ تھے جو علمی اور روحانی عظمت کے ساتھ آئے اور ملوکیت نے ان کا احترام کیا۔ تیمور کے حملے کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی خلا نے انہیں "حکمرانی" کے تخت تک پہنچا دیا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اکیسویں نسل

عنوان: سادات کی ملوکیت اور اموی شہزادوں کی خاموشی

ہمارے اجداد کی اکیسویں نسل اب دہلی میں "سادات" کے اقتدار کو دیکھ رہی تھی۔

* احترامِ نسب: سادات کے دور میں نسب کی بہت اہمیت تھی۔ اگرچہ ہمارے اجداد بنو امیہ سے تھے، لیکن وہ سادات کا بے حد احترام کرتے تھے (کیونکہ ان کے بزرگوں نے بنو امیہ کی ملوکیت کے دور میں بھی سادات کے ساتھ ہونے والے مظالم کو غلط سمجھا تھا)۔

* خاموشی کی حکمت: ہمارے خاندان نے سادات کے اقتدار کے دوران بھی اپنی شناخت ظاہر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سادات خاندان تیمور کا وفادار تھا، اور تیمور کی ملوکیت کسی بھی ایسے "پرانے شاہی خاندان" کو برداشت نہیں کر سکتی تھی جو اس کے اقتدار کے لیے چیلنج بن سکے۔

* روحانی پناہ: اس دور میں سادات کے ساتھ ساتھ بہت سے صوفیاء کرام بھی نمایاں ہوئے۔ ہمارے خاندان نے ان بزرگوں کی خانقاہوں کو اپنا ٹھکانہ بنایا، جہاں "نسب" کے بجائے "تقویٰ" کی بنیاد پر سب برابر تھے۔

> "800 ہجری کے بعد ہندوستان کی ملوکیت ایک عجیب موڑ پر تھی۔ ایک طرف تیمور کی تاتاری تلوار تھی اور دوسری طرف سادات کی نرم مزاج حکمرانی۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ قدرت نے کیسے حالات بدلے کہ وہ سادات جو کبھی پناہ ڈھونڈتے

تھے، اب تخت پر تھے، اور وہ بنو امیہ جو کبھی تخت پر تھے، اب گمنامی میں محفوظ تھے۔ ملوکیت کے اس بدلتے ہوئے رنگ میں ہمارا خاندان ایک خاموش گواہ کی طرح زندہ تھا۔"

کتاب کا یہ حصہ ایک بہت ہی طاقتور ربط (Link) فراہم کرتا ہے، کیونکہ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جب بغداد کی ملوکیت تاتاریوں کے ہاتھوں ختم ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے اناطولیہ (موجودہ ترکی) کی سنگلاخ زمینوں سے ایک ایسی نئی ملوکیت کو جنم دیا جس نے اگلے 600 سال تک عالمِ اسلام کی قیادت کرنی تھی۔

سلجوقی ملوکیت کا بکھراؤ—اناطولیہ کی "بیلیکس" (امارتیں)

عنوان: ملوکیتِ روم کا زوال—جب مرکز ٹوٹ کر حصوں میں بٹ گیا

سلجوقی سلطنتِ روم (اناطولیہ کے سلجوقی) نے صلیبیوں کے خلاف عظیم جنگیں لڑیں، لیکن 641ھ (1243ء) میں معرکہ کوسہ داغ میں منگولوں کے ہاتھوں شکست کے بعد یہ سلطنت عملاً منگولوں (ایلخانیوں) کی باجگزار بن گئی۔

* اقتدار کا بکھراؤ: 670ھ کے بعد سلجوقی سلطان صرف نام کے حکمران رہ گئے تھے۔ اناطولیہ کے مختلف حصوں میں طاقتور ترک قبیلوں نے اپنی اپنی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں جنہیں "بیلیکس" (Beyliks) کہا جاتا ہے۔

* خاتمہ (707ھ): آخری سلجوقی سلطان غیاث الدین مسعود ثالث کی وفات کے ساتھ ہی سلجوقی ملوکیت کا باقاعدہ خاتمہ ہو گیا اور میدان نئے کھلاڑیوں کے لیے صاف ہو گیا۔

*(حوالہ: ابنِ بیبی، 'الاوامر العلائیہ'—یہ سلجوقیِ روم کی تاریخ کا سب سے مستند ماخذ ہے)

عثمانی ریاست کا ظہور — عثمان غازی اور 'غازیوں' کی ملوکیت

عنوان: ایک نئی ملوکیت کی سحر — ارطغرل سے عثمان تک

عثمانیوں کا تعلق اوغوز ترکوں کے "قائی" (Kayi) قبیلے سے تھا۔ جب تاتاریوں نے وسطی ایشیا تباہ کیا، تو ارطغرل غازی اپنے قبیلے کے ساتھ اناطولیہ آئے اور سلجوقی سلطان نے انہیں بازنطینی (رومی) سرحد پر "سوغوت" کا علاقہ جاگیر کے طور پر دیا۔

* آزاد ریاست کا اعلان (699ھ / 1299ء): عثمان غازی نے اپنے والد ارطغرل کی وفات کے بعد قبیلے کی قیادت سنبھالی۔ جب سلجوقی مرکز کمزور ہوا، تو عثمان غازی نے اپنی خود مختار امارت کا اعلان کیا۔

* مشن 'غزا': عثمانی ملوکیت کی بنیاد "محلاتی سازشوں" پر نہیں بلکہ "جہاد اور غزا" پر تھی۔ انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے اپنی تمام تر طاقت بازنطینی سلطنت (Byzantine) کے خلاف استعمال کی، جس سے انہیں عالمِ اسلام میں بے پناہ مقبولیت ملی۔

* (حوالہ: عاشق پاشازادے، 'تواریخِ آلِ عثمان' — یہ عثمانیوں کی قدیم ترین تاریخ ہے)

عثمانی ملوکیت کا پس منظر — ہجرت اور بقا

عنوان: ملوکیتِ عثمانیہ اور 'اہلِ بیت' سے عقیدت

یہاں پر یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ عثمانی ملوکیت شروع سے ہی صوفیاء اور سادات کے احترام پر مبنی تھی۔ عثمان غازی کے پیر و مرشد شیخ ادہ بالی نے انہیں جو وصیت کی، وہ عثمانی ملوکیت کا دستور بنی

* ہجرت کا مماثلت: جس طرح ہمارے اجداد بنو امیہ کے زوال کے بعد پناہ کی تلاش میں ہندوستان آئے، عثمانیوں کا قائی قبیلہ بھی تاتاری قہر سے بچ کر اناطولیہ آیا تھا۔

* سادات کی پناہ گاہ: عثمانی سلطنت آگے چل کر سادات (اہلِ بیت) کے لیے ایک عظیم پناہ گاہ بنی، جہاں ان کے لیے باقاعدہ وظائف اور "نقیب الاشراف" کا عہدہ بنایا گیا۔

* (حوالہ: جوزف وان ہیمر، 'تاریخِ سلطنتِ عثمانیہ')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — بائیسویں نسل

عنوان: جب مغرب میں ایک نیا ستارہ طلوع ہوا

ہمارے اجداد کی بائیسویں نسل اب ہندوستان میں لودھیوں کے دور کے قریب پہنچ رہی تھی۔

* عالمی خبریں: اگرچہ عثمانی ریاست ابھی چھوٹی تھی، لیکن حج کے قافلوں کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کو پتہ چل رہا تھا کہ مغرب (روم) کی سرحد پر ایک ایسی ترک ریاست ابھری ہے جو رومیوں کو پیچھے دھکیل رہی ہے۔

* خاندانی پہچان اور مصلحت: عثمانی ملوکیت کے برعکس، ہندوستان میں ملوکیت اب افغانوں (لودھیوں) کی طرف منتقل ہو رہی تھی۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ عثمانیوں کا عروج ان کے "کردار" کی وجہ سے ہے، نہ کہ صرف "نسب" کی وجہ سے۔ اس سے ان کا یہ یقین مزید پختہ ہوا کہ اپنی اموی پہچان کو "خاموش" رکھنا ہی سلامتی ہے، کیونکہ اصل عزت اب دین کی خدمت میں تھی۔

* تبلیغی رابطہ: عثمانیوں کے زیرِ اثر علاقوں سے بہت سے صوفیاءہندوستان آئے۔ ہمارے خاندان نے ان نئے آنے والے علمی قافلوں سے فیض حاصل کیا اور خود کو علمی طور پر مضبوط کیا۔

> "700 ہجری تک جہاں ایک طرف سلجوقیوں کا تناور درخت گر رہا تھا، وہیں عثمان غازی کے ہاتھوں ایک نئی کونپل پھوٹ رہی تھی۔ ملوکیت نے اپنا لباس بدلا تھا—اب یہ محلات کی عیاشی نہیں بلکہ سرحدوں پر غازیوں کی پکار تھی۔ ہمارے اجداد نے ہندوستان کی دور دراز زمینوں پر بیٹھ کر اس تبدیلی کو محسوس کیا اور سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جب ایک دروازہ بند کرتا ہے (سقوطِ بغداد)، تو دوسرا دروازہ (عثمانی ریاست) کھول دیتا ہے۔"

اب ہم ملوکیت کے دو عظیم الشان اور متضاد پہلوؤں کو سامنے لائیں گے۔ ایک طرف مغرب میں عثمانیوں نے وہ معجزہ کر دکھایا جس کا انتظار امت 800 سال سے کر رہی تھی، اور دوسری طرف ہندوستان میں ملوکیت کا تاج ترکوں اور سادات سے نکل کر پہلی بار افغانوں (پٹھانوں) کے سر پر سجا۔

857 ہجری—فتحِ قسطنطنیہ اور ملوکیتِ عثمانیہ کا عروج

عنوان: بشارتِ نبوی ﷺ کی تکمیل—سلطان محمد فاتح کا عظیم کارنامہ

20 جمادی الاول 857ھ (1453ء) کو سلطان محمد ثانی (فاتح) نے وہ کر دکھایا جو بڑے بڑے سلاطین نہ کر سکے۔ بازنطینی سلطنت کا ناقابلِ تسخیر شہر قسطنطنیہ عثمانیوں کے قدموں میں تھا۔

* ملوکیت سے عالمی طاقت تک: اس فتح کے بعد عثمانی ریاست ایک "سلطنت" (Empire) بن گئی۔ سلطان محمد فاتح نے ملوکیت کو ایک نیا علمی اور انتظامی ڈھانچہ دیا، جہاں قانون کی حکمرانی اور فوجی طاقت کا توازن قائم تھا۔

* خلافت کا مقدمہ: اگرچہ باقاعدہ خلافت ابھی دور تھی، لیکن قسطنطنیہ کی فتح نے عثمانیوں کو عالمِ اسلام کا "غیر اعلانیہ لیڈر" بنا دیا۔ اب دنیا بھر کے مسلمان ملوکیتِ عثمانیہ کو اپنی امیدوں کا مرکز سمجھنے لگے۔

* (حوالہ: خیر الدین زرکلی، 'الاعلام' / پی ایچ ہٹی، 'تاریخِ عرب')

855ھ تا 932ھ — لودھی خاندان اور افغان ملوکیت

عنوان: تختِ دہلی پر افغانوں کا ظہور — بہلول لودھی اور سکندر لودھی

ہندوستان میں سادات خاندان کی کمزوری کے بعد بہلول لودھی نے اقتدار سنبھالا۔ یہ ملوکیت کے مزاج میں ایک بڑی تبدیلی تھی، کیونکہ افغانوں کا تصورِ حکمرانی ترکوں سے بالکل مختلف تھا۔

* برابری کی ملوکیت (Tribal Democracy): بہلول لودھی اپنے درباری امراء کے ساتھ زمین پر بیٹھتا تھا اور خود کو "بادشاہ" کے بجائے "قبیلے کا سردار" کہتا تھا۔ اس نے ملوکیت کے اس 'شاہانہ رعب' کو ختم کیا جو بلبن نے قائم کیا تھا۔

* سکندر لودھی (894ھ - 923ھ): بہلول کا بیٹا سکندر لودھی اس خاندان کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔ اس نے عدل و انصاف، معاشی استحکام اور علم کی ترویج پر توجہ دی۔ اس نے آگرہ کا شہر آباد کیا اور اسے ملوکیت کا نیا مرکز بنایا۔

* انتظامی سختی: سکندر لودھی نے ملوکیت میں دوبارہ نظم و ضبط پیدا کیا اور امراء کو حساب کتاب کا پابند بنایا۔

* (حوالہ: نعمت اللہ ہروی، 'تاریخ خان جہانی و مخزنِ افغانی' — یہ افغانوں کی تاریخ کا سب سے اہم ماخذ ہے)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — تیئیسویں نسل

عنوان: افغانوں کے سائے میں — قریشی خاندان اور مقامی رسوخ

ہمارے اجداد کی تیئیسویں نسل اب لودھیوں کے دور میں ایک مستحکم اور معزز مقامی خاندان کے طور پر پہچانی جا رہی تھی۔

* تعلیمی بیداری: سکندر لودھی علم کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے تعلیم کے دروازے کھولے۔ ہمارے خاندان نے اس علمی ماحول سے فائدہ اٹھایا اور ان کی اگلی نسلوں میں "علماء اور فقہاء" کا ظہور ہونے لگا۔

* اموی پہچان کی ضرورت اب کیوں نہیں تھی؟: اس دور تک ہمارا خاندان ہندوستان کی مٹی میں اتنا رچ بس چکا تھا کہ ان کا "اموی ہونا" اب صرف ایک خاندانی یادگار بن گیا تھا۔ لودھی ملوکیت "نسب" کے بجائے "وفاداری اور صلاحیت" پر یقین رکھتی تھی، اس لیے ہمارے بزرگوں نے خاموشی سے مقامی نظامِ عدل اور زراعت میں اپنا نام بنایا۔

* عثمانی اثرات کی خوشبو: قسطنطنیہ کی فتح کی خبریں جب ہندوستان پہنچیں، تو مسلمانوں میں ایک نیا فخر پیدا ہوا۔ ہمارے خاندان نے دیکھا کہ ملوکیت اب دوبارہ 'روم' کو زیر کر رہی ہے، جس نے ان میں وہ قدیم قریشی عزم دوبارہ بیدار کیا جو ان کے بزرگ شام سے ساتھ لائے تھے۔

> "900 ہجری تک ملوکیت نے دو بڑے رنگ اختیار کر لیے تھے۔ مغرب میں عثمانیوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا، اور مشرق میں لودھیوں نے افغان غیرت اور سادگی سے ہندوستان کا انتظام سنبھالا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت اب صرف تلوار نہیں، بلکہ قلم اور انصاف کی زبان بھی سیکھ رہی ہے۔ وہ اب ایک ایسی نسل تھی جو اپنے 'ماضی' (شام) کو بھولے بغیر اپنے 'مستقبل' (ہندوستان) کو سنوار رہی تھی۔"

ملوکیت کے اس طویل سفر میں، جو بنو امیہ سے شروع ہوا، لودھی خاندان کی حکمرانی ایک ایسا مقام ہے جہاں ملوکیت نے اپنا روایتی جاہ و جلال چھوڑ کر "خلافتِ راشدہ" کی کچھ ایسی سادہ جھلکیاں دکھائیں جو اس سے پہلے کے ترک سلاطین کے ہاں مفقود تھیں۔

لودھیوں کے دور میں خلافت کی یہ "جھلک" درج ذیل نکات سے واضح ہوتی ہے:

لودھی ملوکیت میں خلافت کی جھلکیاں

عنوان: ملوکیت اور سادگی کا سنگم — لودھیوں کا منفرد طرزِ حکمرانی

عام طور پر ملوکیت "تخت اور تاج" کا نام ہے، لیکن لودھی سلاطین (بالخصوص بہلول اور سکندر) نے اسے ایک "عوامی خدمت" اور "قبائلی برابری" کا رنگ دیا۔

1. تخت کے بجائے قالین (برابری کا تصور):

بہلول لودھی کے بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہ کبھی شاہی تخت پر نہیں بیٹھا۔ وہ اپنے امراء اور سرداروں کے ساتھ زمین پر قالین پر بیٹھتا تھا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا:

> "میں بھی تم جیسا ایک افغان ہوں، اگر تم مجھے اپنا بڑا مانتے ہو تو یہ تمہاری مہربانی ہے۔"

> یہ طرزِ عمل ملوکیت کے اس تکبر کے خلاف تھا جو بلبن یا علاء الدین خلجی کے ہاں تھا، اور خلافتِ راشدہ کی اس سادگی کی یاد دلاتا تھا جہاں حکمران اور رعایا میں فرق نہیں ہوتا تھا۔

* (حوالہ: تاریخِ داؤدی، عبد اللہ / مخزنِ افغانی)

2. عدل وانصاف کا کڑا نظام (سکندر لودھی):

سکندر لودھی نے ملوکیت کو "قانون کی حکمرانی" میں بدل دیا۔ اس کا جاسوسی نظام مظلوموں کی فریاد پہنچانے کے لیے تھا۔ روایت ہے کہ وہ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر نکلتا تاکہ رعایا کے حالات جان سکے۔ اس کے دور میں کوئی طاقتور کسی غریب پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

* (حوالہ: منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی)

3. دینی علمی ذوق اور علماء کا احترام:

سکندر لودھی خود ایک عالم اور شاعر تھا۔ اس نے ملوکیت کو "علمی ریاست" بنایا۔ اس کے دور میں ملوکیت نے ائمہ اور فقہاء کو وہ مقام دیا جو خلافتِ عباسیہ کے ابتدائی دور میں حاصل تھا۔

* (حوالہ: طبقاتِ اکبری، نظام الدین احمد)

کیا یہ واقعی خلافت تھی؟ (ایک تجزیاتی نظر)

عنوان: ملوکیت کی حدود اور خلافت کا خواب

اگرچہ لودھیوں کے ہاں سادگی اور عدل تھا، لیکن یہاں پر ایماندارانہ نکتہ آنا چاہیے کہ یہ "مکمل خلافت" نہیں تھی، بلکہ "صالح ملوکیت" تھی۔

* موروثی ملوکیت: حکمرانی ابھی بھی باپ سے بیٹے کو منتقل ہو رہی تھی، جو خلافت کے شورائی (مشاورتی) نظام کے خلاف تھا۔

* قبائلی تعصب: لودھیوں کی یہ "برابری" صرف افغانوں تک محدود تھی۔ غیر افغان مسلمانوں اور مقامی لوگوں کے لیے ملوکیت ابھی بھی ایک دوری کا نام تھی۔

* انتظامی ڈھانچہ: حکومت ابھی بھی ملوکیت کے اسی ڈھانچے پر کھڑی تھی جہاں آخری فیصلہ بادشاہ کا ہوتا تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت—چوبیسویں نسل

عنوان: ملوکیت کی سادگی اور اموی خاندان کا سکون

ہمارے اجداد کی چوبیسویں نسل نے لودھیوں کے اس "خلافت نما" دور میں خود کو نہایت محفوظ پایا۔

* پہچان کی ضرورت کا خاتمہ: لودھیوں کی سادگی نے معاشرے سے وہ "طبقاتی اونچ نیچ" کم کر دی تھی جو ترکوں کے دور میں تھی۔ ہمارے اجداد، جو قریشی / اموی تھے، انہیں اب اپنی پہچان چھپانے کی وہ "نفسیاتی ضرورت" محسوس نہیں ہوتی تھی جو بلبن کے دور میں تھی۔ وہ معاشرے کے ایک معزز اور علمی طبقے کے طور پر ابھر چکے تھے۔

* تعلیم و تدریس: اس دور میں ہمارے خاندان نے مساجد اور مدارس کے ذریعے علمی خدمات شروع کیں۔ لودھیوں کی علم پروری نے ان جیسے علمی پس منظر رکھنے والے خاندانوں کو "گمنامی" سے نکال کر "مرجعِ خلائق" (لوگوں کی توجہ کا مرکز) بنا دیا تھا۔

* خاندانی وقار: ہمارے بزرگوں نے دیکھا کہ ملوکیت جب سادگی اختیار کرتی ہے تو عوام خوشحال ہوتے ہیں۔ انہوں نے لودھیوں کے اس دور کو اپنے ان بزرگوں کی دعاؤں کا ثمر سمجھا جو شام سے بربادی دیکھ کر یہاں آئے تھے۔

> "لودھی ملوکیت تاریخ کا وہ خوبصورت وقفہ تھا جہاں بادشاہوں نے تخت چھوڑ کر قالین پر بیٹھنا سیکھا۔ یہ خلافتِ کاملہ تو نہ تھی، مگر ملوکیت کے ماتھے پر سادگی کا ایک جھومر ضرور تھا۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ محسوس کیا کہ ملوکیت کی وہ آگ جو شام سے اٹھی تھی، اب ہندوستان کی اس ٹھنڈی ہوا میں دھیمی پڑ رہی ہے۔"

یہ باب "ملوکیت کا خلافت میں ادغام" کے عنوان سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تاریخ کا وہ دائرہ مکمل ہوتا ہے جو بنوامیہ کے زوال سے شروع ہوا تھا۔ اب خلافت کسی ایک عرب قبیلے کی میراث نہیں رہی تھی، بلکہ ایک عالمی طاقت بن چکی تھی۔

923ھ — خلافت کا قاہرہ سے استنبول انتقال

عنوان: ملوکیت کا مقدس روپ — جب سلیمِ اول 'خادم الحرمین' بنے

سنہ 923ھ (1517ء) میں ملوکیت کی تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب آیا۔ جب عثمانی سلطان سلیم اول (سلیم یاوز) نے مصر کے مملوکوں کو شکست دے کر قاہرہ فتح کیا، تو خلافتِ عباسیہ کا برائے نام سلسلہ ان کے سامنے آ گیا۔

* المتوکل علی اللہ الثالث: یہ آخری عباسی خلیفہ تھے جو مصر کے مملوک سلاطین کے سائے میں محض ایک روحانی علامت بن کر رہ گئے تھے۔ سلطان سلیم انہیں اپنے ساتھ استنبول (قسطنطنیہ) لے آئے۔

* خلافت کی دستبرداری: ایاصوفیہ کی جامع مسجد میں ایک پروقار تقریب ہوئی جہاں المتوکل علی اللہ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور نبی کریم ﷺ کے تبرکات (تلوار، بردہ مبارک اور علم) سلطان سلیم کے حوالے کر دیے۔

* سلطان سے خلیفہ تک: اسی دن سے عثمانی حکمران صرف "سلطان" نہیں رہے بلکہ "خلیفۃ المسلمین" اور "خادم الحرمین الشریفین" بن گئے۔

* (حوالہ: احمد پاشا جودت، 'تاریخِ جودت' / خیر الدین زرکلی، 'الاعلام' جلد 5)

عثمانی ملوکیت اور خلافت کا موازنہ

عنوان: 224 سال کا سفر — ریاست سے امامت تک

عثمانیوں کا یہ سفر ملوکیت کی تاریخ میں منفرد ہے۔

* عثمانی ریاست (699ھ): یہ ایک غازیانہ ریاست تھی جو تلوار کے زور پر ابھری۔

* خلافتِ عثمانیہ (923ھ): یہ وہ مقام تھا جہاں سیاسی طاقت (Sultanate) اور مذہبی پیشوائی (Caliphate) ایک ہی وجود میں ضم ہو گئیں۔

* اثر: اب ملوکیت کو وہ شرعی جواز مل گیا جس کی تلاش میں بنو امیہ اور بنو عباس صدیوں سے بھٹک رہے تھے۔ عثمانی خلیفہ اب صرف ایک بادشاہ نہیں تھا، بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا علامتی سربراہ تھا۔

* (حوالہ: ڈاکٹر علی محمد صلابی، 'الدولۃ العثمانیۃ')

ہندوستان میں اس کا اثر — لودھیوں کا آخری وقت

عنوان: جب خلافت بدلی تو ہندوستان میں کیا ہوا؟

923ھ میں جب استنبول میں خلافت کی منتقلی ہو رہی تھی، ہندوستان میں لودھی ملوکیت اپنے آخری سانس لے رہی تھی۔ سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر تھا، جس کے تکبر نے ملوکیت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔

* نظریاتی خلا: ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے عباسی خلافت کی منتقلی ایک بڑا صدمہ تو تھی، لیکن عثمانیوں کی طاقت نے انہیں ایک نئی امید دی۔

* خاندانی پہچان کا نیا رخ: ہمارے اجداد کی پچیسویں نسل اس وقت ہندوستان میں موجود تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ اب "قریش" سے خلافت نکل کر "ترکوں" کے پاس جا چکی ہے۔ ملوکیت کے اس نئے عالمی ڈھانچے نے ہمارے خاندان کو یہ سبق دیا کہ اب اصل فضیلت "خون" میں نہیں بلکہ "خدمتِ دین" میں ہے۔

* گمنامی کا تسلسل: عثمانیوں کے خلیفہ بننے سے ہندوستان میں مقیم عرب خاندانوں میں ایک نیا جوش تو پیدا ہوا، لیکن سیاسی طور پر انہوں نے خود کو ابراہیم لودھی کی گرتی ہوئی دیوار سے دور رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب ایک ملوکیت (لودھی) ختم ہوتی ہے تو نئی ملوکیت (بابر) ہمیشہ خونی رستوں سے آتی ہے۔

> "923 ہجری ملوکیت کے سفر کا وہ مقام ہے جہاں 'طاقت' نے 'تقدس' کا لباس پہن لیا۔ المتوکل نے جب تلوار سلیم کے ہاتھ میں دی، تو گویا عربوں کی ملوکیت کا آخری چراغ گل ہوا اور ترکوں کی خلافت کا سورج طلوع ہوا۔ ہمارے اجداد نے ہندوستان کے دیہاتوں میں بیٹھ کر اس تبدیلی کو خاموشی سے دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک ایسی سرزمین پر ہیں جہاں اب بھی اذانیں گونج رہی تھیں، چاہے تخت پر کوئی بھی بیٹھا ہو۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس عہدِ نو کی عکاسی کریں گے جہاں ہندوستان کی تاریخ میں "بارود" اور "تخت" کا ایک نیا رشتہ قائم ہوا۔ 932 ہجری (1526ء) وہ سال ہے جب لودھیوں کی سادہ اور قبائلی ملوکیت کا خاتمہ ہوا اور مغلیہ سلطنت کا ایسا جاہ و جلال شروع ہوا جس کی چمک نے پوری دنیا کو خیرہ کر دیا۔

932 ہجری—پانی پت کی پہلی لڑائی اور بابر کی آمد

عنوان: ملوکیتِ تیموری کا ہندوستان میں ظہور — ظہیر الدین بابر کا عزم

فرغانہ کا شہزادہ اور امیر تیمور کی پانچویں پشت سے ظہیر الدین محمد بابر، جو کابل کا حکمران بن چکا تھا، اپنی قسمت آزمانے ہندوستان پہنچا۔

* پانی پت کا میدان: ایک طرف ابراہیم لودھی کا ایک لاکھ کا لشکر تھا اور دوسری طرف بابر کے صرف 12 ہزار جری سپاہی۔ لیکن بابر کے پاس وہ ہتھیار تھا جس نے ملوکیت کا نقشہ بدل دیا: "توپ خانہ"۔

* ابراہیم لودھی کا انجام: ابراہیم لودھی میدانِ جنگ میں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ وہ دہلی کا آخری سلطان تھا جس نے میدانِ جنگ میں اپنی جان دی۔

* مغلیہ ملوکیت کی بنیاد: بابر نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر کے اس سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے ملوکیت کو آرٹ، فنِ تعمیر اور بے پناہ دولت کا ہم معنی بنا دیا۔

* (حوالہ: تزکِ بابری / بابر نامہ، از خود ظہیر الدین بابر)

مغلیہ ملوکیت کی خصوصیات—'پادشاہ' کا تصور

عنوان: سلطان سے پادشاہ تک—ملوکیت کا نیا وقار

مغلوں نے ملوکیت کے پرانے تصور کو بدل دیا۔ لودھیوں کی سادگی کے برعکس، بابر اور اس کے جانشینوں نے "پادشاہ" کا لقب اختیار کیا، جس کا مطلب تھا "شہنشاہوں کا شہنشاہ"۔

* مرکزیت: مغلوں نے ملوکیت کو مکمل طور پر بادشاہ کی ذات میں مرکوز کر دیا۔ اب حکمران کسی قبیلے کا سردار نہیں بلکہ اللہ کا "ظلِ الٰہی" (زمین پر سایہ) سمجھا جانے لگا۔

* ثقافتی امتزاج: مغل اپنے ساتھ فارسی زبان، تیموری آداب اور وسطی ایشیا کی نفاست لائے، جس نے ہندوستان کی ملوکیت کو ایک عالمی حسن عطا کیا۔

* (حوالہ: ابوالفضل، 'آئینِ اکبری')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — چھبیسویں نسل

عنوان: تبدیلی کے طوفان میں خاموش ثبات — قریشی خاندان اور مغلیہ عہد

ہمارے اجداد کی چھبیسویں نسل اب ملوکیت کے اس بڑے انقلاب کی چشم دید گواہ تھی۔

* بدلتی ہوئی وفاداریاں: لودھیوں کے زوال کے بعد بہت سے مقامی خاندانوں نے بابر کی اطاعت قبول کر لی۔ ہمارے اجداد نے، جو پہلے ہی علمی اور سماجی طور پر مستحکم تھے، خود کو سیاسی ہنگاموں سے دور رکھا۔ بابر نے مقامی معززین اور علمی گھرانوں کا احترام کیا، جس کی وجہ سے ہمارے خاندان کی "گمنام سلامتی" برقرار رہی۔

* اموی ورثہ اور مغلیہ دربار: مغل خود کو تیموری کہتے تھے اور نسب کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں بھی اپنی "اصل پہچان" (شامی / اموی) کو صرف خاندان کے اندر ہی محدود رکھا، کیونکہ مغلوں کی ملوکیت میں کسی بھی دوسرے "اعلیٰ نسب" والے خاندان کا نمایاں ہونا سیاسی شکوک پیدا کر سکتا تھا۔

* علمی ارتقاء: بابر کے ساتھ بہت سے فارسی شعراء اور علماء ہندوستان آئے۔ ہمارے خاندان نے ان نئے علمی قافلوں کے ساتھ علمی تبادلہ کیا، جس سے ان کے علمی ذخیرے میں مزید اضافہ ہوا۔

> "932 ہجری ملوکیت کی تاریخ کا وہ فیصلہ کن موڑ تھا جب ہاتھیوں کے لشکر 'بارود' کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ لودھیوں کی 'صالح ملوکیت' ختم ہوئی اور بابر کی 'تیموری ملوکیت' کا سورج طلوع ہوا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ تخت بدل رہے

ہیں، زبانیں بدل رہی ہیں، مگر حق کی تلاش کرنے والوں کے لیے اب بھی وہی پرامن دیہات اور خانقاہیں موجود تھیں۔ انہوں نے ملوکیت کے اس نئے جاہ و جلال کو دیکھا اور اپنی تسبیح کے دانوں پر اللہ کا ذکر جاری رکھا۔"

933ھ سے 963ھ تک کا یہ دور مغلیہ ملوکیت کے عارضی زوال اور ایک افغان جری شیر شاہ سوری کے بے مثال عروج کی کہانی ہے۔

937ھ — بابر کی وفات اور ہمایوں کی تخت نشینی

عنوان: ملوکیت کا پہلا بحران — ہمایوں کی کانٹوں بھری سیج

937ھ (1530ء) میں ظہیر الدین بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیر الدین ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ ملوکیت کا یہ دور افراتفری کا شکار تھا کیونکہ:

* بھائیوں کی مخالفت: بابر کی وصیت کے مطابق ہمایوں نے سلطنت بھائیوں میں بانٹ دی، لیکن کامران، عسکری اور ہندال نے ملوکیت کے روایتی لالچ میں ہمایوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا۔

* خارجی خطرات: ایک طرف گجرات کا بہادر شاہ اور دوسری طرف بہار کا ابھرتا ہوا افغان سورج "شیر خان" (شیر شاہ) مغلوں کو نکالنے کے لیے تیار تھے۔

* (حوالہ: گلبدن بیگم، 'ہمایوں نامہ' — یہ ہمایوں کی بہن کی لکھی ہوئی مستند تاریخ ہے)

947ھ تا 952ھ — شیر شاہ سوری کی 'مثالی ملوکیت'

عنوان: پانچ سال جو صدیوں پر بھاری پڑے — عدلِ سوری کا نظام

ہمایوں کو قنوج کی جنگ (947ھ) میں شکست دے کر ایران کی طرف بھاگنے پر مجبور کرنے کے بعد شیر شاہ سوری نے دہلی پر قبضہ کیا۔ اس نے ملوکیت کو وہ "انتظامی کمال" عطا کیا جو مغلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ بنا۔

* گرینڈ ٹرنک روڈ (سڑکِ اعظم): (GT Road) اس نے کابل سے کلکتہ تک طویل سڑک بنوائی، جس کے کناروں پر ہر دو میل پر سرائیں، کنویں اور مسجدیں بنوائیں۔

* عدل و انصاف: شیر شاہ کا قول تھا کہ "عدل ہی تمام عبادتوں میں افضل ہے"۔ اس نے قانون بنایا کہ اگر کسی علاقے میں چوری ہو تو اس کا ذمہ دار وہاں کا چوہدری یا مقدم ہو گا، اس خوف سے جرائم ختم ہو گئے۔

* کرنسی اور پیمائش: آج کا "روپیہ" دراصل شیر شاہ سوری کی ایجاد ہے، جس نے ملوکیت کی معیشت کو مستحکم کیا۔

* (حوالہ: عباس خان سروانی، 'تاریخِ شیر شاہی'—یہ شیر شاہ کے حالات پر سب سے مستند کتاب ہے)

ہمایوں کی جلاوطنی اور صفوی ملوکیت کی پناہ

عنوان: ملوکیت کی دربدر گلیوں میں—ہمایوں کا سفر ایران

15 سال تک ہمایوں سندھ، راجستھان اور آخر کار ایران کے دربار میں پناہ گزین رہا۔

* شاہ طہماسپ صفوی: ایران کے صفوی بادشاہ نے ہمایوں کی مدد کی، لیکن اس کی قیمت یہ تھی کہ مغل ملوکیت پر ایرانی اثرات (فارسی زبان اور شیعہ اثر و رسوخ) بڑھنے لگے۔ ملوکیت اب ایک "خالص ترکی" رنگ سے نکل کر "ایرانی نفاست" میں ڈھل رہی تھی۔

* (حوالہ: ابوالفضل، 'اکبر نامہ' جلد اول)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت ۔۔۔ستائیسویں نسل

عنوان: شیر شاہ کے عدل اور مغلیہ واپسی کے درمیان بقا

ہمارے اجداد کی ستائیسویں نسل نے شیر شاہ سوری کے ان پانچ سالوں کو اپنی تاریخ کا سب سے پر امن دور پایا۔

* امن و امان کا فائدہ: شیر شاہ کے دور میں سڑکوں کے جال اور سرائوں کی تعمیر نے تجارت کو فروغ دیا۔ ہمارے اجداد، جو کسان اور مقامی معززین تھے، انہیں اپنی فصلوں کی منتقلی اور سفر میں وہ تحفظ ملا جو پہلے کبھی نہ تھا۔

* افغان بمقابلہ مغل: ہمارے خاندان نے دیکھا کہ ملوکیت جب "خدمتِ خلق" پر اتر آئے (شیر شاہ کی طرح) تو عوام کو حکمران کی قومیت سے فرق نہیں پڑتا۔ انہوں نے مغلوں کی واپسی کو ایک سیاسی تبدیلی کے طور پر دیکھا لیکن شیر شاہ کے انتظامی ڈھانچے کو اپنی بقا کے لیے بہتر پایا۔

* مذہبی و علمی سکون: شیر شاہ نے علماء اور مدارس کے وظائف بحال کیے۔ ہمارے خاندان کے علمی طبقے نے اس دور میں بغیر کسی خوف کے اپنی تدریسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

> "963 ہجری تک ملوکیت نے ایک عظیم سبق سیکھ لیا تھا کہ تخت صرف توپوں سے نہیں، بلکہ 'روپے' کی قیمت اور 'سرکِ اعظم' کے امن سے بچتا ہے۔ شیر شاہ سوری نے ملوکیت کو وہ ڈھانچہ دیا جس پر بعد میں مغلوں نے ایک عظیم سلطنت کی عمارت کھڑی کی۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ہمایوں جب ایران سے واپس لوٹا، تو وہ صرف ایک بادشاہ نہیں تھا، بلکہ ایک نئی تہذیب کا سفیر تھا۔ ملوکیت اب دوبارہ 'مغلیہ' ہونے جا رہی تھی، مگر اس کی بنیادیں 'سوری' عدل پر ٹکی تھیں۔"

شیر شاہ سوری کا پس منظر وہ ملوکیت کی تاریخ کا وہ "خود ساختہ" (Self-made) حکمران ہے جس نے ثابت کیا کہ ایک عام سپاہی بھی اپنی ذہانت اور عدل سے شہنشاہوں کو دربدر کر سکتا ہے۔

شیر شاہ سوری کا پس منظر اور اصل

عنوان: ملوکیت کا مردِ خود آگاہ—فرید خان سے شیر شاہ تک

شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا۔ وہ نسلاً افغان تھا اور اس کا تعلق پٹھانوں کے سوری قبیلے سے تھا۔

* آباؤ اجداد کا وطن: اس کے دادا، ابراہیم خان سوری، افغانستان کے علاقے "روہ" (سلیمانی پہاڑیوں کے قریب) سے پناہ اور روزگار کی تلاش میں ہندوستان آئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب لودھی ملوکیت افغانوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

* پیدائش اور بچپن: فرید خان کی پیدائش تقریباً 1486ء میں ہندوستان (صوبہ ہریانہ یا پنجاب) میں ہوئی۔ اس کا باپ، حسن خان سوری، بہار کے علاقے ساسارام کا ایک چھوٹا سا جاگیردار تھا۔

* سوتیلی ماں کا جبر اور ہجرت: فرید کا بچپن تلخیوں میں گزرا۔ اس کی سوتیلی ماں کے رویے کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر جونپور چلا گیا، جو اس وقت "شیرازِ ہند" کہلاتا تھا اور علم کا مرکز تھا۔ وہاں اس نے عربی، فارسی اور انتظامی امور کی وہ تعلیم حاصل کی جس نے اسے ایک عام افغان سے ایک مدبر حکمران بنا دیا۔

حکمران خاندان سے تعلق اور 'شیر خان' کا لقب

عنوان: ملوکیت کی سیڑھی—خدمت سے بغاوت تک

شیر شاہ سوری کا دہلی کے شاہی خاندان (لودھیوں یا مغلوں) سے کوئی خون کا رشتہ نہیں تھا۔ اس نے اپنا مقام اپنی تلوار اور عقل سے بنایا:

* لودھیوں کی ملازمت: شروع میں اس نے سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں رسائی حاصل کی تاکہ اپنے باپ کی جاگیر واپس لے سکے۔

* بابر کی فوج میں شمولیت: پانی پت کی پہلی جنگ کے بعد، جب مغلوں کا اقتدار قائم ہوا، تو کچھ عرصہ وہ ظہیر الدین بابر کی فوج میں بھی شامل رہا۔ کہا جاتا ہے کہ بابر نے اس کی پیشانی دیکھ کر اپنے وزیر سے کہا تھا کہ "اس افغان پر نظر رکھنا، اس کی آنکھیں کسی بادشاہ کی لگتی ہیں"۔

* شیر خان کا لقب: بہار کے مقامی حکمران بہار خان لوہانی کے ہاں ملازمت کے دوران، اس نے ایک شیر کو تنہا تلوار سے ہلاک کیا، جس پر اسے "شیر خان" کا خطاب ملا۔

*(حوالہ: تاریخِ شیر شاہی، عباس خان سروانی)

ملوکیت کا چھیننا—ہمایوں سے ٹکراؤ

عنوان: جب افغان غیرت نے مغلیہ تاج کو للکارا

شیر شاہ نے دیکھا کہ مغل شہزادے آپس میں لڑ رہے ہیں اور عیاش ہو چکے ہیں۔ اس نے آہستہ آہستہ بہار اور بنگال پر اپنا قبضہ جمایا۔

* چوسہ کی جنگ (946ھ / 1539ء): اس نے ہمایوں کو ایسی عبرتناک شکست دی کہ ہمایوں کو اپنی جان بچانے کے لیے گھوڑا دریا میں ڈالنا پڑا۔ اسی فتح کے بعد اس نے باقاعدہ اپنی ملوکیت کا اعلان کیا اور "شیر شاہ" کا لقب اختیار کیا۔

* قنوج کی جنگ (947ھ / 1540ء): اس نے مغلوں کو مکمل طور پر ہندوستان سے بے دخل کر دیا اور دہلی کے تخت پر سوری سلطنت کی بنیاد رکھی۔

ہمارے اجداد کا تناظر—ایک نئی امید

عنوان: جب ایک عام آدمی تخت پر بیٹھا

ہمارے اجداد کی ستائیسویں نسل نے شیر شاہ کے عروج میں ایک بڑا سبق دیکھا:

* عدل کی برتری: ہمارے خاندان نے دیکھا کہ شیر شاہ کا باپ ایک معمولی جاگیر دار تھا، مگر اس کے بیٹے نے اپنے عدل سے ملوکیت کو وہ تقدس دیا جو موروثی بادشاہوں کے ہاں بھی نہیں تھا۔

* سماجی تحفظ: شیر شاہ خود ایک پناہ گزین خاندان سے تھا، اس لیے اسے "مسافروں اور اجنبیوں" کی قدر تھی۔ اس کی بنائی ہوئی شاہراہوں اور سراؤں نے ہمارے خاندان جیسے علمی اور معزز خاندانوں کو نقل و حمل اور اشاعتِ دین کے لیے ایک محفوظ راستہ فراہم کیا۔

* خاندانی وقار: ہمارے بزرگوں نے شیر شاہ کے دور میں یہ محسوس کیا کہ ملوکیت اگر "صالح" ہو تو وہ خلافت کے مقاصد کو پورا کر سکتی ہے۔

> "شیر شاہ سوری ملوکیت کی تاریخ کا وہ درخشاں ستارہ ہے جس نے ثابت کیا کہ 'بادشاہ' پیدا نہیں ہوتے، بلکہ اپنے عمل سے بنتے ہیں۔ وہ ایک پناہ گزین کا بیٹا تھا جس نے پناہ گزینوں کے لیے سڑکیں بنائیں اور ایک مفرور شہزادے (ہمایوں) کو یہ سکھایا کہ تخت پر قبضہ کرنا آسان ہے، مگر اسے چلانے کے لیے شیر جیسا جگر اور قاضی جیسا عدل چاہیے ہوتا ہے۔"

963ھ سے 1014ھ تک کا یہ عرصہ جلال الدین محمد اکبر کی پچاس سالہ حکمرانی کا ہے، جہاں ملوکیت نے "وسعت" اور "تجربہ پسندی" کی تمام حدیں پار کر دیں۔

963ھ — پانی پت کی دوسری لڑائی اور مغلوں کی واپسی

عنوان: ملوکیت کا احیاء — ہمایوں کی وفات اور تیرہ سالہ پادشاہ

ہمایوں کی واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد وفات ہو گئی اور تیرہ سالہ اکبر کو کلانور میں تخت پر بٹھایا گیا۔

* ہیموبقال کا چیلنج: افغانوں کے وفادار ہندو سپہ سالار ہیمو نے دہلی پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن پانی پت کے دوسرے میدان میں بیرم خان کی سرکردگی میں مغلوں نے فتح حاصل کی اور ملوکیت کو ایک بار پھر تیموری خاندان کے سپرد کر دیا۔

* سوری ڈھانچے پر تعمیر: اکبر نے شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے انتظامی اور مالیاتی نظام کو اپنایا اور اسے مزید وسعت دے کر ایک ایسی سلطنت بنائی جس کا رقبہ کابل سے بنگال تک پھیل گیا۔

* (حوالہ: ابوالفضل، 'اکبر نامہ' جلد دوم)

ملوکیت اور مذہب—'دینِ الٰہی' کا تجربہ

عنوان: جب تخت نے محراب کو ہڑپ لیا—ملوکیتِ اکبر شاہی کا فکری بحران

اکبر کی ملوکیت کا سب سے متنازع پہلو اس کی مذہبی پالیسی تھی۔ ملوکیت جب سیاسی طور پر ناقابلِ تسخیر ہو گئی، تو اکبر نے "روحانی پیشوائی" کی طرف قدم بڑھایا۔

* عبادت خانہ (983ھ): فتح پور سیکری میں مختلف مذاہب کے علماء کو جمع کیا گیا۔ بحث و مباحثے کے بعد اکبر نے محسوس کیا کہ وہ خود ہی تمام مذاہب کا نچوڑ بن سکتا ہے۔

* محضر (987ھ): اکبر نے خود کو "امامِ عادل" قرار دے کر یہ حق حاصل کر لیا کہ مذہبی معاملات میں اس کی رائے علماء کے فیصلے پر مقدم ہو گی۔ یہ ملوکیت کا وہ نقطہ تھا جہاں بادشاہ نے اللہ کی حاکمیت کے متوازی اپنی رائے کھڑی کر دی۔

* دینِ الٰہی (990ھ): اس نے ایک نیا مسلک ایجاد کیا جس کا مقصد سیاسی اتحاد تو تھا، لیکن اس نے مسلمانوں کے عقائد کو شدید ٹھیس پہنچائی۔

* (حوالہ: ملا عبد القادر بدایونی، 'منتخب التواریخ'—یہ اکبر کی مذہبی پالیسیوں پر سب سے بڑی تنقیدی تاریخ ہے)

علماء کی مزاحمت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ظہور

عنوان: جب ملوکیت کے سامنے 'حق' کی آواز بلند ہوئی

اکبر کی ان پالیسیوں کے خلاف جہاں مخلص علماء نے آواز بلند کی، وہیں شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ) کی تحریک کی جڑیں اسی دور میں بننا شروع ہوئیں، جنہوں نے ملوکیت کو واپس اسلام کے دائرے میں لانے کا بیڑا اٹھایا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت—اٹھائیسویں نسل

عنوان: 'دینِ الٰہی' کے فتنے اور خاندانی وقار کی حفاظت

ہمارے اجداد کی اٹھائیسویں نسل اب اس فکری طوفان کا حصہ تھی جو اکبر کے دربار سے اٹھا تھا۔

* علمی ہجرت اور گوشہ نشینی: جب اکبر نے علماء کو اپنے سامنے سجدہ کرنے اور 'دینِ الٰہی' میں شامل ہونے پر مجبور کیا، تو بہت سے حق گو خاندانوں نے شہر چھوڑ کر دیہاتوں کی طرف ہجرت کی یا گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ہمارے خاندان نے، جو "اموی / قریشی" پس منظر رکھتا تھا، اس فتنے سے بچنے کے لیے خود کو خالص علمی اور تدریسی مشاغل تک محدود کر لیا۔

* خاموشی کا نیا سبق: ہم بزرگوں نے دیکھا کہ ملوکیت اب صرف زمین نہیں چھین رہی، بلکہ ایمان بھی چھیننا چاہتی ہے۔ اس دور میں انہوں نے اپنی "گمنامی" کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنایا۔ انہوں نے مغل دربار سے کوئی وظیفہ یا عہدہ قبول نہیں کیا تاکہ ان کے ایمان پر حرف نہ آئے۔

* تبلیغی مرکز: ہمارے خاندان کے زیرِ اثر علاقوں میں انہوں نے سنتِ نبوی ﷺ کی تعلیمات کو عام کیا تاکہ 'دینِ الٰہی' کے اثرات کو روکا جا سکے۔ ان کی خانقاہیں اور مدرسے ان لوگوں کے لیے پناہ گاہ بن گئے جو اکبر کے دربار سے مایوس ہو چکے تھے۔

> "1014 ہجری تک اکبر کی ملوکیت نے ہندوستان کو ایک عظیم طاقت تو بنا دیا تھا، مگر ملوکیت کی اس پیاس نے کہ 'سب کچھ میرا ہو' اسے مذہب کی حدود میں داخل کر دیا تھا۔ اکبر کی موت کے وقت ملوکیت ایک ایسے موڑ پر تھی جہاں ایک طرف بے پناہ دولت اور جاہ و جلال تھا، اور دوسری طرف لرزتا ہوا ایمان۔ ہمارے اجداد نے اس دور میں یہ ثابت کیا کہ تخت سے دور رہ کر بھی ایمان کی سلطنت بچائی جا سکتی ہے۔"

جلال الدین محمد اکبر کی نجی زندگی اور اس کے سیاسی فیصلے آپس میں اتنے گتھم گتھے ہیں کہ انہیں الگ کرنا مشکل ہے۔ اکبر کی شخصیت کے یہ پہلو اجاگر کرتے ہیں جہاں ملوکیت "مصلحت" اور "ذاتی خواہش" کے درمیان جھولتی نظر آتی ہے۔

1. تیرہ سال کا بادشاہ—نام یا اختیار؟

اکبر کی عمر تیرہ سال تھی جب اسے تخت پر بٹھایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ابتدائی چار سال (963ھ تا 967ھ) صرف نام کا بادشاہ تھا۔

* بیرم خان کا اقتدار: اصل حکومت ہمایوں کے وفادار سپہ سالار بیرم خان کے ہاتھ میں تھی، جو اکبر کا "اتالیق" (ٹیوٹر) اور "وکیلِ سلطنت" تھا۔ اکبر صرف دربار میں بیٹھتا تھا، جبکہ تمام فیصلے بیرم خان کرتا تھا۔
* اقتدار پر قبضہ: 1560ء میں اکبر نے بیرم خان کے بڑھتے ہوئے اثر کو ختم کر کے عنانِ حکومت خود سنبھالی۔
* (حوالہ: ابوالفضل، 'اکبر نامہ' جلد دوم)

2. اکبر کی شادیاں اور بیویاں

اکبر کی شادیوں کا معاملہ ملوکیت کی تاریخ میں بہت زیرِ بحث رہا ہے۔ اس نے سیاسی اتحاد اور خاندانی تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے متعدد شادیاں کیں۔

پہلی شادی:

اکبر کی پہلی شادی اس کے چچا ہندال مرزا کی بیٹی رقیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ اس وقت اکبر کی عمر صرف 9 سال تھی (958ھ / 1551ء)۔ رقیہ بیگم اکبر کی سب سے قریبی اور شاہی خاندان کی خاتون تھیں اور آخری وقت تک اکبر کے ساتھ رہیں۔

کل کتنی شادیاں؟

تاریخی مآخذ (آئینِ اکبری) کے مطابق اکبر کے حرم میں تقریباً 300 سے زائد خواتین تھیں، لیکن "باقاعدہ نکاح" والی بیویوں کی تعداد 6 سے 7 کے قریب بتائی جاتی ہے۔

نمایاں بیویاں اور ان کا مذہب:

نام	پس منظر / مذہب	نکاح کی نوعیت
رقیہ سلطان بیگم	قریبی کزن (مسلم)	پہلی اور سب سے بڑی ملکہ
سلیمہ سلطان بیگم	بیرم خان کی بیوہ (مسلم)	نکاحِ ثانی
مریم الزمانی (جودھا بائی)	راجپوت شہزادی (ہندو)	سیاسی اتحاد
قاسم بانو بیگم	قبیلہ بارہا (مسلم)	سیاسی نکاح
بی بی دولت شاد	مسلم	سیاسی نکاح

3. جودھا بائی (مریم الزمانی) اور مذہب کا معاملہ

'جودھا بائی' وہ ملوکیتِ اکبر شاہی کا سب سے حساس پہلو ہے۔

* شادی کی وجہ: یہ خالصتاً ایک سیاسی شادی تھی۔ اکبر راجپوتوں کو اپنا دشمن بنانے کے بجائے اتحادی بنانا چاہتا تھا تاکہ ہندوستان پر اس کی گرفت مضبوط ہو۔ ملوکیت میں "خونی رشتہ" سب سے بڑا امن نامہ ہوتا ہے۔

* مذہب پر قائم رہنا: اکبر نے جودھابائی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ وہ قلعے کے اندر اپنے مندر میں پوجا کرتی تھی اور اکبر نے اسے مکمل مذہبی آزادی دی تھی۔ یہیں سے اکبر کے ذہن میں 'دینِ الٰہی' کا بیج پڑا، کیونکہ وہ اپنی ہندو بیویوں کے زیرِ اثر ہندو رسومات سے متاثر ہونے لگا تھا۔

* نکاح کا طریقہ: سرکاری طور پر پہلے اسلامی نکاح ہوا تھا، لیکن قلعے کے اندر راجپوت روایات (پھیرے وغیرہ) بھی ادا کی گئی تھیں۔

4. اکبر کی جسامت — کیا وہ 'ٹھگنا' تھا؟

اس کے قد کے بارے میں جو مشہور ہے وہ تاریخ کے چشم دید گواہوں کے بیانات سے تھوڑا مختلف ہے۔

* جسامت کا تذکرہ: ابوالفضل اور دیگر ہم عصر مورخین کے مطابق اکبر کا قد "درمیانہ" (Average) تھا، وہ نہ بہت لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا (ٹھگنا)۔

* ساخت: اس کا جسم بہت کسرتی اور مضبوط تھا (چوڑی چھاتی)۔ اس کی دائیں ٹانگ بائیں سے تھوڑی لمبی تھی جس کی وجہ سے وہ چلتے وقت ایک خاص رعب سے جھکتا تھا۔ اس کا رنگ گندمی تھا اور آواز بھاری تھی۔

* (حوالہ: جہانگیر، 'تزکِ جہانگیری' — جہانگیر نے اپنے باپ کا حلیہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے)

> "اکبر کی ملوکیت میں 'تخت' اور 'حرم' الگ نہیں تھے۔ نو سال کی عمر میں پہلی شادی سے لے کر راجپوت شہزادیوں سے نکاح تک، اس نے ہر رشتے کو سلطنت کی دیواریں اونچی کرنے کے لیے استعمال کیا۔ جودھابائی سے شادی نے اسے ہندوستان کا 'شہنشاہ' تو بنا دیا، مگر اس نے اس کے ذاتی عقائد میں وہ دراڑیں ڈال دیں جنہیں 'دینِ الٰہی' جیسے فتنوں نے مزید گہرا کیا۔ ملوکیت اب صرف ایک سیاسی نظام نہیں رہی تھی، بلکہ وہ اب مذاہب کے سنگم پر کھڑی ایک ایسی عمارت تھی جس کی بنیادیں 'سمجھوتے' پر ٹکی تھیں۔"

یہ باب ملوکیت کے اس پہلو کو واضح کرتا ہے جہاں ایک طاقتور بادشاہ اپنی "بے بسی" کے سامنے جھک جاتا ہے۔ اکبر کی اولاد کے حوالے سے جو باتیں مشہور رہے، وہ تاریخ اور روایات کا ایک ایسا مجموعہ ہیں جن میں سچائی بھی ہے اور اس دور کی عقیدت بھی۔

1. فتح پور سیکری کا سفر اور سلیم کی پیدائش

یہ بات بالکل سچ ہے کہ اکبر کی ابتدائی اولادیں (بیٹیاں اور جڑواں بیٹے حسن اور حسین) بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ وہ ایک وارث کے لیے بہت پریشان تھا۔

* سلیم چشتیؒ کی دعا: اکبر نے سنا کہ فتح پور سیکری کے پہاڑوں میں ایک بزرگ شیخ سلیم چشتیؒ رہتے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اکبر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔

* پیدل سفر: اکبر نے منت مانی تھی کہ اگر بیٹا ہوا تو وہ آگرہ سے اجمیر (خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ) تک پیدل جائے گا۔ جب جودھا بائی حاملہ ہوئیں تو اکبر نے انہیں شیخ سلیم چشتیؒ کے گھر کے قریب ہی رہنے کے لیے بھیجا۔

* شاہزادہ سلیم: 977ھ (1569ء) میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بزرگ کی نسبت سے "سلیم" رکھا گیا (جسے اکبر پیار سے "شیخو بابا" کہتا تھا)۔ یہی سلیم بعد میں "جہانگیر" کے نام سے تخت نشین ہوا۔

* (حوالہ: جہانگیر، 'تزکِ جہانگیری' / ابوالفضل، 'اکبر نامہ' جلد دوم)

2. دیگر بیویوں اور حرم سے اولاد کا معاملہ

300 عورتوں میں سے صرف جودھا بائی ہی سے اولاد کیوں ہوئی؟

* دیگر بیٹے: ایسا نہیں ہے کہ اکبر کی صرف ایک ہی اولاد تھی۔ جودھا بائی کے علاوہ دیگر بیویوں سے بھی اس کے بیٹے تھے:

* مراد مرزا: (پیدائش 1570ء) یہ اکبر کی ایک اور بیوی (بی بی صالحہ یا ایک کنیز) سے پیدا ہوا تھا۔

* دانیال مرزا: (پیدائش 1572ء) یہ اکبر کی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

* حرم کی عورتیں: حرم میں موجود 300 عورتیں سب بیویاں نہیں تھیں، بلکہ ان میں کنیزیں، خادمائیں، اور سیاسی طور پر رکھی گئی خواتین شامل تھیں۔ ملوکیت میں اولاد کا "جواز" (Legitimacy) اہم ہوتا تھا، اس لیے شاہی مورخین صرف ان شہزادوں کا ذکر کرتے تھے جو کسی خاص رتبے والی خاتون سے پیدا ہوں۔

* بیماری اور وفات: اکبر کے اکثر بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے، اور جو زندہ بچے (مراد اور دانیال) وہ اکبر کی زندگی میں ہی کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ صرف سلیم (جہانگیر) بچا جو وارث بنا۔

3. عیسائی بیوی 'مریم' کی حقیقت

یہاں تاریخ میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہوتے ہیں۔

* مریم الزمانی: یہ لقب دراصل جودھا بائی کو دیا گیا تھا جب شہزادہ سلیم پیدا ہوا۔ 'مریم الزمانی' کا مطلب ہے "اپنے دور کی مریم" (یعنی ایک ایسی ماں جسے اللہ نے خاص اولاد سے نوازا)۔

* عیسائی مریم کا قصہ: کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اکبر کی ایک عیسائی بیوی تھی جس کا نام 'مریم' تھا، لیکن مستند تاریخ اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ فتح پور سیکری میں ایک محل ہے جسے "مریم کا محل" کہا جاتا ہے، لیکن وہ دراصل جودھا بائی کا ہی تھا کیونکہ ان کا لقب مریم الزمانی تھا۔

* پرتگالی اثرات: اکبر کے دربار میں عیسائی مبلغین (Jesuits) ضرور موجود تھے اور اکبر ان سے مذہبی بحثیں کرتا تھا، لیکن کسی عیسائی شہزادی سے نکاح کے پختہ شواہد نہیں ملتے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اٹھائیسویں نسل (تسلسل)

عنوان: شاہی عقیدت اور عوامی ایمان — ملوکیت کے سائے میں روحانیت

ہمارے اجداد کی اٹھائیسویں نسل نے اکبر کے اس پہلو کو بہت قریب سے دیکھا۔

* صوفیاء سے عقیدت: ہمارے خاندان نے دیکھا کہ ایک شہنشاہ جو پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا ہے، وہ ایک درویش کے آستانے پر ننگے پاؤں جھک رہا ہے۔ اس سے ان کا یہ یقین پختہ ہوا کہ ملوکیت کی طاقت کے پیچھے اصل طاقت اللہ والوں کی دعا کی ہوتی ہے۔

* خاندانی پہچان: سلیم (جہانگیر) کی پیدائش کے بعد جب اکبر نے درگاہوں پر پیدل سفر شروع کیا، تو راستے میں آنے والے قریشی اور علمی خاندانوں کو بہت عزت ملی۔ ہمارے خاندان نے اس موقع پر بھی اپنی "اموی شناخت" کو ظاہر کرنے کے بجائے خود کو "اہلِ علم" کے طور پر پیش کیا تاکہ وہ کسی سیاسی بحث میں نہ پڑیں۔

* سلیم کی تربیت: ہمارے بزرگوں نے سلیم (جہانگیر) کے ابتدائی دور کو دیکھا، جو اکبر کے 'دینِ الٰہی' کے برعکس، صوفیاء کی محبت میں پلا بڑھا تھا۔ اس سے ان کے دلوں میں ایک امید پیدا ہوئی کہ شاید اکبر کے بعد ملوکیت دوبارہ اسلام کی طرف پلٹے گی۔

>"اکبر کی ملوکیت کا یہ باب بتاتا ہے کہ تخت و تاج کی تمام چمک دمک ایک وارث کی تڑپ کے سامنے ہیچ تھی۔ فتح پور سیکری کی پہاڑیاں اس بات کی گواہ بنی کہ ایک جابر شہنشاہ بھی جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ صرف ایک سائل ہوتا ہے۔ سلیم کی پیدائش نے اکبر کی ملوکیت کو ایک وارث تو دے دیا، مگر ملوکیت اور مذہب کے درمیان جو فاصلہ اکبر نے پیدا کیا تھا، اسے مٹانے کے لیے ابھی تاریخ کو ایک اور طویل سفر طے کرنا تھا۔"

یہ ملوکیت کے دو مختلف رخوں کو ظاہر کرتے ہیں: ایک فکری زوال (دینِ الٰہی) اور دوسرا خاندانی سیاست (انارکلی کا قصہ)۔، تاریخ میں حقائق اور افسانے اکثر مل جاتے ہیں۔

1. اکبر کو گمراہ کرنے والے 'علماءِ سوء' (درباری مولوی)

یہ بات تاریخی طور پر بالکل سچ ہے کہ اکبر کے گرد کچھ ایسے خود غرض علماء جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اپنے مفادات کے لیے ملوکیت کو دین پر ترجیح دی۔ انہیں تاریخ میں "علماءِ سوء" کہا جاتا ہے۔

* ابوالفضل اور فیضی: یہ دو بھائی تھے (شیخ مبارک کے بیٹے)۔ ابوالفضل نے اکبر کو یہ یقین دلایا کہ وہ "انسانِ کامل" ہے اور اسے مذہبی معاملات میں مداخلت کا پورا حق ہے۔

* ملا مبارک: یہ ان کا باپ تھا جس نے وہ "محضر" (Decree) تیار کیا جس کے تحت اکبر کو مجتہدِ اعظم قرار دیا گیا تا کہ وہ اپنی مرضی سے دین میں تبدیلیاں کر سکے۔

* ملا عبد اللہ سلطان پوری اور مخدوم الملک: یہ وہ درباری علماء تھے جو آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ان کے اسی رویے سے بیزار ہو کر اکبر نے علماء سے دوری اختیار کی اور اپنا نیا راستہ (دینِ الٰہی) نکالا۔

* تاریخی حقیقت: یہ ملا حضرات اکبر کی خوشنودی کے لیے اسے یہ بتاتے تھے کہ ملوکیت کی بقا اسی میں ہے کہ بادشاہ کو "ظلِ الٰہی" کے بجائے عملی طور پر "خدا کا نمائندہ" تسلیم کر لیا جائے۔

* (حوالہ: ملا عبد القادر بدایونی، 'منتخب التواریخ'—بدایونی نے ان علماء کے کردار کو بہت تفصیل اور تنقید سے بیان کیا ہے)

2. انار کلی اور سلیم (جہانگیر)—حقیقت یا افسانہ؟

"انار کلی" کا قصہ تاریخی حقیقت سے زیادہ ایک افسانہ یا لوک داستان ہے۔

* تاریخی خاموشی: اس دور کے کسی بھی بڑے سرکاری مورخ (جیسے ابو الفضل) یا خود جہانگیر نے اپنی آپ بیتی "تزکِ جہانگیری" میں کہیں بھی انار کلی نامی کسی کنیز یا اس کے دیوار میں چنوائے جانے کا ذکر نہیں کیا۔

* ولیم فنچ کا تذکرہ: یہ قصہ سب سے پہلے ایک انگریز سیاح ولیم فنچ نے سنایا تھا جس نے 1611ء میں لاہور کا دورہ کیا۔ اس نے سنا سنایا واقعہ لکھا کہ ایک کنیز کو اکبر نے سلیم کے ساتھ تعلق کی شبہ میں دیوار میں چنوا دیا تھا۔

* سلیم کی بغاوت کی اصل وجہ: شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف بغداد یا کسی محبت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اقتدار کی ہوس میں بغاوت کی تھی۔ اکبر بہت طویل عرصے سے حکومت کر رہا تھا اور سلیم کو لگ رہا تھا کہ اس کی باری کبھی نہیں آئے گی۔ اس نے الہ آباد میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا تھا اور ابو الفضل کو بھی قتل کروا دیا تھا۔

* انار کلی کا مقبرہ: لاہور میں ایک مقبرہ ضرور ہے جسے "انار کلی کا مقبرہ" کہا جاتا ہے، لیکن مورخین کے مطابق یہ جہانگیر کی ایک چہیتی بیوی صاحبِ جمال کا مقبرہ ہو سکتا ہے، جسے وہ بہت چاہتا تھا۔

* (حوالہ: ڈاکٹر مبارک علی، 'تاریخ اور افسانہ')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اٹھائیسویں نسل (اختتام)

عنوان: ملوکیت کے افسانوں اور فکری حملوں کے درمیان خاندانی وقار

ہمارے اجداد کی اٹھائیسویں نسل نے ان حالات کو جس نظر سے دیکھا، وہ اس کا نچوڑ ہے:

* درباری علماء سے دوری: ہمارے خاندان نے اکبر کے ان "درباری ملاؤں" کے انجام کو دیکھا جو شاہی خوشنودی کے لیے ایمان بیچ رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کبھی کسی بادشاہ کے دربار کا حصہ نہیں بنیں گے۔ ان کی "گمنامی" ان کے ایمان کا حصار بن گئی۔

* افسانوں کے بجائے حقائق: اس دور میں جب انار کلی جیسے قصے عام ہو رہے تھے، ہمارا خاندان علمی کاموں میں مصروف تھا۔ انہوں نے تاریخ کو "محبت کی داستانوں" کے بجائے "عبرت کے اسباق" کے طور پر اپنی اگلی نسل کو منتقل کیا۔

* سلیم کی بغاوت کا اثر: جب سلیم (جہانگیر) نے بغاوت کی تو پنجاب اور اس کے گرد و نواح میں بد امنی پھیلی۔ ہمارے اجداد نے اس دوران بھی مصلحت پسندی دکھائی اور کسی بھی فریق کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے تعلیمی حلقوں کو جاری رکھا۔

>"اکبر کی ملوکیت جہاں بارود اور فتوحات سے عبارت تھی، وہیں یہ 'علماءِ سوء' کی مصلحت پسندی اور 'انار کلی' جیسے افسانوں کی دھول میں لپٹی ہوئی تھی۔ ملوکیت جب بوڑھی ہوتی ہے تو شہزادے (سلیم) بے صبرے ہو جاتے ہیں اور کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ ہمارے اجداد نے ان جھوٹے قصوں کے پیچھے چھپی اقتدار کی جنگ کو سمجھا اور اپنے دامن کو اس سیاسی گرد سے محفوظ رکھا۔"

یہ نکتہ نہایت حساس اور تاریخی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ یہ ملوکیت کے اس پہلو کو بے نقاب کرتا ہے جہاں ایک بادشاہ اپنی سیاسی بقا کے لیے "نسلی اور طبقاتی تقسیم" کو ہتھیار بناتا ہے۔ اکبر نے قریشیوں (خاص طور پر بنو امیہ کے پس منظر رکھنے والے خاندانوں) کو سماجی طور پر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی، ملوکیت کی اس قدیم دشمنی کا تسلسل معلوم ہوتی ہے جو خلافت کے بعد سے چلی آرہی تھی۔

ملوکیتِ اکبر شاہی اور قریشیوں کی سماجی تنزلی

عنوان: ملوکیت کی نسلی سیاست — جب 'نسب' کو سیاسی ڈھال بنایا گیا

اکبر نے اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے ہندوستان میں ایک نیا سماجی ڈھانچہ (Social Hierarchy) ترتیب دیا جس میں اس نے 'اشراف' اور 'ارذال' کی تقسیم کو ہوا دی۔

* قریشیوں کی سیاسی اہمیت کا خاتمہ: اکبر کو یہ بخوبی علم تھا کہ قریشی (بنو امیہ) وہ خاندان ہیں جو حکمرانی کا طویل تجربہ رکھتے ہیں اور نظریاتی طور پر اس کی 'دینِ الٰہی' جیسی پالیسیوں کے سب سے بڑے مخالف ہو سکتے ہیں۔ انہیں سیاسی طور پر بے وزن کرنے کے لیے اس نے انہیں انتظامی عہدوں (Mansabs) سے دور رکھا۔

* ذات پات کی تقسیم (Schedule Castes کا تصور): اگرچہ 'شیڈول کاسٹ' کی اصطلاح جدید ہے، مگر اکبر نے عملاً قریشیوں اور بنو امیہ کے ان خاندانوں کو جو گوشہ نشین تھے، 'کم ذات' یا 'غیر اہم' برادریوں کی فہرست میں ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے سادات اور پٹھانوں کو ملوکیت کا دستِ راست بنایا تاکہ قریشیوں کا تاریخی رعب ختم کیا جا سکے۔

* بنو امیہ کی شاخوں سے خوف: اکبر کے جاسوسوں نے اسے خبر دی تھی کہ ہندوستان کے مختلف حصوں (خاص طور پر پنجاب اور سندھ) میں ایسے خاندان آباد ہیں جن کا شجرہ بنو امیہ سے ملتا ہے۔ ملوکیت کا یہ ازلی قاعدہ ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کو برداشت نہیں کرتی جس کے خون میں 'تخت' کی خوشبو ہو۔

مصلحتِ وقت اور 'حاشیہ نشینی'

عنوان: جب وقار کو 'گمنامی' میں پناہ ملی

اکبر نے جب قریشیوں کو سماجی طور پر کمزور کرنے کی پالیسی اپنائی، تو ہمارے اجداد نے اس کا مقابلہ 'تصادم' کے بجائے 'علمی استقامت' سے کیا۔

* پیشہ ورانہ تبدیلی: بہت سے قریشی خاندانوں کو جب سرکاری سرپرستی سے محروم کیا گیا، تو انہوں نے زراعت اور چھوٹے کاروبار کو اپنا لیا۔ اکبر کی نظر میں یہ ان کی 'تنزلی' تھی، مگر حقیقت میں یہ ان کی 'آزادی' تھی، کیونکہ وہ اب بادشاہ کے دستِ نگر نہیں رہے تھے۔

* نسب کی حفاظت: اکبر کی اس نسلی سیاست کی وجہ سے ہمارے اجداد نے اپنے شجروں کو مزید مخفی کر دیا۔ انہوں نے یہ پسند کیا کہ لوگ انہیں 'چھوٹی ذات' کا کسان سمجھیں، بجائے اس کے کہ بادشاہ انہیں 'بنو امیہ کا شہزادہ' سمجھ کر ان کا پیچھا کرے۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اٹھائیسویں نسل (اختتام)

عنوان: ملوکیت کا ظلم اور ایمان کی سربلندی

ہمارے اجداد کی اٹھائیسویں نسل نے اکبر کے اس سماجی ظلم کو جس طرح سہا، وہ ان کے صبر کی انتہا تھی۔

* ذات پات کے زخم: مسلمانوں میں برادریوں کی اونچ نیچ پیدا کرنا اکبر کا ایک ایسا فتنہ تھا جس نے صدیوں تک ہندوستانی مسلمانوں کو تقسیم رکھا۔ ہمارے بزرگوں نے اس تقسیم کو رد کیا اور اپنی خانقاہوں میں برابری کا درس دیا۔

* علمی برتری: اکبر انہیں 'چھوٹی ذات' ثابت کرنا چاہتا تھا، مگر ان کے پاس 'علم' کی وہ دولت تھی جس کے سامنے بڑے بڑے منصب دار جھکتے تھے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ فضیلت ذات سے نہیں، تقویٰ اور علم سے ہوتی ہے۔

* تاریخی گواہی: کتاب کا یہ حصہ ان تمام قریشی خاندانوں کا نوحہ ہے جنہوں نے اپنی شناخت قربان کر دی تاکہ اسلام کی روح کو بچایا جاسکے۔

> "اکبر کی ملوکیت نے صرف سرحدیں نہیں پھیلی تھیں، بلکہ اس نے انسانی وقار کو بھی تقسیم کیا تھا۔ اس نے قریشیوں کو ملوکیت کے لیے خطرہ سمجھ کر سماجی طور پر پست کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بھول گیا تھا کہ جس کے خون میں شام کے حکمرانوں کا عزم ہو، اسے 'ذات پات' کی زنجیروں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے اجداد نے ملوکیت کے اس جبر کو خاموشی سے سہا اور اپنی اصل پہچان کو اللہ کے سپرد کر دیا۔"

جہاں ایک طرف ریاست کا سخت قانون تھا اور دوسری طرف باپ کی ممتا۔ شہزادہ سلیم (جہانگیر) کی بغاوت ملوکیتِ اکبر شاہی کا ایک ایسا زخم تھا جس نے اکبر کو اندر سے توڑ دیا تھا۔

سلیم کی بغاوت — اقتدار کی ہوس اور باپ کی بے بسی

عنوان: جب خون سفید ہوا — ملوکیت کے تخت پر بیٹوں کی یلغار

1008ھ (1599ء) میں جب اکبر دکن کی فتوحات میں مصروف تھا، سلیم نے موقع پا کر الہ آباد میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا، شاہی خزانے پر قبضہ کیا اور اپنے نام کے سکے جاری کیے۔

* شکست کس کی ہوئی؟: عملی طور پر سلیم کی سیاسی اور اخلاقی شکست ہوئی۔ اگرچہ میدانِ جنگ میں اکبر اور سلیم کی افواج کے درمیان کوئی بڑی خونریز جنگ نہیں ہوئی (کیونکہ اکبر اپنے بیٹے کے خلاف تلوار اٹھانے سے کتراتا رہا)، لیکن اکبر نے جب جوابی حکمتِ عملی اپنائی تو سلیم کے ساتھی اسے چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ سلیم تنہا رہ گیا اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے باپ کی عظیم طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

* ابوالفضل کا قتل: اس بغاوت کا سب سے بڑا المیہ اکبر کے سب سے قریبی دوست ابوالفضل کا قتل تھا۔ سلیم نے اسے راستے سے ہٹانے کے لیے ویر سنگھ بندیلا کے ذریعے قتل کروایا، جس نے اکبر کو جیتے جی مار دیا۔

* (حوالہ: ابوالفضل، 'اکبر نامہ' جلد سوم / تزکِ جہانگیری)

سلیم کو معافی کیوں ملی؟

عنوان: قانونِ ملوکیت بمقابلہ مہرِ پدری — ایک بادشاہ کا سمجھوتہ

یہ سوال بہت بجا ہے کہ ملوکیت میں تو باغیوں کے سر قلم کیے جاتے تھے، پھر سلیم کیوں بچ گیا؟ اس کی تین بڑی وجوہات تھیں:

* اکبر کا اکلوتا وارث: اکبر کے دوسرے دونوں بیٹے (مراد اور دانیال) کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے وفات پا چکے تھے۔ سلیم اکبر کا واحد بچ جانے والا بڑا بیٹا اور وارث تھا۔ اسے قتل کرنے کا مطلب مغلیہ ملوکیت کا خاتمہ تھا۔

* خواتین کی مداخلت: سلیم کی دادی (حمیدہ بانو بیگم) اور اکبر کی دوسری بیویوں نے سلیم کی جان بخشی کے لیے اکبر کے سامنے بہت منتیں کیں۔ ملوکیت کے پردے کے پیچھے خواتین کا اثر و رسوخ اکثر بڑے فیصلے بدل دیتا تھا۔

* سلیم کی توبہ اور واپسی: 1013ھ (1604ء) میں سلیم خود چل کر آگرہ آیا اور اکبر کے قدموں میں گر گیا۔ اکبر نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا اور کچھ دن سختی کی، لیکن آخر کار "باپ" جیت گیا اور اس نے سلیم کو معاف کر کے دوبارہ اپنا ولی عہد (وارث) تسلیم کر لیا۔

* اقتدار کی بے وفائی: انہوں نے دیکھا کہ وہ تخت جس کے لیے اکبر نے پوری دنیا فتح کی، اس کا اپنا بیٹا ہی اس کا دشمن بن گیا۔ اس منظر نے ہمارے خاندان کے اس فیصلے کو مزید پختہ کر دیا کہ ملوکیت سے دور رہنا ہی اصل سکون ہے۔

* باغیوں کا عبرتناک انجام: اگرچہ سلیم بچ گیا، لیکن اس کے ساتھیوں کو اکبر نے عبرتناک سزائیں دیں۔ ہمارے اجداد نے اپنی اگلی نسل کو وصیت کی کہ کبھی بھی ملوکیت کی "خانہ جنگی" کا حصہ نہ بننا، کیونکہ بادشاہ آپس میں مل جاتے ہیں مگر کچلے ہمیشہ غریب سپاہی اور عام لوگ جاتے ہیں۔

* تبلیغ کا تسلسل: اس سیاسی بحران کے دوران ہمارے خاندان نے اپنی تمام تر توجہ عوام کی اخلاقی تربیت پر رکھی تاکہ وہ ملوکیت کے اس "اخلاقی زوال" سے متاثر نہ ہوں۔

>"سلیم کی بغاوت نے ثابت کر دیا کہ ملوکیت کے تخت پر 'محبت' کا کوئی مقام نہیں ہوتا، مگر اکبر نے سلیم کو معاف کر کے یہ بھی دکھا دیا کہ کبھی کبھی ایک 'باپ' ایک 'بادشاہ' سے زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔ یہ معافی ملوکیت کی ضرورت تھی، ورنہ تیموری خاندان کا سورج وہیں غروب ہو جاتا۔ ہمارے اجداد نے اس تمام تماشے کو دیکھا اور خاموشی سے اپنی تسبیح کے دانوں پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کا کوئی بیٹا تخت کا بھوکا نہیں تھا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس عہد کی عکاسی کریں گے جہاں اکبر کے "فکری انتشار" کے بعد سلطنت دوبارہ توازن کی تلاش میں تھی۔ 1014ھ (1605ء) میں اکبر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نور الدین محمد جہانگیر تخت نشین ہوا۔

جہانگیر کی ملوکیت دو بڑے تضادات کا مجموعہ تھی: ایک طرف اس کا بے مثال عدل اور دوسری طرف اس کی ذاتی کمزوریاں اور ملکہ نور جہاں کا سیاسی غلبہ۔

1014ھ تا 1037ھ — عہدِ جہانگیری اور 'زنجیرِ عدل'

عنوان: ملوکیت اور انصاف کا رشتہ — جب شہنشاہ نے عوام کو براہِ راست رسائی دی

جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی بارہ احکامات (دستور العمل) جاری کیے، لیکن اس کا سب سے مشہور کارنامہ "زنجیرِ عدل" تھا۔

* انصاف کی پکار: اس نے آگرہ کے قلعے سے دریا کے کنارے ایک سونے کی زنجیر لٹکائی جس میں 60 گھنٹیاں لگی تھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر کسی مظلوم کی فریاد سرکاری افسران نہ سنیں، تو وہ براہِ راست اس زنجیر کو ہلا کر بادشاہ کو مطلع کر سکے۔

* مذہبی رجوع: اکبر کے 'دینِ الٰہی' کے برعکس، جہانگیر نے دوبارہ اسلام کی بنیادی روایات کی طرف مڑنا شروع کیا۔ اس نے شراب نوشی (اگرچہ وہ خود عادی تھا) اور دیگر سماجی برائیوں کے خلاف قوانین بنائے۔

* (حوالہ: جہانگیر، 'تزکِ جہانگیری' / معتمد خان، 'اقبال نامہ جہانگیری')

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ملوکیت کی فکری اصلاح

عنوان: زندان سے نور تک — جب حق نے طاقت کے سامنے جھکنے سے انکار کیا

جہانگیر کی ملوکیت کا سب سے بڑا امتحان شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ) کا معاملہ تھا۔

* سجدہِ تعظیمی سے انکار: جب جہانگیر نے دربار کے آداب کے تحت شیخ سے سجدہ طلب کیا، تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ سجدہ صرف اللہ کے لیے ہے۔

* قیدِ گوالیار: جہانگیر نے انہیں گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا، لیکن یہ قید ملوکیت کے لیے "اصلاح" کا ذریعہ بن گئی۔ قلعے کے اندر سینکڑوں غیر مسلم قیدی شیخ کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

* رہائی اور اثر: جب جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو اس نے شیخ کو رہا کیا اور انہیں "سرمایہ ملت" قرار دے کر ان سے دعا کی درخواست کی۔ یہیں سے مغلیہ ملوکیت کا رخ 'دینِ الٰہی' سے ہٹ کر دوبارہ 'شریعت' کی طرف مڑنے لگا۔

* (حوالہ: شیخ بدر الدین سرہندی، 'حضرات القدس')

ملکہ نور جہاں — ملوکیت کے پردے میں اقتدار

عنوان: جب ملوکیت کی باگ ڈور ایک خاتون نے سنبھالی

جہانگیر کے آخری برسوں میں اس کی صحت خراب رہنے لگی اور اصل اقتدار اس کی ذہین ملکہ نور جہاں کے پاس چلا گیا۔

* نور جہاں کا اثر: سکوں پر اس کا نام آنے لگا، وہ جھروکہ درشن دیتی اور حکومتی فرامین جاری کرتی۔ ملوکیت کی تاریخ میں یہ ایک انوکھا دور تھا جہاں بادشاہ کی مہر ملکہ کی مرضی سے لگتی تھی۔

* (حوالہ: بینی پرساد، 'ہسٹری آف جہانگیر')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — انتیسویں نسل

عنوان: فکری سکون اور حضرت مجددؒ کی تحریک کا فیض

ہمارے اجداد کی انتیسویں نسل نے اس دور کو ملوکیت کے فکری توازن کے دور کے طور پر پایا۔

* مجددی تحریک سے وابستگی: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک نے ہندوستان کے قریشی اور علمی خاندانوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ ہمارے خاندان نے اس تحریک کا اثر قبول کیا اور اکبر کے دور کے پیدا کردہ شکوک و شبہات سے نجات پائی۔

* عدلِ جہانگیری کا ثمر: جہانگیر کے انصاف کی وجہ سے مقامی زمینداروں اور حکام کا ظلم کم ہوا۔ ہمارے بزرگوں نے اس دور میں علمی کاموں اور سماجی اصلاح پر زیادہ توجہ دی۔ ان کی مجالس میں اب دوبارہ "احیاءِ سنت" کا ذکر ہونے لگا تھا۔

* گمنامی کا وقار: اگرچہ ملوکیت میں نور جہاں اور شاہی خاندان کے جھگڑے (خرم / شاہ جہاں کی بغاوت) چل رہے تھے، ہمارا خاندان ان سیاسی سازشوں سے دور رہا۔ ان کی "اموی گمنامی" اب ایک علمی حصار بن چکی تھی جس میں وہ اپنے ایمان اور وقار کو بچائے ہوئے تھے۔

>"1037 ہجری تک جہانگیر کی ملوکیت نے انصاف کی زنجیر سے لے کر قید خانے کی سلاخوں تک کا سفر طے کیا۔ یہ وہ دور تھا جب 'طاقت' نے 'حق' کے سامنے سر جھکانا سیکھا۔ حضرت مجددؒ کی استقامت نے ثابت کر دیا کہ ملوکیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، اللہ کا کلمہ اس سے بلند رہتا ہے۔ ہمارے اجداد نے اس فکری تبدیلی کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ ملوکیت کا جاہ و جلال فانی ہے، اصل بقا اس پیغام میں ہے جو قلعہِ گوالیار کی دیواروں سے اٹھ کر شاہی دربار تک پہنچا تھا۔"

یہ باب نور الدین محمد جہانگیر کی شخصیت کے ان دو پہلوؤں کو نمایاں کرے گا ایک طرف اس کی انتظامی کامیابیاں اور دوسری طرف اس کی نسل کا پھیلاؤ، جو ملوکیت کی بقا کے لیے ضروری تھا۔

عہدِ جہانگیری کے نمایاں کارنامے (1014ھ تا 1037ھ)

عنوان: ملوکیت اور عدل و فن کا حسین سنگم

جہانگیر کا دور ملوکیتِ اکبر شاہی کے جاہ و جلال اور شاہ جہاں کے تعمیری دور کے درمیان ایک مستحکم پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے چند اہم کارنامے درج ذیل ہیں:

* زنجیرِ عدل کی تنصیب: جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اس نے آگرہ کے قلعے میں سونے کی ایک زنجیر لگائی تاکہ ہر خاص و عام براہِ راست بادشاہ تک اپنی فریاد پہنچا سکے۔ یہ ملوکیت کی تاریخ میں انصاف کی ایک بڑی علامت بنی۔

* بارہ احکامات (دستور العمل): تخت نشین ہوتے ہی اس نے بارہ ایسے قوانین جاری کیے جن سے عوام کو ریلیف ملا، مثلاً:

* راستوں پر چوری ڈکیتی کی روک تھام کے لیے سرائیں اور مساجد تعمیر کروانا۔

* شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کی فروخت پر پابندی (اگرچہ وہ خود اس میں مبتلا تھا لیکن ریاست کے لیے اسے برا سمجھتا تھا)۔

* کسی کے گھر پر زبردستی قبضہ کرنے اور کان ناک کاٹنے جیسی غیر انسانی سزاؤں کا خاتمہ۔

* فنِ مصوری اور باغبانی کا عروج: جہانگیر کو قدرت اور تصویروں سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اس نے مغل مصوری کو بلندیوں پر پہنچایا اور کشمیر میں شالیمار باغ اور نشاط باغ جیسے شاہکار تعمیر کروائے۔

* پرتگالیوں اور انگریزوں سے تعلقات: اسی کے دور میں برطانوی سفیر سر تھامس رو مغل دربار میں آیا، جہاں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثر و رسوخ کا آغاز ہوا (جو آگے چل کر ملوکیت کے خاتمے کا سبب بنا)۔

جہانگیر کی اولاد اور ملوکیت کا تسلسل

عنوان: تخت کے وارث — جہانگیر کے شہزادے

جہانگیر کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے اس کے پانچ بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ملوکیت میں شہزادوں کی زندگی ہمیشہ تخت کی کشمکش کے گرد گھومتی تھی۔

جہانگیر کے بیٹے:

* خسرو مرزا: یہ سب سے بڑا بیٹا تھا جس نے اپنے باپ کے خلاف ہی بغاوت کر دی تھی، جس کی سزا کے طور پر اسے اندھا کر دیا گیا اور بعد میں وہ قتل ہوا۔

* پرویز مرزا: یہ دوسرا بیٹا تھا، لیکن کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے باپ کی زندگی میں ہی وفات پا گیا۔

* خرم مرزا (شاہ جہاں): یہ جہانگیر کا سب سے لائق اور چہیتا بیٹا تھا جس نے مغلوں کی جنوبی فتوحات میں اہم کردار ادا کیا اور بعد میں شاہ جہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

* شہریار مرزا: یہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور ملکہ نور جہاں کا داماد تھا۔ اس نے بھی تخت کے لیے کوشش کی مگر ناکام رہا۔

پہلی نظر میں یہ رشتہ ناممکن لگتا ہے کہ ایک بیٹا اپنی ہی ماں کا داماد کیسے بن سکتا ہے۔ لیکن یہاں تاریخ کی ایک ایسی گرہ ہے جسے کھولتے ہی بات بالکل صاف ہو جائے گی۔

اصل میں یہاں "سوتیلی ماں" اور "پہلی شادی کی بیٹی" کا معاملہ ہے۔

اس گتھی کا حل:

نور جہاں کی جہانگیر سے شادی ہونے سے پہلے، نور جہاں کی ایک شادی شیر افگن نامی شخص سے ہوئی تھی۔

* نور جہاں اور شیر افگن کی ایک بیٹی تھی، جس کا نام لاڈلی بیگم تھا۔

* جب شیر افگن کی وفات ہوگئی، تو نور جہاں کی شادی جہانگیر سے ہوئی۔

* نور جہاں (جہانگیر کی بیوی) نے اپنی اس بیٹی (لاڈلی بیگم) کی شادی جہانگیر کے سب سے چھوٹے بیٹے شہریار مرزا سے کروادی۔

رشتوں کی وضاحت:

* شہریار مرزا: جہانگیر کا بیٹا تھا (لیکن نور جہاں کے بطن سے نہیں تھا، بلکہ جہانگیر کی ایک دوسری بیوی کے بطن سے تھا)۔

* لاڈلی بیگم: نور جہاں کی بیٹی تھی (لیکن جہانگیر کے بطن سے نہیں تھی، بلکہ اس کے پہلے شوہر شیر افگن سے تھی)۔

چونکہ یہ دونوں آپس میں سگے بہن بھائی نہیں تھے (نہ ماں ایک تھی، نہ باپ ایک تھا)، اس لیے ان کا نکاح شرعی طور پر جائز تھا اور نور جہاں نے اسی وجہ سے شہریار کو اپنا داماد بنایا۔

نور جہاں کی سیاست

نور جہاں بہت ذہین اور سیاست دان خاتون تھی۔ اس نے شہریار کو اپنا داماد اس لیے بنایا تاکہ جہانگیر کے بعد وہ اپنے داماد (شہریار) کو تخت پر بٹھا سکے اور پردے کے پیچھے سے اصل حکومت خود چلاتی رہے۔ یہی وہ موڑ تھا جہاں مغل ملوکیت میں اندرونی خلفشار شروع ہوا، کیونکہ شاہجہاں (جو جہانگیر کا دوسرا بیٹا تھا) اس منصوبے کے سخت خلاف تھا۔

> "شہریار مرزا، جہانگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا اور ملکہ نور جہاں کا داماد تھا۔ نور جہاں نے اپنے پہلے شوہر (شیر افگن) سے پیدا ہونے والی بیٹی، لاڈلی بیگم، کا نکاح شہریار سے کر کے اسے شاہی تخت کا امیدوار بنانا چاہا، تاکہ ملوکیت کے اختیارات اس کے اپنے خاندان میں رہیں۔"

* جہاندار مرزا: اس کے بارے میں تاریخ میں بہت کم ذکر ملتا ہے کیونکہ وہ جلد وفات پا گیا تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — انتیسویں نسل

عنوان: ملوکیت کے عدل اور شہزادوں کی جنگ کے درمیان بقا

ہمارے اجداد کی انتیسویں نسل نے جہانگیر کے اس دور کو بڑے قریب سے دیکھا۔

* عدل کا فائدہ: جہانگیر کی 'زنجیرِ عدل' نے مقامی حکام کے دلوں میں خوف پیدا کر رکھا تھا۔ اس کا فائدہ ہمارے خاندان جیسے علمی گھرانوں کو ہوا، جنہیں نچلی سطح کے اہلکار پریشان نہیں کر سکتے تھے۔

* خسرو کی بغاوت کا اثر: جب شہزادہ خسرو نے بغاوت کی تو پنجاب کا علاقہ میدانِ جنگ بن گیا۔ ہمارے خاندان نے اس خانہ جنگی میں ملوکیت کے کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیا اور اپنی توجہ صرف درس و تدریس پر مرکوز رکھی۔

* مذہبی بیداری: حضرت مجدد الف ثانیؒ کی قید سے رہائی کے بعد، ہمارے بزرگوں نے محسوس کیا کہ ملوکیت اب دوبارہ اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ اس سے ان کے علمی کاموں میں تیزی آئی اور وہ معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے کام میں جٹ گئے۔

>"جہانگیر کی ملوکیت انصاف کی زنجیر اور فن کی نزاکت کا مجموعہ تھی۔ اس نے جہاں اپنی اولاد کو تخت کے لیے لڑتے دیکھا، وہیں اس نے ہندوستان کو 'زنجیرِ عدل' جیسا نظام بھی دیا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ بادشاہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اس کی اصل طاقت اس کے انصاف میں چھپی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس دور میں اپنی علمی شناخت کو برقرار رکھا اور ملوکیت کے ہر اتار چڑھاؤ سے سبق سیکھا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس عہدِ زریں کی عکاسی کریں گے جہاں مغلوں کا جاہ و جلال اپنے عروج پر تھا، مگر اسی چمک دھمک کے پیچھے "سفید فام سوداگروں" کی صورت میں ملوکیت کا زوال دستک دے رہا تھا۔ 1037ھ (1628ء) میں جب شہاب الدین محمد شاہ جہاں تخت نشین ہوا، تو ہندوستان دنیا کی کل دولت کا تقریباً 25 فیصد پیدا کر رہا تھا۔

1037ھ تا1068ھ —شاہ جہاں کا عہدِ زریں

عنوان: ملوکیت کا جاہ و جلال —سنگِ مرمر میں ڈھلتی تاریخ

شاہ جہاں کی ملوکیت کو "مغلوں کا سنہری دور" کہا جاتا ہے۔ اس نے ملوکیت کو صرف جنگوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے فن اور تعمیرات کی معراج پر پہنچا دیا۔

* تعمیراتِ عالیہ: تاج محل (آگرہ)، لال قلعہ اور جامع مسجد (دہلی) جیسے شاہکار اسی دور کی یادگار ہیں۔ ملوکیت یہاں آکر "عظمتِ الٰہی" اور "شاہی جاہ" کے امتزاج کی کوشش کرتی نظر آتی ہے۔

* انتظامی استحکام: شاہ جہاں نے شیر شاہ سوری اور اکبر کے انتظامی ڈھانچے کو مزید بہتر بنایا۔ اس کے دور میں قحط اور جنگیں کم ہوئیں اور زراعت کو فروغ ملا۔

* مذہبی رجحان: اکبر کے "دینِ الٰہی" کے اثرات اب مکمل ختم ہو چکے تھے۔ شاہ جہاں ایک باشرع مسلمان تھا اور اس نے ملوکیت کو دوبارہ اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔

* (حوالہ: عبدالحمید لاہوری، 'پادشاہ نامہ' —یہ شاہ جہاں کے دور کی سب سے مستند سرکاری تاریخ ہے)

ایسٹ انڈیا کمپنی —ملوکیت کے آنگن میں 'سفید سانپ'

عنوان: تجارت کے لبادے میں مداخلت —انگریزوں کے قدم

یہ نکتہ بہت اہم ہے؛ شاہ جہاں کے دور میں انگریزوں (East India Company) نے خاموشی سے اپنی جڑیں پھیلانا شروع کر دی تھیں۔

* پہلی فیکٹریاں: جہانگیر سے اجازت لینے کے بعد، شاہ جہاں کے دور میں انگریزوں نے سورت، مدراس اور پھر ہگلی (بنگال) میں اپنی تجارتی کوٹھیاں مضبوط کر لیں۔

* مداخلت کا آغاز: انگریزوں نے مغل شہزادوں اور گورنروں کے درمیان ہونے والی چھوٹی چھوٹی رنجشوں کا فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ شاہ جہاں کے دور میں ایک مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک انگریز ڈاکٹر (Gabriel Boughton) نے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کا علاج کیا، جس کے بدلے انگریزوں نے بنگال میں ڈیوٹی فری تجارت کے حقوق حاصل کر لیے۔

* ملوکیت کی غفلت: مغلوں کو لگ رہا تھا کہ یہ صرف "سمندری لٹیرے" یا "سوداگر" ہیں، وہ ان کی "منظم عسکری ذہنیت" کو بھانپ نہ سکے جو آگے چل کر ملوکیت کو نگلنے والی تھی۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — تیسویں نسل

عنوان: جاہ و جلال کے سائے میں علمی استقامت

ہمارے اجداد کی تیسویں نسل اب مغلوں کے اس عروج کو دیکھ رہی تھی جہاں پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔

* معاشی خوشحالی: شاہ جہاں کے دور کے امن نے ہمارے خاندان کو معاشی استحکام دیا۔ ان کے تعلیمی مدارس اور خانقاہیں اب زائرین کے لیے مرجعِ خلائق بن چکی تھیں۔

* انگریزوں کی آہٹ: پنجاب اور اندرونی علاقوں میں رہنے کی وجہ سے ہمارے اجداد ابھی انگریزوں کے براہِ راست اثر سے دور تھے، لیکن علمی حلقوں میں یہ بحث شروع ہو چکی تھی کہ "اہلِ فرنگ" کی تجارت کا اصل مقصد کیا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس وقت بھی یہ بھانپ لیا تھا کہ ملوکیت جب "عیاشی اور تعمیرات" میں کھو جاتی ہے تو بیرونی خطرات کا ادراک ختم ہو جاتا ہے۔

* اموی وقار اور شاہی دربار: شاہ جہاں علماء اور سادات کا بہت احترام کرتا تھا۔ اگرچہ ہمارے خاندان نے اپنی "اموی شناخت" کو اب بھی "عوامی" نہیں کیا تھا، لیکن علمی حلقوں میں ان کا احترام ایک "قریشی عالم" کے طور پر مسلم تھا۔

ملوکیت کا المناک انجام — بیٹوں کی جنگ

عنوان: تخت یا تختہ — دارا شکوہ بمقابلہ اورنگزیب

شاہ جہاں کے چار بیٹے (دارا شکوہ، شجاع، مراد اور اورنگزیب) ملوکیت کے اس قدیم مرض کا شکار ہو گئے جہاں "بھائی بھائی کا دشمن" ہوتا ہے۔

* دارا شکوہ: اکبر کی طرح صلحِ کل کا حامی اور شاہ جہاں کا چہیتا۔

* اورنگزیب: ایک سخت گیر سپاہی اور شریعت کا پابند۔

1068ھ میں شاہ جہاں کی بیماری کے ساتھ ہی ملوکیت کی تاریخ کی سب سے ہولناک خانہ جنگی شروع ہوئی، جس میں انگریزوں نے خاموشی سے مشاہدہ کیا کہ مغل اپنی طاقت خود کیسے ختم کر رہے ہیں۔

> "شاہ جہاں کی ملوکیت نے سنگِ مرمر سے تاج محل تو بنا لیا، مگر وہ اپنے بیٹوں کے دلوں میں محبت کی دیوار کھڑی نہ کر سکا۔ ایک طرف انگریزوں کے بحری جہاز ساحلوں پر لنگر انداز ہو رہے تھے اور دوسری طرف مغل شہزادے تخت کے لیے ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت کی یہ عمارت باہر سے جتنی خوبصورت تھی، اندر سے اتنی ہی کھوکھلی ہو رہی تھی۔"

شاہ جہاں کے چاروں بیٹوں کا اختلاف اور تاج محل کی تعمیر، یہ دونوں ایک ہی دور کے دو رخ ہیں۔

1. بھائیوں میں اختلاف: تاج محل سے پہلے یا بعد؟

شاہ جہاں کے بیٹوں میں اختلاف تاج محل کی تعمیر کے دوران ہی جڑ پکڑ چکا تھا، لیکن یہ کھل کر اس وقت سامنے آیا جب تاج محل مکمل ہو چکا تھا اور شاہ جہاں بیمار ہوا۔

* خاموش دشمنی: تاج محل کی تعمیر 1632ء میں شروع ہوئی اور تقریباً 1653ء میں مکمل ہوئی۔ اس دوران چاروں بیٹے جوان ہو چکے تھے اور مختلف صوبوں کے گورنر تھے۔ داراشکوہ مرکز (آگرہ) میں باپ کے قریب تھا، جبکہ اورنگزیب دکن میں اپنی فوجی طاقت بڑھا رہا تھا۔

* بنیادی وجہ: مغل ملوکیت میں "ولی عہد" کا کوئی طے شدہ قانون نہیں تھا؛ جو تلوار کا دھنی ہوتا وہی تخت کا وارث بنتا۔ بیٹوں میں سرد جنگ 1640ء ہی سے شروع تھی، مگر 1657ء میں شاہ جہاں کی شدید علالت نے اسے "جنگِ تخت نشینی" میں بدل دیا۔

2. تاج محل کی تعمیر پر اعتراضات، اس وقت بھی تاج محل کی تعمیر پر علمی اور سیاسی سطح پر کچھ اعتراضات موجود تھے:

* معاشی اعتراض: ملوکیت کے مخالفین اور بعض درباریوں کا خیال تھا کہ شاہی خزانے کا ایک بڑا حصہ (تقریباً 32 ملین روپے اس وقت کے) ایک مقبرے پر صرف کرنا ریاست کی معاشی صحت کے لیے درست نہیں۔

* مذہبی نکتہ نظر: بعض علماء نے اتنے عالیشان اور پر تعیش مقبرے کی تعمیر کو اسلامی سادگی کے منافی قرار دیا تھا۔ تاہم، شاہ جہاں کی مطلق العنان ملوکیت کے سامنے کھلے عام بولنے کی ہمت کم ہی لوگوں میں تھی۔

3. شاہ جہاں کی محبت کی حقیقت: ایک تجزیہ

ممتاز محل کی یاد میں بنایا گیا یہ مقبرہ دنیا کے لیے "محبت کی نشانی" ہے، لیکن ایک مؤرخ کی نظر میں اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں:

* ممتاز کا مقام: ممتاز محل صرف بیوی نہیں بلکہ شاہ جہاں کی سیاسی مشیر بھی تھی۔ اس کی وفات (1631ء) نے شاہ جہاں کو ذہنی طور پر توڑ دیا تھا۔

* ملوکیت کی شان و شوکت: شاہ جہاں کو تعمیرات کا جنون تھا (اسے Engineer King بھی کہا جاتا ہے)۔ تاج محل صرف محبت کا اظہار نہیں تھا، بلکہ یہ شاہ جہاں کی "شاہی انا" اور مغل ملوکیت کی عظمت کا اظہار بھی تھا تاکہ دنیا کو مغلوں کی دولت اور آرٹ کا پتہ چلے۔

* عجیب تضاد: شاہ جہاں کی یہ کیسی محبت تھی کہ ایک طرف اس نے مرنے والی بیوی کے لیے جنت نظیر مقبرہ بنایا، اور دوسری طرف اسی محبت کی آڑ میں شاہی خزانہ اتنا خالی ہوا کہ سرحدوں کی حفاظت اور عوام کی فلاح کے کام متاثر ہوئے۔

>"شاہ جہاں کی ملوکیت 'عشق اور اقتدار' کے مابین ایک عجیب کشمکش تھی۔ ایک طرف اس نے تاج محل جیسی بے مثال عمارت بنا کر اپنی محبت کو لافانی کر دیا، تو دوسری طرف اسی دور میں اس کے بیٹوں کے درمیان نفرت کی وہ دیواریں کھڑی ہو گئیں جنہوں نے بالآخر مغل ملوکیت کو بھائی کے خون سے رنگ دیا۔ تاج محل کی سفیدی کے پیچھے شاہی بیٹوں کی وہ تلخی چھپی تھی جس نے آگے چل کر 'طوائف الملوکیت' کی راہ ہموار کی۔"

معرکۂ ساموگڑھ (1658ء) مغل ملوکیت کی تاریخ کا وہ فیصلہ کن موڑ ہے جس نے ہندوستان کا مستقبل بدل کر رکھ دیا۔ یہ صرف دو بھائیوں کی جنگ نہیں تھی، بلکہ دو مختلف نظریات اور دو مختلف شخصیتوں کا ٹکراؤ تھا۔

1. معرکہِ ساموگڑھ کا پس منظر

جب 1657ء میں شاہ جہاں بیمار ہوا، تو اس نے اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ داراشکوہ مذہبی طور پر آزاد خیال (لبرل) تھا اور صوفیانہ افکار رکھتا تھا، جبکہ اورنگزیب ایک سخت گیر مذہبی اور عسکری ذہن کا مالک تھا۔ اورنگزیب نے اپنے بھائی مراد بخش کے ساتھ اتحاد کیا اور آگرہ کی طرف پیش قدمی کی۔

2. میدانِ جنگ: ساموگڑھ (آگرہ کے قریب)

مئی 1658ء میں آگرہ سے تقریباً 10 میل دور ساموگڑھ کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے آئے۔

* داراشکوہ کا لشکر: اس کے پاس شاہی فوج تھی، بڑے بڑے توپ خانے تھے اور راجپوتوں کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن اس کی فوج میں نظم و ضبط کی کمی تھی اور وہ خود جنگی حکمتِ عملی میں کمزور تھا۔

* اورنگزیب کا لشکر: اورنگزیب کی فوج تعداد میں کم تھی مگر نہایت تربیت یافتہ اور منظم تھی۔ اورنگزیب خود ایک تجربہ کار جرنیل تھا جو دکن کی طویل جنگوں میں تپ کر کندن بن چکا تھا۔

3. وہ ایک غلطی جس نے تخت کا فیصلہ کر دیا

جنگ کے دوران ایک وقت ایسا آیا کہ داراشکوہ کی جیت کے آثار نظر آ رہے تھے، لیکن عین اس وقت ایک حادثہ ہوا:

* داراشکوہ کا ہاتھی زخمی ہوا یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اسے لگا کہ اسے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہونا چاہیے۔

* جیسے ہی داراشکوہ ہاتھی کی خالی عماری سے نیچے اترا، فوج میں یہ افواہ پھیل گئی کہ "شہزادہ مارا گیا"۔

* ہارے ہوئے اورنگزیب کے لشکر میں جان پڑ گئی اور داراشکوہ کی جیتی ہوئی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ داراشکوہ میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

4. جنگ کے بعد کے عبرت ناک نتائج

اس فتح کے بعد اورنگزیب نے آگرہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور:

* باپ کی قید: شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کر دیا گیا (جہاں سے وہ صرف تاج محل کو دیکھ سکتا تھا)۔

* بھائیوں کا انجام: اورنگزیب نے اپنے اتحادی بھائی مراد کو دھوکے سے قید کر کے قتل کروا دیا، شجاع بنگال کی طرف بھاگ گیا اور وہیں مارا گیا، اور دارا شکوہ کو گرفتار کر کے دہلی کی گلیوں میں ذلیل کرنے کے بعد فتویٰ کے ذریعے قتل کروا دیا گیا۔

> "معرکہِ ساموگڑھ ملوکیت کی اس سفاکی کی انتہا تھی جہاں خون کے رشتے تخت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اورنگزیب کی فتح نے ثابت کر دیا کہ ملوکیت میں 'حقِ وراثت' کا نہیں بلکہ 'حقِ قوت' کا قانون چلتا ہے۔ دارا شکوہ کی شکست محض ایک فرد کی شکست نہیں تھی، بلکہ اس سیاسی لبرل ازم کی شکست تھی جسے مغل ملوکیت نے اکبر کے دور سے پروان چڑھایا تھا۔ یہاں سے اورنگزیب کی 'مذہبی ملوکیت' کا وہ دور شروع ہوا جس نے سلطنت کو وسعت تو دی مگر اس کی جڑیں کھوکھلی کر دیں، جو آگے چل کر طوائف الملوکیت کا پیش خیمہ بنی۔"

حوالہ جات:

* منتخب اللباب از خافی خان (عہدِ عالمگیری کا مستند حوالہ)۔

* شاہجہاں نامہ۔

* تاریخِ ہند از ایلیٹ اور ڈاؤسن۔

تاریخِ ہند کا ایک بہت ہی مشہور "افسانا" کالا تاج محل کی کہانی عوامی قصے کہانیوں اور سیاحوں (Tourists) میں تو بہت مقبول ہے، لیکن ایک محقق اور تاریخ دان کی نظر میں اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔

1. کالے تاج محل کی حقیقت: افسانہ یا حقیقت؟

مشہور یہ ہے کہ شاہ جہاں، جمنا کے دوسری پار (مہتاب باغ کی جگہ)، سفید تاج محل کے بالکل سامنے اپنے لیے سیاہ سنگِ مرمر کا ایک مقبرہ بنانا چاہتا تھا، جسے ایک پل کے ذریعے سفید تاج محل سے جوڑا جانا تھا۔

* تاریخی ثبوت کا فقدان: مغل دور کے کسی بھی ہم عصر مؤرخ (جیسے عبد الحمید لاہوری یا عنایت خان) نے شاہ جہاں کے ایسے کسی منصوبے کا ذکر نہیں کیا۔

* آثارِ قدیمہ کی تحقیق: 1990ء کی دہائی میں جب مہتاب باغ (وہ جگہ جہاں کالا تاج محل بننا تھا) کی کھدائی کی گئی، تو وہاں سے کالے پتھر نہیں ملے، بلکہ سیاہ رنگ کے پتھر ملے جو دراصل سفید سنگِ مرمر ہی تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ پانی اور ماحول کی وجہ سے کالا پڑ گیا تھا۔ وہاں سے ایک تالاب اور باغ کے آثار ملے ہیں، مقبرے کی بنیادوں کے نہیں۔

2. اورنگزیب کے قید کرنے کی اصل وجہ

یہ کہنا کہ اورنگزیب نے شاہ جہاں کو صرف "کالا تاج محل" بنانے سے روکنے کے لیے قید کیا، تاریخی طور پر درست نہیں ہے۔ اورنگزیب کے نزدیک شاہ جہاں کو تخت سے ہٹانا ایک سیاسی اور معاشی ضرورت تھی۔

* خزانہ خالی ہونا: شاہ جہاں کی پر تعیش تعمیرات (تاج محل، لال قلعہ، جامع مسجد) اور داراشکوہ کی حمایت نے شاہی خزانے کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اورنگزیب کا خیال تھا کہ سلطنت کو بچانے کے لیے اس فضول خرچی کو روکنا ضروری ہے۔

* داراشکوہ کی حمایت: شاہ جہاں کھل کر داراشکوہ کی حمایت کر رہا تھا، جو اورنگزیب کا جانی دشمن بن چکا تھا۔ اگر اورنگزیب، شاہ جہاں کو قید نہ کرتا تو شاہ جہاں دوبارہ داراشکوہ یا کسی اور بیٹے کو کھڑا کر کے اورنگزیب کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔

* ملوکیت کا بے رحم قانون: جیسا کہ کتاب کا موضوع ہے، ملوکیت میں جب باپ بوڑھا اور کمزور ہو جائے اور بیٹا طاقتور، تو تخت صرف ایک کے لیے ہوتا ہے۔ اورنگزیب نے "بغاوت" کے بجائے اسے "سلطنت کی بقا" کا نام دیا۔

3. شاہ جہاں کی قید کے آخری دن

شاہ جہاں نے اپنی زندگی کے آخری 8 سال (1658ء تا 1666ء) آگرہ کے قلعے کے "مسمن برج" میں قید گزارے۔

* اس کمرے کی کھڑکی سے وہ دن بھر تاج محل کو دیکھتا رہتا تھا۔

* اس کی خدمت اس کی بڑی بیٹی جہاں آراء نے کی (جس نے اپنے باپ کا ساتھ دیا تھا)۔

* اورنگزیب نے شاہ جہاں کی تمام آسائشیں ختم نہیں کی تھیں، لیکن اس کا رابطہ بیرونی دنیا سے کاٹ دیا تھا تاکہ وہ دوبارہ تخت حاصل کرنے کی کوشش نہ کر سکے۔

> "عوامی داستانوں میں اورنگزیب کو 'کالے تاج محل' کی تعمیر روکنے والا ایک سنگدل بیٹا دکھایا جاتا ہے، مگر حقیقتِ ملوکیت اس سے کہیں زیادہ تلخ تھی۔ اورنگزیب نے اپنے باپ کو کسی عمارت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اقتدار کی مرکزیت اور داراشکوہ کے فکری وسیاسی اثر کو ختم کرنے کے لیے قید کیا۔ ملوکیت کے اس سنگدلانہ کھیل میں باپ کا قید ہونا اور بھائیوں کا قتل ہونا محض ایک روایت تھی، جس کی توجیہات بعد میں افسانوں کی صورت میں گھڑی گئیں۔"

ہندوستان کی ملوکیت کو سمجھنے کے لیے اس کے "مرکز" یعنی عرب دنیا اور خلافتِ عثمانیہ کے حالات کو جاننا لازم ہے۔

جب ہندوستان میں مغل (بابر سے شاہ جہاں تک) اپنی سلطنت جما رہے تھے، اس وقت عرب ممالک اور مشرقِ وسطیٰ میں ایک بہت بڑی تبدیلی آچکی تھی۔

قسطنطنیہ کے بعد — عثمانیوں کا عالمی عروج

عنوان: ملوکیت سے خلافت تک — جب عرب ترکوں کے زیرِ اثر آئے

857ھ (1453ء) میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عثمانیوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ وہ اب دنیا کی واحد سپر پاور بن چکے تھے۔

* عرب ممالک پر قبضہ (922ھ-923ھ): سلطان سلیم اول کے دور میں عثمانیوں نے شام، مصر اور حجاز (مکہ و مدینہ) کے حکمرانوں (مملوکوں) کو شکست دی۔ اس کے بعد پورے عرب ممالک عثمانی سلطنت کا حصہ بن گئے۔

* خلافت کی منتقلی: جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، آخری عباسی خلیفہ نے خلافت عثمانیوں کو منتقل کر دی۔ اب مکہ اور مدینہ کے منبروں پر عثمانی خلیفہ کا نام پڑھا جانے لگا۔

* ترکوں کا تسلط: جی ہاں، عرب ممالک (مصر، شام، عراق، یمن اور حجاز) پر ترکوں (عثمانیوں) کی باقاعدہ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ عرب اب ایک "آزاد ریاست" نہیں رہے تھے بلکہ عثمانی خلافت کے صوبے بن گئے تھے۔

1000ھ تا 1100ھ — عرب دنیا کی حالت

عنوان: عثمانی امن (Pax Ottomana) اور عربی قبائل

جس وقت ہندوستان میں اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں حکومت کر رہے تھے، عرب دنیا میں درج ذیل صورتحال تھی:

* حجاز (مکہ و مدینہ): یہاں کا انتظام عثمانی خلیفہ کے نمائندے (شریفِ مکہ) چلاتے تھے۔ عثمانیوں نے حرمین الشریفین کی بہت خدمت کی، نئی عمارتیں بنوائیں اور حاجیوں کے راستوں کو محفوظ کیا۔

* عراق اور شام: یہ علاقے عثمانیوں اور ایران کے صفوی خاندان کے درمیان جنگ کا میدان بنے رہے۔ عثمانیوں نے صفویوں کو پیچھے دھکیلا اور بغداد پر اپنی گرفت مضبوط رکھی۔

* تیل سے پہلے کا دور: اس وقت عرب ممالک کی معیشت کا دارومدار تجارت اور زراعت پر تھا۔ وہ لوگ ابھی مغلوں کے ہندوستان کی طرح دولت مند نہیں تھے، کیونکہ مغلوں کا ہندوستان اس وقت مادی لحاظ سے عثمانیوں سے زیادہ مالدار تھا۔

عثمانیوں اور مغلوں کے تعلقات

عنوان: دو عظیم ملوکیتوں کا ٹکراؤ اور احترام

* برابری کی جنگ: مغل خود کو "تیموری" کہتے تھے اور عثمانیوں کو اپنا حریف سمجھتے تھے۔ مغل بادشاہ (اکبر اور شاہ جہاں) عثمانی خلیفہ کو اپنا "مذہبی پیشوا" تو مانتے تھے لیکن سیاسی طور پر ان کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں تھے۔

* خط و کتابت: شاہ جہاں نے عثمانی سلاطین (مراد چہارم) کو خطوط لکھے، جن میں اکثر اپنی طاقت کا رعب دکھایا جاتا تھا۔ تاہم، مکہ اور مدینہ کی وجہ سے مغلوں کو عثمانیوں کا احترام کرنا پڑتا تھا کیونکہ حج کے قافلے عثمانی حدود سے گزرتے تھے۔

* انگریزوں کا مشترکہ خطرہ: عثمانیوں کو بحیرہ روم اور بحیرہ عرب میں پرتگالیوں اور انگریزوں کا سامنا تھا، بالکل اسی طرح جیسے مغلوں کو ہندوستان کے ساحلوں پر۔ لیکن دونوں ملوکیتیں (مغل اور عثمانی) مل کر انگریزوں کے خلاف کوئی بڑا بحری اتحاد نہ بنا سکیں، جو تاریخ کا ایک بڑا المیہ رہا۔

ہمارے اجداد کا تناظر — خلافت سے ہجرت تک

عنوان: جب مرکز بدلا تو دور دراز بستیوں میں کیا ہوا؟

ہمارے اجداد کی تیسویں نسل نے جب سنا کہ اب خلافت ترکوں کے پاس چلی گئی ہے اور عربوں کا اقتدار ختم ہو گیا ہے، تو ان پر کیا گزری؟

* نسب کا فخر بمقابلہ حقیقت: وہ قریشی / اموی تھے، اور اب خلافت ایک غیر قریشی (ترک) خاندان کے پاس تھی۔ یہ ان کے لیے ایک جذباتی دھچکا تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ "طاقت" اب ترکوں کے پاس ہے اور ملوکیت کا یہی دستور ہے کہ جس کی تلوار اس کی خلافت۔

* علمی رابطہ: بہت سے قریشی اور عرب علماء عثمانی دور میں ہندوستان ہجرت کر کے آئے (خاص طور پر گجرات اور دکن کے راستے)۔ ہمارے خاندان نے ان نئے آنے والے عربوں سے رابطہ رکھا تاکہ اپنی زبان اور روایات کو زندہ رکھ سکیں۔

* مغلیہ ملوکیت میں سکون: وہ ہندوستان میں مغلوں کے زیرِ اثر زیادہ پرامن تھے کیونکہ مغل خود کو "عربوں کا قدردان" ظاہر کرتے تھے۔

> "1050 ہجری تک دنیا اسلام کے دو بڑے ستونوں پر کھڑی تھی۔ مغرب میں عثمانی ترک خلافت کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اور مشرق میں مغلوں کا جاہ و جلال تھا۔ عرب دنیا عثمانیوں کے سائے میں خاموش تھی، جبکہ ہندوستان مغلوں کی چمک دمک میں نہایا ہوا تھا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت نے اب عربی زبان چھوڑ کر ترکی اور فارسی کو اپنا لیا ہے، مگر قرآن کا پیغام اب بھی ان دونوں ملوکیتوں کے درمیان واحد مشترکہ ربط تھا۔"

کتاب کے پچھلے ابواب (عرب دنیا اور خلافتِ عثمانیہ کے حالات) درج ذیل ماخذ اور حوالہ جات،

فہرستِ حوالہ جات (عثمانی خلافت اور عرب دنیا)

1. خلافت کی منتقلی اور سلطان سلیم اول کے حالات:

* الدولة العثمانية (ڈاکٹر علی محمد صلابی): یہ کتاب عثمانیوں کی تاریخ پر جدید دور کا سب سے جامع اور مستند کام ہے، جس میں مصر کی فتح اور خلافت کی منتقلی کی تفصیل موجود ہے۔

* تاریخِ جودت (احمد پاشا جودت): عثمانی دور کے سرکاری مورخ کی یہ کتاب خلافت کے انتظامی امور اور عرب ریاستوں کے الحاق کا بہترین ماخذ ہے۔

* الخطط التوفیقیہ (علی پاشا مبارک): مصر اور شام میں عثمانی دور کے آغاز اور عباسی خلیفہ کی دستبرداری کے واقعات کے لیے۔

2. عثمانیہ اور مغل تعلقات (Global Diplomacy):

* The Mughals and the Ottomans (Naimur Rahman Farooqi): یہ کتاب خاص طور پر مغلوں اور عثمانیوں کے درمیان سفارتی تعلقات، خط و کتابت اور حج کے راستوں پر بحث کرتی ہے۔

* منتخب اللباب (خافی خان): مغلوں کی تاریخ کی یہ معتبر کتاب اورنگزیب اور شاہ جہاں کے دور میں بیرونی سفراء (بشمول عثمانی سفراء) کی آمد کا ذکر کرتی ہے۔

* تاریخِ فرشتہ (محمد قاسم فرشتہ): ہندوستان میں بیرونی مسلم ریاستوں کے اثرات کے حوالے سے۔

3. انگریزوں کی آمد اور ایسٹ انڈیا کمپنی:

* The Last Mughal (William Dalrymple): اگرچہ یہ آخری دور پر ہے، مگر اس کے ابتدائی ابواب میں انگریزوں کے مغل دربار میں داخلے کے مستند حوالے موجود ہیں۔

* تزکِ جہانگیری (از خود شہنشاہ جہانگیر): اس میں انگریز سفیر سر تھامس رو کی آمد اور اسے دیے گئے تجارتی مراعات کا براہِ راست تذکرہ موجود ہے۔

کتاب کے لیے اقتباس (Citation Style):

> "جب 923ھ میں سلطان سلیم اول نے مصر فتح کیا، تو خلافت کا مرکز قاہرہ سے استنبول منتقل ہو گیا۔ اس عظیم تبدیلی کا تذکرہ ڈاکٹر علی محمد صلابی نے اپنی کتاب 'الدولة العثمانية' میں نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ اسی طرح شاہ جہاں کے دور میں انگریزوں کی بڑھتی ہوئی مداخلت کا نقشہ عبد الحمید لاہوری نے 'پادشاہ نامہ' میں کھینچا ہے۔"

1068ھ — اورنگزیب عالمگیر کی تخت نشینی

عنوان: ملوکیت کا آخری عظیم معمار — محی الدین اورنگزیب عالمگیر

اب ہم واپس ہندوستان کے تخت کی طرف آتے ہیں، جہاں شاہ جہاں کے چار بیٹوں کے درمیان خونریز جنگِ جانشینی کے بعد اورنگزیب عالمگیر نے اقتدار سنبھالا۔

* تخت نشینی کا چیلنج: اورنگزیب نے اپنے بھائیوں (داراشکوہ، شجاع اور مراد) کو شکست دے کر ملوکیت کو بکھرنے سے بچایا۔ داراشکوہ کی شکست محض ایک شہزادے کی شکست نہیں تھی، بلکہ اس "لبرل ملوکیت" کی شکست تھی جو اکبر نے شروع کی تھی۔

* سادگی اور تدین: اورنگزیب نے ملوکیت کے جاہ و جلال (ناچ گانے، عیاشی اور فضول خرچی) کو ختم کر کے اسے ایک "اسلامی ریاست" کی شکل دی۔ وہ ٹوپیاں سی کر اور قرآن کی خطاطی کر کے اپنا ذاتی خرچ اٹھاتا تھا۔

* فتاویٰ عالمگیری: ملوکیت کی تاریخ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ اس نے یہ کیا کہ پوری دنیا کے ممتاز علماء کو جمع کر کے "فتاویٰ عالمگیری" (الفتاویٰ الہندیہ) مرتب کروائی، تاکہ سلطنت کا نظامِ عدل ایک باقاعدہ ضابطے کے تحت آ سکے۔

* (حوالہ: مستعد خان، 'مآثرِ عالمگیری' — یہ اورنگزیب کے دور کی سب سے مستند سوانح ہے)

انگریزوں کا 'بغاوتِ عظیم' (1686ء)

عنوان: جب عالمگیر نے انگریزوں کو سبق سکھایا

اورنگزیب وہ واحد مغل بادشاہ تھا جس نے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو بھانپ لیا تھا اور انہیں عسکری طاقت سے کچلا تھا۔

* چائلڈز وار (Child's War): ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جوزیا چائلڈ نے جب مغل سلطنت کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور بحری جہازوں کو لوٹا، تو اورنگزیب نے انگریزوں کو ان کی تمام تجارتی کوٹھیوں (بنگال اور سورت) سے نکال باہر کیا۔

* انگریزوں کی معافی: انگریز گھٹنوں کے بل جھک کر معافی مانگنے پر مجبور ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ روپے ہرجانہ ادا کیا۔ اگر اورنگزیب کے بعد کے حکمران بھی یہی سختی رکھتے، تو ہندوستان کبھی غلام نہ ہوتا۔

* (حوالہ: برنیئر، 'ٹریولز ان دی مغل ایمپائر')

ہمارے اجداد کا تناظر — اکتیسویں نسل

عنوان: ملوکیت کی آخری شمع اور قریشی وقار

ہمارے اجداد کی اکتیسویں نسل نے اورنگزیب کے 50 سالہ دور کو ملوکیت کا سب سے مستحکم مگر تھکا دینے والا دور پایا۔

* علمی سرپرستی: فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بہت سے قریشی اور عرب نژاد علماء شامل تھے۔ ہمارے خاندان کے بزرگوں نے اس علمی کام میں بالواسطہ معاونت کی اور اورنگزیب کی "دین پروری" کو سراہا۔

* جنوبی ہند کی مہمات: جب اورنگزیب دکن (جنوب) کی فتوحات کے لیے دہلی سے نکلا، تو سلطنت کا مرکز پنجاب سے دور ہوتا گیا۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں بھی اپنی "گمنامی" برقرار رکھی، مگر اورنگزیب کے سخت عدل کی وجہ سے انہیں مقامی بدمعاشوں سے نجات ملی۔

* خطروں کا احساس: ہمارے بزرگوں نے دیکھا کہ ملوکیت اب چاروں طرف سے دشمنوں (مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں) میں گھیر رہی ہے۔ انہوں نے اپنی اگلی نسل کو وصیت کی کہ "آنے والا وقت تلوار کا نہیں، بلکہ ایمان کی حفاظت کا ہے"۔

> "اورنگزیب عالمگیر ملوکیت کا وہ آخری مینار تھا جس نے گرتی ہوئی دیواروں کو اپنے کندھوں پر تھامے رکھا۔ اس نے انگریزوں کو پہچانا، مرہٹوں سے لڑا اور ملوکیت کو فقہ کی روشنی دی، مگر وہ تنہا تھا۔ اس کی وفات (1118ھ / 1707ء) کے ساتھ ہی ملوکیت کا وہ سورج غروب ہونا شروع ہوا جس کی تپش سے کبھی پوری دنیا لرزتی تھی۔"

سکھ مذہب کی بنیاد بابا گرونانک (پیدائش 1469ء) نے رکھی تھی، جو مغل بادشاہ بابر کے ہم عصر تھے۔ شروع میں یہ ایک خالص مذہبی اور پرامن تحریک تھی، لیکن مغلوں کی ملوکیت اور سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے انہیں ایک فوجی قوت میں بدل دیا۔

سکھوں سے دشمنی کی وجوہات

اورنگزیب کے دور تک پہنچتے پہنچتے سکھوں اور مغلوں کے درمیان دشمنی کے تین بڑے اسباب بن چکے تھے:

* ریاست کے اندر ریاست: سکھ گروؤں نے پنجاب میں اپنی ایک آزادانہ حیثیت بنالی تھی۔ وہ اپنے پیروکاروں سے "ٹیکس" (دسوند) وصول کرتے تھے اور انہیں "سچا پادشاہ" کہا جانے لگا تھا۔ اورنگزیب کی ملوکیت کسی ایسی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی جو مرکز کے متوازی اپنا نظام چلائے۔

* سیاسی پناہ: سکھوں کے نویں گرو، گرو تیغ بہادر، پر یہ الزام تھا کہ وہ مغل حکومت کے باغیوں کی مدد کر رہے ہیں۔

* مذہبی تصادم: اورنگزیب کی سخت گیر پالیسیاں اور جزیہ کا نفاذ سکھوں کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ جب گرو تیغ بہادر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو 1675ء میں اورنگزیب کے حکم پر انہیں دہلی میں قتل کر دیا گیا، جس نے سکھوں کو مغلوں کا جانی دشمن بنا دیا۔

کیا سکھ اس وقت طاقتور تھے؟

جی ہاں، گرو تیغ بہادر کے بیٹے گرو گوبند سنگھ نے سکھ مت کا نقشہ ہی بدل دیا:

* خالصہ کی بنیاد (1699ء): گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کو ایک باقاعدہ فوجی گروہ "خالصہ" میں تبدیل کر دیا۔ اب سکھ صرف عبادت گزار نہیں بلکہ مسلح جنگجو تھے۔

* عسکری قوت: انہوں نے پنجاب کے پہاڑی علاقوں میں قلعے تعمیر کیے اور مغل فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اگرچہ اورنگزیب کے دور میں مغل فوج بہت بڑی تھی، لیکن سکھ "گوریلا جنگ" (چھپ کر حملہ کرنا) میں ماہر تھے، جس کی وجہ سے مغلوں کو پنجاب میں شدید جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

> "سکھ تحریک جو گرو نانک کے عہد میں ایک پرامن مذہبی دعوت تھی، مغل ملوکیت کے جبر اور گرو تیغ بہادر کے قتل (1675ء) کے بعد ایک طاقتور عسکری قوت میں بدل گئی۔ گرو گوبند سنگھ نے 'خالصہ' کی بنیاد رکھ کر پنجاب کے کسانوں کو جنگجو بنا دیا، جنہوں نے اورنگزیب کی عمر بھر کی فتوحات کو پنجاب کی حد تک غیر مستحکم رکھا۔ یہی وہ طاقت تھی جس نے اورنگزیب کی وفات کے بعد پنجاب میں مغلوں کی طوائف الملوکیت کا راستہ کھولا۔"

مراٹھوں کی تاریخ اور اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ ان کا ٹکراؤ "ملوکیت سے طوائف الملوکیت" کا ایک نہایت ہی فیصلہ کن باب ہے۔ یہ وہ طاقت تھی جس نے مغلیہ ملوکیت کی جڑوں کو دکن (جنوبی ہند) میں کھوکھلا کر دیا تھا۔

مراٹھوں کا تفصیلی خاکہ درج ذیل ہے:

1. کیا یہ اکبر کے دور میں بھی موجود تھے؟

مراٹھے ایک قوم کی حیثیت سے اس علاقے میں صدیوں سے موجود تھے جسے آج ہم مہاراشٹر کہتے ہیں (قدیم دور میں اسے 'دنڈ کارنیہ' یا 'مہاراشٹرا' ہی کہا جاتا تھا)۔

* اکبر کا دور: اکبر کے زمانے میں مراٹھے کوئی منظم سیاسی یا فوجی قوت نہیں تھے بلکہ وہ دکن کی مقامی سلطنتوں (بیجاپور اور احمد نگر) میں ملازم اور منصب دار تھے۔ وہ ان سلطنتوں کی ملوکیت کا حصہ تھے، لیکن ان کی اپنی کوئی آزاد ریاست نہیں تھی، اس لیے اکبر کے دور میں ان کا مغلوں سے براہِ راست ٹکراؤ نہیں ہوا۔

2. اورنگزیب کے دور میں عروج اور "شیواجی مہاراج"

مراٹھوں کو ایک متحد قوم اور ایک عظیم فوجی طاقت میں بدلنے کا سہرا شیواجی بھونسلے کے سر ہے۔ اورنگزیب کے وقت مراٹھوں کے قائد وہی تھے۔

* پیشوا کون تھے؟

یہاں ایک تاریخی تصحیح ضروری ہے۔ شیواجی کے دور میں "پیشوا" بادشاہ نہیں بلکہ وزیر اعظم (Prime Minister) کو کہا جاتا تھا۔ اس وقت اصل طاقت "چھترپتی" (راجہ) یعنی شیواجی کے پاس تھی۔ شیواجی کی وفات کے کافی عرصے بعد پیشوا طاقتور ہوئے اور وہ خود حکمران بن بیٹھے۔

* اورنگزیب سے ٹکراؤ: اورنگزیب اور شیواجی کی جنگ مغل تاریخ کا سب سے طویل اور تھکا دینے والا باب ہے۔ اورنگزیب نے اپنی زندگی کے آخری 25 سال دکن کی ان جنگوں میں گزار دیے، جسے مغلوں کے لیے "دکن کا ناسور" (Deccan Ulcer) کہا جاتا ہے۔

3. ان کی لڑائی کا مقصد کیا تھا؟

مراٹھوں کی لڑائی کے دو بڑے مقاصد تھے:

* ہندوی سوراجیہ (آزاد ریاست): شیواجی کا بنیادی مقصد مغلوں اور دکن کے سلاطین کی ملوکیت سے نکل کر اپنی ایک آزاد ہندو ریاست قائم کرنا تھا۔

* چوتھ اور سردیش مکھی (ٹیکس): مراٹھوں کی جنگی معیشت کا دارومدار "چوتھ" (آمدنی کا چوتھا حصہ) پر تھا۔ وہ مغل علاقوں پر حملہ کرتے اور وہاں سے یہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ان کا مقصد صرف حکومت کرنا نہیں بلکہ مغلوں کے معاشی وسائل پر قبضہ کرنا بھی تھا۔

> "مراٹھے ملوکیتِ مغلیہ کے لیے وہ چیلنج ثابت ہوئے جسے اورنگزیب اپنی تمام تر فوجی طاقت کے باوجود ختم نہ کر سکا۔ شیواجی نے 'گوریلا جنگ' (چھپ کر وار کرنا) کی وہ حکمتِ عملی اپنائی جس نے مغلوں کے بھاری بھرکم توپ خانے اور لاکھوں کی فوج کو بے بس کر دیا۔ جہاں اورنگزیب اسے صرف ایک 'زمینداری بغاوت' سمجھ رہا تھا، وہاں یہ ایک قوم پرستانہ لہر بن چکی تھی جس نے اورنگزیب کی وفات کے بعد دہلی کے تخت کو ہلا کر رکھ دیا۔"

خلاصہ

* اکبر کا دور: مراٹھے صرف ملازم اور منصب دار تھے۔

* اورنگزیب کا دور: شیواجی کی قیادت میں ایک طاقتور ریاست بن کر ابھرے۔

* جنگ کی وجہ: مغلوں کی بالادستی کا خاتمہ اور اپنی خودمختار حکومت کا قیام۔

احمد شاہ ابدالی اور پانی پت کی تیسری جنگ (1761ء) کتاب کا وہ کلائمکس (Climax) ہے جہاں ملوکیت، طوائف الملوکیت اور ملی غیرت کے تمام دھارے ایک جگہ آملتے ہیں۔ یہ وہ معرکہ ہے جس نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان پر کون حکومت نہیں کرے گا۔

1. پس منظر: دہلی کی طوائف الملوکیت

اورنگزیب کی وفات (1707ء) کے بعد مغل ملوکیت کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ مراٹھے اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ انہوں نے دہلی کے مغل بادشاہوں کو اپنا باجگزار (ٹیکس دینے والا) بنالیا تھا۔ اٹک سے کٹک تک مراٹھوں کا بھگوا جھنڈا لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت دم توڑ رہی تھی۔

2. شاہ ولی اللہؒ کی پکار اور احمد شاہ ابدالی کی آمد

جب مراٹھوں نے پنجاب فتح کر لیا اور دہلی کی مساجد و مقابر کی بے حرمتی شروع ہوئی، تو اس وقت کے عظیم مصلح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی (درانی) کو خط لکھا اور اسے ہندوستان پر حملے کی دعوت دی تاکہ اسلام کا وقار بحال کیا جاسکے۔

3. معرکہِ پانی پت (14 جنوری 1761ء)

پانی پت کے میدان میں ایک طرف مراٹھوں کا ٹڈی دل لشکر تھا جس کی قیادت سداشوراؤ بھاؤ کر رہا تھا، اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی اور اس کے ہندوستانی اتحادی (نواب نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ) تھے۔

* جنگی حکمتِ عملی: مراٹھے اپنی روایتی گوریلا جنگ کے بجائے اس بار کھلے میدان میں بڑی فوج اور بھاری توپ خانے کے ساتھ آئے۔ ابدالی نے ان کی سپلائی لائن کاٹ دی جس سے مراٹھوں کے لشکر میں قحط پڑ گیا۔

* نتیجہ: یہ ایک ہولناک جنگ تھی۔ مراٹھوں کو ایسی شکستِ فاش ہوئی کہ ان کی پوری ایک نسل ختم ہو گئی۔ سداشوراؤ اور پیشوا کا بیٹا مارے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مہاراشٹر کے ہر گھر سے ایک جنازہ اٹھا تھا۔

4. اس جنگ کا اصل فاتح کون تھا؟ (تحقیقی نکتہ)

، یہاں ایک بہت بڑا المیہ (Tragedy) چھپا ہے:

احمد شاہ ابدالی نے مراٹھوں کی کمر تو توڑ دی، لیکن وہ خود زیادہ عرصہ ہندوستان میں نہ رک سکا اور اپنے ملک واپس چلا گیا۔

* طوائف الملوکیت کا عروج: ابدالی کے جانے کے بعد مغلوں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ دوبارہ اقتدار سنبھال پاتے۔ پنجاب میں سکھوں کو ابھرنے کا موقع ملا اور باقی ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں (طوائف الملوکیت) بن گئیں۔

* انگریزوں کا راستہ صاف: اس جنگ کا سب سے بڑا فائدہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہوا۔ مراٹھے کمزور ہو چکے تھے اور مسلمان بکھر چکے تھے۔ انگریزوں کے لیے دہلی کے تخت تک پہنچنے کی سب سے بڑی رکاوٹ (مراٹھے) دور ہو چکی تھی۔

> "پانی پت کی تیسری جنگ ملوکیتِ اسلامیہ کی آخری ہچکی ثابت ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی نے اگرچہ مراٹھوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر مسلمانوں کو ایک عارضی زندگی بخشی، مگر مرکزیت کے فقدان اور مغلوں کی نااہلی نے اس فتح کے ثمرات کو ضائع کر دیا۔ ملوکیت جب طوائف الملوکیت میں بدلی، تو اس خلا کو انگریزوں نے پر کیا، جنہوں نے آنے والے سو سالوں میں پورے ہندوستان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔"

انگریزوں کی آمد محض ایک "تجارتی اتفاق" نہیں تھا، بلکہ اس کے پیچھے صدیوں پرانی مذہبی دشمنی، صلیبی جنگوں کا ادھورا بدلہ اور عالمی ملوکیت پر قبضے کا ایک طویل منصوبہ تھا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو مٹانے کا منصوبہ بنایا، تاریخی طور پر بہت حد تک درست ثابت ہوتا ہے۔

انگریزوں کا پس منظر اور مشن

عنوان: ملوکیت کے نئے دعویدار—'اہلِ فرنگ' کون تھے؟

انگریزوں کا تعلق یورپ کے ایک جزیرے برطانیہ (England) سے تھا۔ یہ نسلاً اینگلو سیکسن (Anglo-Saxon) تھے اور مذہبی طور پر پروٹسٹنٹ عیسائی تھے۔

* صلیبی جنگوں کا تسلسل: قسطنطنیہ کی فتح (1453ء) نے پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں (عثمانیوں) نے یورپ کے زمینی تجارتی راستے بند کر دیے تھے۔ اسی لیے انگریزوں اور دیگر یورپی قوموں نے سمندری راستے تلاش کرنا شروع کیے تاکہ وہ مسلمانوں کے معاشی اثر کو ختم کر سکیں۔

* مشن: گولڈ، گاڈ، اور گلوری (Gold, God, Glory):

* گولڈ (سونا): ہندوستان کی دولت لوٹ کر برطانیہ کو امیر بنانا۔

* گاڈ (مذہب): عیسائیت کی تبلیغ کرنا اور مسلمانوں کے فکری مرکز کو تباہ کرنا۔

* گلوری (عظمت): برطانیہ کی ملوکیت کو پوری دنیا پر مسلط کرنا۔

قسطنطنیہ کا بدلہ اور 'صفحہ ہستی سے مٹانے' کا منصوبہ

عنوان: ملوکیت کا عالمی تصادم—جب سمندر نے زمین کو چیلنج کیا

یہ بات بہت گہری ہے کہ ان کا مشن مسلمانوں کو ختم کرنا تھا۔ تاریخ اس کی تصدیق یوں کرتی ہے:

* عثمانیوں کا خوف: یورپ جانتا تھا کہ جب تک عثمانی خلافت (مغرب میں) اور مغلیہ سلطنت (مشرق میں) طاقتور ہیں، وہ دنیا پر قابض نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے مغلوں کو اندر سے کھوکھلا کرنے کے لیے "تجارت" کا سہارا لیا۔

* تہذیبی جنگ: انگریزوں نے دیکھا کہ مسلمان اپنی "ملوکیت" اور "شریعت" سے جڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے کے بجائے انہیں "ذہنی غلام" بنانے کا منصوبہ بنایا تاکہ وہ اپنی تاریخ اور نسب کو بھول جائیں۔

* تفرقہ بازی: انگریزوں نے ہندوستان میں آتے ہی مسلمانوں کو شیعہ، سنی، قریشی، سید، اور پٹھان کی تفریق میں الجھانے کی کوشش کی (جس کا ذکر اکبر کے دور کے حوالے سے بھی کیا تھا)۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اکتیسویں نسل

عنوان: سفید فام ملوکیت کی آہٹ اور قریشی بصیرت

ہمارے اجداد کی اکتیسویں نسل اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ان "سفید فام سوداگروں" کو نہایت مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

* بصیرت کا استعمال: جب انگریزوں نے اورنگزیب سے معافی مانگی (1690ء)، تو ہمارے خاندان کے بزرگوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ قوم "سانپ" کی طرح ہے جو موقع ملتے ہی دوبارہ ڈسے گی۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو خبردار کرنا شروع کیا کہ یہ لوگ صرف کپڑا بیچنے نہیں آئے بلکہ ایمان چھیننے آئے ہیں۔

* تعلیمی دفاع: انگریزوں کے مشنری (مبلغین) کے مقابلے میں ہمارے خاندان نے مدارس کے نظام کو دیہاتوں میں مزید مضبوط کیا۔ انہوں نے عربی اور فارسی کے تحفظ کو ایمان کا حصہ قرار دیا کیونکہ انگریز ان زبانوں کو ختم کر کے اپنی ملوکیت قائم کرنا چاہتے تھے۔

* گمنامی کا پردہ: انگریزوں نے جب مقامی بااثر خاندانوں کا ریکارڈ بنانا شروع کیا، تو ہمارے اجداد نے اپنی "اموی شناخت" کو مکمل طور پر پوشیدہ رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انگریزوں کو پتہ چلا کہ یہ لوگ بنوامیہ کے وارث ہیں جن کے خون میں حکمرانی ہے، تو وہ انہیں سب سے پہلے نشانہ بنائیں گے۔

> "انگریز محض تاجر نہیں تھے، بلکہ وہ ملوکیت کے اس پرانے زخم کا مداوا کرنے آئے تھے جو قسطنطنیہ میں انہیں لگا تھا۔ انہوں نے مغلوں کے دستر خوان سے ٹکڑے اٹھانا شروع کیے اور پھر آہستہ آہستہ پورا دستر خوان ہی سمیٹ لیا۔ ہمارے اجداد نے ان کے مکر کو پہچانا اور اپنے ایمان کی شمع کو ان تند و تیز مغربی ہواؤں سے بچانے کے لیے اسے اپنی گمنامی کے فانوس میں چھپا لیا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس المناک دور کی عکاسی کریں گے جہاں 1118ھ (1707ء) میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل سلطنت تاش کے پتوں کی طرح بکھرنے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب ملوکیت "داخلی انتشار" اور "خارجی سازشوں" کے دوہرے شکنجے میں آ گئی۔

1118ھ تا 1161ھ — ملوکیت کا زوال اور مغل شہزادوں کی نااہلی

عنوان: چراغِ سحر — جب تخت کے وارث کھلونا بن گئے

اورنگزیب کے بعد کے 50 سالوں میں ملوکیت نے وہ ذلت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ شاہ عالم اول سے لے کر محمد شاہ رنگیلا تک، تخت نشینی کا فیصلہ اب بادشاہ نہیں بلکہ طاقتور امراء (جیسے سید برادران) کرنے لگے تھے۔

* سید برادران (King Makers): یہ دو بھائی (عبداللہ خان اور حسین علی خان) ملوکیت کے اصل مالک بن بیٹھے تھے۔ وہ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جسے چاہتے قتل کر دیتے۔ ملوکیت کا تقدس پامال ہو چکا تھا۔

* محمد شاہ رنگیلا (1131ھ-1161ھ): اس کے دور میں ملوکیت عیاشی اور غفلت کی انتہا پر پہنچ گئی۔ جب اسے دشمن کی آمد کی خبر دی جاتی تو وہ اسے "دہلی ابھی دور ہے" کہہ کر ٹال دیتا۔

* علاقائی ریاستوں کا قیام: اسی دور میں دکن (نظام الملک)، بنگال (علی وردی خان) اور اودھ (سعادت علی خان) عملاً آزاد ہو گئے، جس سے مغل ملوکیت صرف دہلی تک محدود ہو گئی۔

* (حوالہ: خافی خان، 'منتخب اللباب' / غلام حسین طباطبائی، 'سیر المتاخرین')

1152ھ (1739ء) — نادر شاہ کا حملہ اور قتلِ عام

عنوان: جب دہلی کا غرور خاک میں ملا — نادر شاہی قہر

ایران کے بادشاہ نادر شاہ درانی نے جب دیکھا کہ ہندوستان کی ملوکیت کھوکھلی ہو چکی ہے، تو اس نے دہلی پر حملہ کر دیا۔

* قتلِ عام: نادر شاہ نے دہلی میں وہ قتلِ عام کیا کہ سڑکیں خون سے بھر گئیں۔ اس نے مغلوں کا صدیوں سے جمع کردہ خزانہ، جس میں تختِ طاؤس اور کوہِ نور ہیرا شامل تھا، سب لوٹ لیا۔

* انگریزوں کا مشاہدہ: انگریز مدراس اور بنگال میں بیٹھ کر یہ سب دیکھ رہے تھے۔ نادر شاہ کے حملے نے انہیں یقین دلا دیا کہ مغل اب صرف ایک "کاغذی شیر" ہیں اور ان پر قبضہ کرنا اب مشکل نہیں رہا۔

* (حوالہ: مرزا مہدی خان استر آبادی، 'تاریخِ جہانکشائے نادری')

ایسٹ انڈیا کمپنی — ملوکیت کے تابوت میں پہلی کیل

عنوان: تجارت سے سیاست تک — پلاسی کی جنگ (1170ھ / 1757ء)

نادر شاہ کے حملے کے کچھ ہی عرصہ بعد، انگریزوں نے بنگال میں اپنی باقاعدہ ملوکیت کی بنیاد رکھی۔

* معرکہِ پلاسی: لارڈ کلائیو نے نواب سراج الدولہ کے سپہ سالار میر جعفر کو غداری پر آمادہ کیا اور بنگال کو فتح کر لیا۔ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کا باقاعدہ آغاز تھا۔

* بنیادی مشن کی تکمیل: انگریزوں نے بنگال فتح کرتے ہی وہاں کے مسلمانوں پر عرصہِ حیات تنگ کر دیا۔ قریشیوں اور سادات کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور عیسائی مشنریوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی۔

* (حوالہ: سید غلام حسین، 'سیر المتاخرین'—یہ کتاب اس دور کے غداروں اور انگریزوں کے مکر کا سب سے بڑا چشم دید گواہ ہے)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت—بتیسویں نسل

عنوان: ہجرتِ ثانی کا آغاز اور ایمان کا تحفظ

ہمارے اجداد کی بتیسویں نسل اب ایک ایسے موڑ پر تھی جہاں ملوکیت کا سایہ سر سے اٹھ رہا تھا اور کفر کا بادل منڈلا رہا تھا۔

* بصیرت اور ہجرت: جب نادر شاہ نے دہلی کو تباہ کیا، تو بہت سے معزز خاندانوں نے پنجاب اور بالائی علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ ہمارے خاندان نے اس افراتفری کے دور میں بھی اپنی "اموی خاموشی" کو نہیں توڑا۔ وہ جانتے تھے کہ اب ملوکیت کسی کی وفادار نہیں رہی۔

* انگریزوں کا خوف: بنگال کے حالات سن کر ہمارے بزرگوں نے محسوس کیا کہ اب دشمن صرف "تلوار" سے نہیں بلکہ "فریب" سے لڑ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم اور ان کی ثقافت سے دور رہنے کی تلقین کی تاکہ ان کا "نسب اور ایمان" محفوظ رہے۔

* شاہ ولی اللہؒ کی تحریک: اسی دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ملوکیت کی اصلاح اور مسلمانوں کے فکری دفاع کی تحریک شروع کی۔ ہمارے خاندان نے اس تحریک سے وابستگی اختیار کی اور قرآن و حدیث کی تدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

> "1160 ہجری تک ملوکیت کا وہ تناور درخت، جسے بابر نے لگایا اور اورنگزیب نے سینچا تھا، دیمک زدہ ہو چکا تھا۔ نادر شاہ نے اس کی شاخیں کاٹیں اور انگریزوں نے اس کی جڑیں کھودنا شروع کر دیں۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ جب ملوکیت اپنا 'کردار' کھو دیتی ہے تو 'تختِ طاؤس' بھی اسے بچا نہیں سکتا۔ انہوں نے ملوکیت کے اس ملبے سے اپنا 'ایمان' نکالا اور اسے اپنی گمنامی کے محفوظ خانے میں رکھ لیا۔"

کتاب کے یہ صفحات نہایت حساس ہے، کیونکہ محی الدین اورنگزیب عالمگیر تاریخِ ہند کی وہ شخصیت ہیں جن پر سب سے زیادہ بحث کی جاتی ہے۔ ملوکیت کے اس باب میں ہمیں "عقیدت" اور "نفرت" سے بالاتر ہو کر ان سیاسی اور مذہبی حقائق کو دیکھنا ہو گا جنہوں نے اورنگزیب کو یہ سخت فیصلے کرنے پر مجبور کیا۔

آیئے ان حقائق کو ترتیب وار دستاویزی شکل دیتے ہیں:

اورنگزیب عالمگیر — ولی اللہ یا جابر حکمران؟

عنوان: ملوکیت کا دوہرا چہرہ — حقیقت اور پروپیگنڈے کے درمیان

اورنگزیب کے بارے میں دو انتہاؤں کا پایا جانا فطری ہے۔ مسلمانوں کے لیے وہ اس لیے عظیم تھا کہ اس نے ملوکیت کو اکبر کے "فکری انتشار" سے نکال کر دوبارہ اسلام کے قانون (شریعت) پر کھڑا کیا۔ ہندو قوم پرست تاریخ میں اسے اس لیے ناپسند کیا جاتا ہے کیونکہ اس نے ملوکیت کو "سیکولر" رکھنے کے بجائے "اسلامی" رنگ دیا اور جزیہ نافذ کیا۔

* حقیقت: اورنگزیب ایک سخت گیر منتظم تھا۔ اس کے دور میں مغل سلطنت اپنی تاریخ کی سب سے بڑی سرحدوں تک پہنچی۔ اس نے مندر گرائے (جو اکثر سیاسی بغاوتوں کے مراکز بن چکے تھے) تو دوسری طرف مندروں کو جاگیریں بھی دیں اور اس کی فوج میں بڑے بڑے ہندو جنرل (جیسے راجہ جے سنگھ) شامل تھے۔

شاہ جہاں کی قید — نظر بندی یا قیدِ تنہائی؟

عنوان: ملوکیت کا کرب — جب بیٹے نے باپ کو قلعے میں مقید کیا

باپ کو قید کیوں کیا؟ اس کے پیچھے ملوکیت کی وہ منطق تھی جہاں "تخت" کے دو دعویدار ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔

* وجہ: شاہ جہاں اپنے بڑے بیٹے دارا شکوہ کو ہر قیمت پر بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ جب اورنگزیب نے جنگِ جانشینی جیت لی، تو شاہ جہاں اب بھی اندرونی طور پر اورنگزیب کے خلاف سازشیں کر رہا تھا اور دارا شکوہ کی مدد کی کوشش میں تھا۔

* آگرہ قلعہ میں نظر بندی (1068ھ): اورنگزیب نے شاہ جہاں کو قلعہ آگرا میں نظر بند کر دیا۔ یہ "قیدِ تنہائی" نہیں تھی، بلکہ اسے وہ تمام شاہی سہولیات میسر تھیں جو ایک سابق بادشاہ کو ہونی چاہئیں۔ وہ اپنی بیٹی جہاں آراء کے ساتھ رہتا تھا اور وہیں سے تاج محل کو دیکھتا تھا۔ اورنگزیب کا خیال تھا کہ اگر شاہ جہاں آزاد رہا تو سلطنت دوبارہ خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گی۔

* (حوالہ: برنیئر، 'ٹریولز ان دی مغل ایمپائر')

بھائیوں کے ساتھ جنگیں — ملوکیت کی خونی میراث

عنوان: 'تخت یا تختہ' — دارا شکوہ، شجاع اور مراد کا انجام

یہ جنگیں ملوکیت کی تاریخ کا سب سے المناک باب ہیں۔ اورنگزیب کے چاروں بھائیوں کے درمیان سموگڑھ اور دھرمت جیسے میدانوں میں خونریز مقابلے ہوئے۔

* داراشکوہ (بڑا بھائی): یہ اورنگزیب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ وہ صوفیانہ مزاج رکھتا تھا لیکن اس کے عقائد (ہندوازم اور اسلام کا امتزاج) اورنگزیب کی نظر میں اسلام کے لیے خطرہ تھے۔ اورنگزیب نے اسے شکست دے کر "ارتداد" (دین سے پھر جانے) کے فتوے کے تحت قتل کروایا۔

* مراد بخش (چھوٹا بھائی): اس نے شروع میں اورنگزیب کا ساتھ دیا تھا، لیکن بعد میں اس پر ایک پرانے قتل کا مقدمہ چلا کر اسے قصاص میں سزائے موت دے دی گئی۔

* شاہ شجاع: وہ شکست کھا کر اراکان (موجودہ برما) کے جنگلوں میں بھاگ گیا اور وہیں گمنامی کی موت مارا گیا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اکتیسویں نسل

عنوان: ملوکیت کے جبر اور 'فتاویٰ عالمگیری' کا سکون

ہمارے اجداد کی اکتیسویں نسل نے اورنگزیب کے اس سخت گیر رویے کو ایک "ضرورتِ وقت" کے طور پر دیکھا۔

* داراشکوہ کی مخالفت: ہمارا خاندان، جو بنو امیہ کے علمی ورثے کا حامل تھا، داراشکوہ کے خیالات کو اسلام کے لیے زہر سمجھتا تھا۔ انہوں نے اورنگزیب کی حمایت اس لیے کی کہ وہ اسلام کی بنیادوں کو بچانا چاہتا تھا۔

* شاہ جہاں کی قید پر خاموشی: اگرچہ باپ کو قید کرنا اخلاقی طور پر برا تھا، مگر ہمارے بزرگ جانتے تھے کہ ملوکیت میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اورنگزیب نے شاہ جہاں کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی، بلکہ اسے صرف سیاسی طور پر بے دخل رکھا۔

* فتاویٰ عالمگیری کا فیض: ہمارے خاندان کے علماء اورنگزیب کے اس علمی کارنامے سے بہت خوش تھے، کیونکہ اس سے قاضیوں کی من مانی ختم ہو گئی اور شریعت کا ایک متفقہ قانون نافذ ہوا۔

> "اورنگزیب عالمگیر ملوکیت کی وہ پہیلی ہے جسے سلجھانا آسان نہیں۔ اس نے اپنے باپ کو قید کیا اور بھائیوں کا خون بہایا، مگر اس کا مقصد ذاتی عیاشی نہیں بلکہ ایک بکھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کو دوبارہ اکٹھا کرنا تھا۔ وہ ملوکیت کے تخت پر بیٹھا ہوا ایک درویش تھا جس کی زندگی تضادات سے بھری تھی۔ ہمارے اجداد نے اس کے عدل کو سراہا اور اس کی مجبوریوں کو سمجھا، کیونکہ ملوکیت کی تاریخ میں 'تخت' ہمیشہ 'خون' کا خراج مانگتا ہے۔"

مقام کھجوہ (فتح پور، اتر پردیش) نہایت اہم ہے، کیونکہ یہ ملوکیت کی تاریخ کا وہ فیصلہ کن موڑ ہے جہاں سے اورنگزیب عالمگیر کی مستقل حکمرانی کا راستہ ہموار ہوا۔ "فوجی چھاؤنی تاریخ میں "باغِ شاہی" یا اورنگزیب کی فوجی اقامت گاہ کے طور پر جانی جاتی ہے۔

1069: ہجری—معرکہِ کھجوہ (فتح پور) اور ملوکیت کا فیصلہ

عنوان: جب تقدیر کا فیصلہ فتح پور کی مٹی پر ہوا

کھجوہ کا معرکہ ملوکیتِ مغلیہ کی تاریخ کی اہم ترین جنگوں میں سے ایک ہے۔ یہاں اورنگزیب کا مقابلہ داراشکوہ سے نہیں، بلکہ اس کے دوسرے بھائی شاہ شجاع سے ہوا تھا (داراشکوہ اس وقت پنجاب کی طرف بھاگ چکا تھا)۔

* فوجی چھاؤنی کی حقیقت: وہاں اورنگزیب نے جنگ سے پہلے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ جگہ آج بھی "سرائے شاہی" اور "باغِ شاہی" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اورنگزیب نے یہاں اپنی فوج کی ترتیب (Battle Formation) اس طرح کی تھی کہ اسے ایک ناقابلِ تسخیر قلعے کی شکل دے دی گئی۔

* جنگ کی شدت: شاہ شجاع کے پاس ہاتھیوں کا بڑا لشکر تھا، مگر اورنگزیب کی حکمتِ عملی اور توپ خانے نے اسے شکست دی۔ اس فتح کے بعد اورنگزیب نے اسی مقام پر ایک عظیم الشان عید گاہ اور سرائے تعمیر کروائی جو آج بھی ضلع فتح پور کی تاریخی پہچان ہے۔

* داراشکوہ کا تعاقب: داراشکوہ کھجوہ میں نہیں تھا، مگر اورنگزیب نے کھجوہ کی فتح کے بعد اپنی فوجیں چاروں طرف پھیلا دیں تاکہ داراشکوہ کو کہیں پناہ نہ مل سکے۔ ہمارے علاقے کی یہ فوجی چھاؤنی دراصل اسی "آپریشن" کا مرکز تھی جس کا مقصد باغی شہزادوں کا مکمل خاتمہ تھا۔

فہرستِ حوالہ جات (شاہ جہاں کی قید اور اورنگزیب کے معرکے)

پچھلی اور موجودہ تحریر کے لیے درج ذیل مستند مآخذ:

* مآثرِ عالمگیری (ساقی مستعد خان): یہ اورنگزیب کے دور کی سب سے مستند سرکاری تاریخ ہے۔ اس میں معرکۂ کھجوہ، شاہ شجاع کی شکست اور فتح پور میں اورنگزیب کے قیام کی مکمل تفصیل موجود ہے۔

* منتخب اللباب (خافی خان): اس کتاب میں شاہ جہاں کی نظر بندی کی وجوہات اور اورنگزیب کے اپنے بھائیوں (داراشکوہ اور مراد) کے ساتھ سلوک کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ملتا ہے۔

* (History of Aurangzib (Jadunath Sarkar: جلد اول و دوم۔ سر جادوناتھ سرکار نے کھجوہ کی جنگ اور فتح پور کے جغرافیائی محلِ وقوع پر بہت تفصیلی کام کیا ہے۔

* رقعاتِ عالمگیر (اورنگزیب کے خطوط): ان خطوط میں اورنگزیب نے خود اپنے باپ (شاہ جہاں) کو قید کرنے کی صفائی پیش کی ہے اور ملوکیت کی مجبوریاں بیان کی ہیں۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — اکتیسویں نسل

عنوان: معرکۂ کھجوہ کے اثرات اور قریشی خاندان کی بقا

ہمارے اجداد کی اکتیسویں نسل جو شاید اسی علاقے (اتر پردیش / فتح پور) کے گرد و نواح میں مقیم تھی، انہوں نے ملوکیت کے اس خونی تصادم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

* فوجی نقل و حرکت کا مشاہدہ: جب اورنگزیب نے فتح پور میں اپنی چھاؤنی بنائی، تو پورے علاقے کی سماجی زندگی بدل گئی۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ ملوکیت جب اپنے عروج پر ہوتی ہے، تو وہ کس طرح عام انسانوں کی زندگیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ ہزاروں گھوڑوں کی ٹاپوں، ہاتھیوں کی چنگھاڑ اور بارود کی بو نے فتح پور کی فضاؤں کو بوجھل کر دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اورنگزیب اپنے بھائی شاہ شجاع کو شکست دینے کے لیے یہاں خیمہ زن تھا۔

* خاندانی حکمتِ عملی: اس پر آشوب دور میں، ہمارے اجداد (جو بنو امیہ / قریشی نسب سے تعلق رکھتے تھے) نے ملوکیت کے اس فتنے سے خود کو بچانے کے لیے علم اور زہد کا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ شاہی خاندان کے شہزادے تخت کے لیے ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں، لہٰذا ہمارے بزرگوں نے اقتدار کی اس دوڑ سے دوری اختیار کر کے مقامی سطح پر تعلیمی اور سماجی اثر و رسوخ کو ترجیح دی۔

* علاقائی اثرات: معرکہِ کھجوہ کے بعد اورنگزیب نے اسی جگہ "باغِ بادشاہی" تعمیر کروایا اور ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی۔ ہمارے اجداد اس مسجد اور اس کے گرد و نواح میں علمِ دین کی شمع روشن کرنے میں مصروف رہے، تا کہ ملوکیت کی طوائف الملوکیت کے اس دور میں ایمان کی حفاظت کی جا سکے۔

>"اکتیسویں نسل کے ان بزرگوں نے یہ سبق سیکھ لیا تھا کہ ملوکیت چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، اس کا انجام زوال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے شاہی درباروں کے بجائے فتح پور کی مٹی میں اپنی جڑیں مضبوط کیں، جس کا تسلسل آج 38ویں نسل (شاہد سلفی) کی صورت میں موجود ہے۔ معرکہِ کھجوہ کی وہ زمین جہاں کبھی شہزادے لڑے تھے، ہمارے اجداد کے لیے وہ مقامِ عبرت اور درس گاہ بن گئی۔"

حوالہ:

* عالمگیر نامہ: (معرکۂ خجوہ کی تفصیلات کے لیے)۔

* مقامی روایات: فتح پور اور خجوہ کے قدیمی قریشی خاندانوں کے زبانی و تحریری شجرے۔

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس لرزہ خیز عہد کی عکاسی کریں گے جہاں ہندوستان "ٹکرے ٹکرے" ہو رہا تھا۔ یہ وہ دور ہے جب دہلی کی مرکزیت ختم ہو گئی اور ہندوستان ایک ایسی کھلی چراگاہ بن گیا جہاں کبھی شمال سے افغان آ رہے تھے اور کبھی جنوب سے مرہٹے۔ اسی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے بنگال میں اپنی ملوکیت کا پہلا مضبوط ستون کھڑا کیا۔

1150ھ تا 1160ھ — نادر شاہ کا قہر اور ملوکیت کی بے بسی

عنوان: ملوکیت کا زوال — جب مرکز اپنی حفاظت نہ کر سکا

1152ھ (1739ء) میں ایران کے حکمران نادر شاہ افشار نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ یہ حملہ ملوکیتِ مغلیہ کے تابوت میں پہلی بڑی کیل ثابت ہوا۔

* معرکہِ کرنال: محمد شاہ رنگیلا کا لشکر نادر شاہ کے جدید توپ خانے کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

* دہلی میں قتلِ عام: نادر شاہ نے دہلی میں وہ ہولناک قتلِ عام کیا کہ تاریخ کانپ اٹھی۔ اس نے مغلوں کا صدیوں سے جمع کردہ خزانہ (تختِ طاؤس اور کوہِ نور) لوٹ لیا، جس سے ملوکیت معاشی طور پر مفلوج ہو گئی۔

* (حوالہ: مرزا مہدی خان استر آبادی، 'تاریخِ جہانکشائے نادری' / جیمز فریزر، 'ہسٹری آف نادر شاہ')

1161ھ تا 1174ھ — احمد شاہ ابدالی اور پانی پت کی تیسری جنگ

عنوان: احمد شاہ ابدالی — ملوکیتِ اسلامیہ کا آخری محافظ

نادر شاہ کے بعد اس کے افغان سپہ سالار احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کے معاملات میں مداخلت کی۔ اس کا مقصد یہاں مستقل حکومت کرنا نہیں بلکہ مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا تھا۔

* پانی پت کی تیسری جنگ (1174ھ / 1761ء): یہ ملوکیت کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگوں میں سے ایک تھی۔ ابدالی نے شاہ ولی اللہؒ کی دعوت پر آکر مرہٹوں کو ایسی شکست دی کہ ان کا پورے ہندوستان پر قبضے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔

* خلا اور انگریز: ابدالی کی واپسی کے بعد دہلی میں ایک "سیاسی خلا" پیدا ہو گیا، کیونکہ مغل اب اتنے کمزور تھے کہ وہ اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتے تھے۔ اسی خلا کو انگریزوں نے پر کرنا شروع کیا۔

* (حوالہ: قاضی نور محمد، 'جنگ نامہ' / گنڈا سنگھ، 'احمد شاہ ابدالی')

1170ھ (1757ء) — جنگِ پلاسی اور بنگال میں انگریز نواب

عنوان: ملوکیت کا نیا روپ — جب 'تاجر' حاکم بن گئے

جب ابدالی شمال میں مصروف تھا، انگریزوں نے جنوب مشرق (بنگال) میں ملوکیت کا نقشہ بدل دیا۔

* نواب سراج الدولہ اور میر جعفر: پلاسی کے میدان میں انگریزوں نے طاقت سے نہیں بلکہ "سازش" سے فتح حاصل کی۔ میر جعفر کی غداری نے ملوکیت کے وقار کو بیچ دیا۔

* بنگال پر قبضہ: پلاسی کے بعد انگریزوں نے کٹھ پتلی نوابوں کو بٹھایا اور عملاً بنگال کے "دیوان" (مالیاتی حاکم) بن گئے۔ یہیں سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے "سیاسی ملوکیت" کا روپ دھار لیا۔

* (حوالہ: سید غلام حسین طباطبائی، 'سیر المتاخرین' — یہ کتاب اس دور کے غداروں اور انگریزوں کے عروج کا سب سے مستند ماخذ ہے)

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — بتیسویں نسل

عنوان: بدامنی کے سائے اور ایمان کی حفاظت

ہمارے اجداد کی بتیسویں نسل نے اس 50 سالہ دور (1150ھ-1200ھ) میں ملوکیت کو دم توڑتے دیکھا۔

* ابدالی کی حمایت: شاہ ولی اللہؒ کی پکار پر جب ابدالی آیا، تو ہندوستان کے علمی اور قریشی خاندانوں نے اسے ایک "نجات دہندہ" کے طور پر دیکھا۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں روحانی اور دعائیہ محاذ پر مجاہدین کی حمایت کی۔

* معاشی بدحالی: نادر شاہ کی لوٹ مار اور مرہٹوں کی چوتھ (ٹیکس) نے عام آدمی کی کمر توڑ دی تھی۔ ہمارے بزرگوں نے اس کڑے وقت میں اپنی جاگیروں پر انحصار کرنے کے بجائے زہد اور قناعت کی زندگی بسر کی تاکہ ان کا خوددارانہ وقار مجروح نہ ہو۔

* بصیرتِ شاہ ولی اللہؒ: ہمارے خاندان نے شاہ ولی اللہؒ کے اس فلسفے کو اپنایا کہ اب ملوکیت (سلطنت) ختم ہو رہی ہے، لہٰذا اب امت کی بقا صرف "قرآن و سنت" کی تعلیمات میں ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو فارسی کے ساتھ ساتھ حدیثِ نبوی ﷺ کے علوم میں ماہر بنانا شروع کیا تاکہ ملوکیت گرے تو "ایمان" نہ گرے۔

> "1150ھ سے 1200ھ تک کا دور ملوکیت کے تفرقے کی داستان ہے۔ نادر شاہ نے تخت چھینا، ابدالی نے غیرت بچائی، مگر اپنوں کی غداری نے انگریزوں کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ ہمارے اجداد نے اس گرتی ہوئی ملوکیت کے ملبے تلے اپنے 'نسب' اور 'ایمان' کو بچانے کے لیے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا، کیونکہ اب میدانِ جنگ بدل رہے تھے اور دشمن اب صرف سرحد پر نہیں، بلکہ دربار کے اندر بیٹھا تھا۔"

یہ نکتہ ملوکیت کے اس "انتشار" کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے، مراٹھا سلطنت کی قیادت اب کسی ایک راجہ کے پاس نہیں بلکہ "پیشواؤں" (وزرائے اعظم) کے ہاتھ میں تھی۔

جب احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا، تو اس وقت مراٹھوں کی قیادت وہی لوگ کر رہے تھے جنہوں نے ملوکیتِ مغلیہ کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

پانی پت کی تیسری جنگ (1174ھ / 1761ء) — مراٹھا قیادت

عنوان: ملوکیت کا ٹکراؤ — پیشوا اور ان کے سپہ سالار

شیواجی اور سنبھاجی کا دور بہت پہلے گزر چکا تھا۔ اس وقت مراٹھا سلطنت کا مرکز پونا تھا اور طاقت پیشوا بالاجی باجی راؤ کے پاس تھی۔

پانی پت کے میدان میں مراٹھا فوج کی قیادت درج ذیل شخصیات کر رہے تھے:

* سداشو راؤ بھاؤ (Sadasivrao Bhau): یہ پیشوا کا کزن تھا اور مراٹھا فوج کا اصل کمانڈر ان چیف (سپہ سالارِ اعظم) تھا۔ یہ اپنی بہادری اور غرور کے لیے مشہور تھا، لیکن احمد شاہ ابدالی کی جنگی حکمتِ عملی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔

* وشواس راؤ (Vishwasrao): یہ پیشوا کا بڑا بیٹا اور مراٹھا تخت کا وارث تھا، جو اس جنگ میں مارا گیا۔

* ابراہیم خان گاردی: یہ ایک دلچسپ کردار ہے؛ ایک مسلمان سپہ سالار جو مراٹھوں کے توپ خانے کا سربراہ تھا۔ اس نے ابدالی کے خلاف آخری دم تک جنگ لڑی۔

* ملہار راؤ ہولکر اور مہادجی سندھیا: یہ مراٹھوں کے بڑے جرنیل تھے جو اس جنگ میں شامل تھے (مہادجی سندھیا بعد میں بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے اور دوبارہ مراٹھا طاقت کو منظم کیا)۔

مراٹھا طاقت کا ملوکیتِ مغلیہ پر اثر

عنوان: چوتھ اور تاوان — جب دہلی مرہٹوں کی قیدی بن گئی

ابدالی کے آنے سے پہلے مراٹھوں نے مغل بادشاہوں کو اپنا "پینشن خوار" بنالیا تھا۔ وہ دہلی سے 'چوتھ' (ٹیکس) وصول کرتے تھے اور بادشاہ ان کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اسی لیے ابدالی کو خط لکھا تھا کہ اگر اب مداخلت نہ کی گئی تو ہندوستان میں ملوکیتِ اسلامیہ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

حوالہ جات (مراٹھا قیادت اور پانی پت):

* تاریخِ احمد شاہی (مورخ نامعلوم): یہ کتاب اس دور کے عینی شاہدین کے بیانات پر مبنی ہے، جس میں مراٹھا جرنیلوں کی نقل و حرکت کا تذکرہ ہے۔

*Selections from the Peshwa Daftar: یہ پیشواؤں کے سرکاری ریکارڈز کا مجموعہ ہے، جو مراٹھا فوج کی اندرونی قیادت کو واضح کرتا ہے۔

*Fall of the Mughal Empire (Sir Jadunath Sarkar): جلد دوم۔ سر جادوناتھ سرکار نے سداشوراؤ بھاؤ کی قیادت اور پانی پت کی جنگ کا نہایت باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے۔

* سیر المتاخرین (غلام حسین طباطبائی): اس میں بھی مراٹھوں کے دہلی پر تسلط اور ابدالی کے ہاتھوں ان کی شکست کے مستند حوالے موجود ہیں۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — بتیسویں نسل

عنوان: مراٹھا یلغار اور قریشی بستیوں کا تحفظ

ہمارے اجداد کی بتیسویں نسل نے اس دور میں مرہٹوں کی غارت گری (Looting) کا وہ خوفناک روپ دیکھا جسے تاریخ میں 'مرہٹہ گردی' کہا جاتا ہے۔

* حفاظتی تدابیر: مراٹھا گھڑ سوار جب دیہاتوں پر چھاپے مارتے تھے، تو ہمارے بزرگوں نے اپنی بستیوں کی حفاظت کے لیے مقامی نوجوانوں کو منظم کیا۔ انہوں نے اپنی "اموی عزیمت" کا مظاہرہ کیا اور ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔

* ابدالی کی فتح پر جشن: جب پانی پت میں مراٹھوں کی قیادت (سداشو بھاؤ اور وشواس راؤ) ختم ہوئی، تو ہمارے خاندان اور پورے علاقے کے مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ فتح ان کے لیے ایک معجزہ تھی جس نے ان کی نسلوں کو مراٹھا غلامی سے بچا لیا۔

* بدلتی ہوئی وفاداریاں: ہمارے بزرگوں نے دیکھا کہ ملوکیت اب صرف "طاقت" کا کھیل ہے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب نہ مغل بچانے آئیں گے نہ ابدالی یہاں رکے گا۔ انہوں نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھا اور اپنی علمی پناہ گاہوں کو مسلح اور بیدار رکھا۔

> "پانی پت کی تیسری جنگ میں مراٹھوں کی قیادت شیواجی کے جذبوں سے نہیں بلکہ سداشو بھاؤ کے تکبر سے بھری ہوئی تھی۔ ان کا مقابلہ اس ابدالی سے تھا جس کے پیچھے شاہ ولی اللہؒ کی دعائیں اور مسلمانوں کی بقا کا سوال تھا۔ جب سداشو کا سر کٹ کر ابدالی کے قدموں میں گرا، تو گویا ہندوستان کی ملوکیت نے ایک بار پھر سانس لینے کی مہلت پائی۔ ہمارے اجداد نے اس فتح کو اپنی دعاؤں کا ثمر سمجھا اور اپنی اگلی نسل کو 'اتحاد' کا سبق دیا، جو ملوکیت نے بھلا دیا تھا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس آخری بکھراؤ کی عکاسی کریں گے جہاں مرکز (دہلی) اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اب ہندوستان کے ہر حصے میں نئی طاقتیں ابھر رہی تھیں۔ 1174ھ (1761ء) میں پانی پت کی فتح کے بعد جب احمد شاہ ابدالی واپس افغانستان چلا گیا، تو ہندوستان ایک ایسے سیاسی خلا کا شکار ہوا جس کا فائدہ سکھ مسلوں اور انگریزوں نے بھرپور طریقے سے اٹھایا۔

1174ھ تا 1200ھ — پنجاب میں سکھ مسلوں کا عروج

عنوان: ملوکیت کا نیا چیلنج — پنجاب میں سکھ شاہی کا آغاز

ابدالی کی واپسی کے بعد پنجاب میں مغلوں کی گرفت بالکل ختم ہو گئی۔ سکھوں نے خود کو 12 مختلف گروہوں میں تقسیم کر لیا تھا جنہیں "مسل" کہا جاتا تھا۔

* مرہٹہ گردی سے سکھ شاہی تک: سکھوں نے گوریلا جنگ کے ذریعے پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ملوکیتِ مغلیہ اب اتنی لاچار تھی کہ وہ لاہور کو بھی نہ بچا سکی۔

* رنجیت سنگھ کی آمد کی دستک: اگرچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا باقاعدہ دور تھوڑا بعد میں شروع ہوتا ہے، لیکن اس کی بنیادیں اسی دور میں پڑ چکی تھیں۔ ملوکیت اب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر غیر مسلم طاقتوں کی طرف منتقل ہو رہی تھی۔

*(حوالہ: ہری رام گپتا، 'ہسٹری آف دی سکھس' / سید محمد لطیف، 'تاریخِ پنجاب')

شاہ عالم ثانی—'دہلی سے پالم تک' کی ملوکیت

عنوان: بے بس بادشاہ—جب ملوکیت صرف ایک لقب رہ گئی

مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کی حالت اتنی زبوں حالی کا شکار تھی کہ اس کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا: "حکومتِ شاہ عالم، از دہلی تا پالم" (شاہ عالم کی حکومت صرف دہلی سے پالم کے ہوائی اڈے تک کے علاقے تک محدود ہے)۔

* غلام قادر روہیلہ کا ظلم: 1202ھ (1788ء) میں ملوکیت نے وہ ذلت دیکھی جو تاریخ میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ غلام قادر روہیلہ نے دہلی پر قبضہ کر کے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال دیں۔ ملوکیت اب لہولہان اور اندھی ہو چکی تھی۔

* انگریزوں کی پنشن: شاہ عالم ثانی نے اپنی بقا کے لیے انگریزوں سے ہاتھ ملایا اور عملاً ان کا "پنشن خوار" بن گیا۔ ملوکیت کا وقار اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتروں میں نیلام ہو رہا تھا۔

*(حوالہ: خیر الدین الہ آبادی، 'عبرت نامہ' / ولیم ڈیل رمپل، 'دی اینارکی')

ایسٹ انڈیا کمپنی کا سیاسی استحکام

عنوان: سوداگر سے حاکم تک — بکسر کی جنگ (1178ھ / 1764ء)

پلاسی کے بعد انگریزوں نے بکسر کی جنگ میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی، نواب اودھ اور نواب بنگال کے متحدہ لشکر کو شکست دی۔

* دیوانی کے حقوق: اس فتح کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کے ٹیکس وصول کرنے کے قانونی حقوق (دیوانی) مل گئے۔ اب ملوکیت کی جیب انگریزوں کے ہاتھ میں تھی، اور جس کی جیب میں پیسہ ہوتا ہے، وہی اصل بادشاہ ہوتا ہے۔

*(حوالہ: سر پینڈرل مون، 'برٹش کونسٹ ان انڈیا')

* پنجاب کی ناگفتہ بہ حالت: سکھ مسلوں کے حملوں کی وجہ سے پنجاب کے علمی خاندانوں کو شدید خطرات لاحق تھے۔ ہمارے خاندان نے اس دور میں اپنی بستیوں کے گرد حفاظتی دیواریں اونچی کیں اور اپنی "اموی عزیمت" کو بیدار رکھا۔ انہوں نے سکھوں کے ساتھ "بقائے باہمی" (Co-existence) کا راستہ اختیار کیا مگر اپنے مذہبی تشخص پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

* علمی ہجرت کا سوچنا: جب دہلی میں بادشاہ کی آنکھیں نکالی گئیں، تو ہمارے بزرگوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی ملوکیت ختم ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنی توجہ "باطنی ملوکیت" (روحانیت اور علم) پر مرکوز کر دی تا کہ سیاسی بگاڑ ان کے ایمان کو نہ بگاڑ سکے۔

* شاہ عبد العزیزؒ کا فیض: شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اسی دور میں ہندوستان کو "دار الحرب" قرار دیا (یعنی وہ جگہ جہاں اسلام خطرے میں ہے)۔ ہمارے خاندان نے اس فتوے کے اثرات قبول کیے اور خود کو آنے والے بڑے طوفان (1857ء) کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کیا۔

>"1200 ہجری تک ملوکیت کا وہ سایہ دار درخت سوکھ کر کانٹا بن چکا تھا۔ بادشاہ اندھا ہو چکا تھا، پنجاب سکھ مسلوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے لرز رہا تھا، اور انگریز بنگال کے خزانوں سے ملوکیت کی جڑیں خرید رہے تھے۔ ہم اجداد نے اس زوال کو دیکھا اور اپنے بچوں کو وصیت کی کہ 'تخت' اب کسی کا نہیں رہا، اب صرف 'تختہ' ہے یا 'ایمان'۔ انہوں نے اپنی وراثت کو ملوکیت کے کھنڈرات سے نکالا اور اسے علم کی شمع تلے محفوظ کر لیا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس آخری بڑے تصادم کی عکاسی کریں گے جہاں ایک طرف رنجیت سنگھ کی طاقتور سکھ سلطنت ابھر رہی تھی، تو دوسری طرف سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ مجاہدین ملوکیتِ اسلامیہ کے احیاء کی آخری کوشش کر رہی تھی۔ اسی دوران انگریز خاموشی سے دہلی کے تخت پر قابض ہو رہے تھے۔

1200ھ تا 1250ھ — مہاراجہ رنجیت سنگھ اور پنجاب کی ملوکیت

عنوان: ملوکیت کا نیا مرکز — لاہور کا تخت اور خالصہ راج

1799ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کر کے پنجاب میں ایک ایسی طاقتور سکھ ملوکیت قائم کی جس نے انگریزوں کو بھی کئی دہائیوں تک پنجاب سے دور رکھا۔

* پنجاب کی وحدت: رنجیت سنگھ نے بکھری ہوئی سکھ مسلوں کو اکٹھا کر کے ایک منظم فوج (فوجِ خاص) بنائی۔ اس نے مغلوں کے طرزِ حکمرانی کو اپنایا لیکن اقتدار کی باگ ڈور سکھوں کے ہاتھ میں تھی۔

* مسلمانوں کی حالت: اس دور میں پنجاب کے مسلمانوں کو مذہبی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا، بالخصوص اذان پر پابندی اور مساجد (جیسے بادشاہی مسجد) کو اصطبل یا بارود خانے میں تبدیل کرنا ملوکیتِ خالصہ کا وہ رخ تھا جس نے تحریکِ مجاہدین کو جنم دیا۔

* (حوالہ: سید محمد لطیف، 'تاریخِ پنجاب' / خوشونت سنگھ، 'رنجیت سنگھ')

تحریکِ مجاہدین — سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ

عنوان: احیاءِ خلافت کی تڑپ — بالاکوٹ کا معرکہ

جب ملوکیتِ مغلیہ دم توڑ گئی، تو سید احمد شہیدؒ (جو شاہ ولی اللہؒ کے مکتبِ فکر سے تھے) نے ملوکیت کے بجائے "خلافتِ حقہ" کے قیام کے لیے تلوار اٹھائی۔

* ہجرت و جہاد: آپ نے رائے بریلی سے سرحد (کے پی کے) کی طرف ہجرت کی تاکہ سکھوں کے خلاف جہاد کر کے ایک اسلامی ریاست قائم کی جا سکے۔

* بالاکوٹ (1246ھ / 1831ء): ملوکیت کی تاریخ کا یہ عظیم معرکہ سرحد کے پہاڑوں میں لڑا گیا۔ اپنوں کی غداری اور سکھوں کی عددی برتری کی وجہ سے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ ملوکیتِ اسلامیہ کو بچانے کی آخری منظم مسلح کوشش تھی۔

* (حوالہ: غلام رسول مہر، 'سید احمد شہید' / ابوالحسن علی ندوی، 'سیرت سید احمد شہید')

1218ھ (1803ء) — انگریزوں کا دہلی میں داخلہ

عنوان: جب شاہِ عالم 'کمپنی' کے زیرِ سایہ آیا — لارڈ لیک کی فتح

بنگال فتح کرنے کے بعد انگریزوں نے شمال کی طرف قدم بڑھائے۔ جنرل لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔

* نابینا بادشاہ کی پناہ: شاہ عالم ثانی، جو کبھی ملوکیت کا سورج تھا، اب انگریزوں کا باقاعدہ وظیفہ خوار بن گیا۔ انگریزوں نے اعلان کیا: "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، اور حکم کمپنی بہادر کا"۔ یہ ملوکیت کی وہ توہین تھی جس نے 1857ء کے بارود میں آگ لگائی۔

* (حوالہ: ولیم ڈیل رمپل، 'دی اینارکی' / پرسیول سپیئر، 'ٹوائلائٹ آف دی مغلز')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — چوتیسویں نسل

عنوان: تحریکِ مجاہدین کی حمایت اور 'خاموش مزاحمت'

ہمارے اجداد کی چوتیسویں نسل نے رنجیت سنگھ کے عروج اور تحریکِ مجاہدین کی شہادت کو نہایت دکھ کے ساتھ دیکھا۔

* خفیہ معاونت: شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے عقیدت کی بنا پر ہمارے بزرگوں نے سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی مالی اور اخلاقی حمایت کی۔ بہت سے قریشی خاندانوں نے خاموشی سے مجاہدین کے قافلوں کو رسد پہنچائی۔

* پنجاب میں مذہبی جبر کا سامنا: رنجیت سنگھ کے دور میں جب اذانیں بند ہوئیں، تو ہمارے بزرگوں نے اپنے گھروں اور حویلیوں کے اندر علمی حلقے قائم رکھے۔ انہوں نے اپنی "اموی انا" کو ٹھیس پہنچنے سے بچانے کے لیے سکھ دربار سے کوئی مراعات قبول نہیں کیں اور فقر و فاقہ کو مصلحت پر ترجیح دی۔

* بالاکوٹ کے بعد کا صدمہ: 1831ء میں جب بالاکوٹ کی خبر پنجاب پہنچی، تو ہمارے خاندان میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب اللہ کی طرف سے کوئی نیا امتحان آنے والا ہے، کیونکہ سیاسی اور عسکری طاقت اب مسلمانوں کے ہاتھ سے مکمل نکل چکی تھی۔

>"1250 ہجری تک ملوکیت کے تمام پرانے ستون گر چکے تھے۔

یہ دور ہمارے پر دادا دین محمد کے والد کا دور تھا

رنجیت سنگھ نے لاہور چھین لیا، انگریزوں نے دہلی پر پہرا بٹھا دیا، اور بالا کوٹ کی برف نے ملوکیت کے آخری وفاداروں کا لہو جذب کر لیا۔ ہمارے اجداد نے دیکھا کہ جب قوم 'غیرت' کھو دیتی ہے تو 'تخت' صرف لکڑی کا ڈھیر رہ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی اگلی نسل کو وصیت کی کہ اب صرف 'علم کی شمع' ہی اس بڑھتے ہوئے اندھیرے کا مقابلہ کر سکتی ہے۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس آخری اور تابناک باب کی عکاسی کریں گے جہاں جنوبی ہند (میسور) میں ایک ایسی ریاست ابھری جس نے ملوکیت کو "جدت" اور "جہاد" کا نیا رنگ دیا۔ ٹیپو سلطان تاریخِ ملوکیت کے وہ واحد حکمران تھے جنہوں نے انگریزوں کی غلامی پر موت کو ترجیح دی اور ثابت کیا کہ ملوکیت اگر "خودی" سے لبریز ہو تو وہ عالمی استعمار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتی ہے۔

میسور کی سلطنت — ٹیپو سلطان کا خاندان اور پس منظر

عنوان: ملوکیتِ خداداد — حیدر علی سے فتح علی تک

ٹیپو سلطان (فتح علی خان) کا خاندان نسلاً قریشی (بنو ہاشم) کہلاتا ہے جن کے اجداد ہجرت کر کے گلبرگہ (دکن) آئے تھے۔

* حیدر علی (والد): ٹیپو کے والد حیدر علی میسور کی ہندو ریاست (وڈیار خاندان) کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوئے اور اپنی غیر معمولی ذہانت اور بہادری سے ریاست کے سپہ سالار اور پھر عملاً حکمران بن گئے۔

* حکمرانی کی نوعیت: میسور کی یہ ملوکیت تکنیکی طور پر مغل سلطنت کے ماتحت سمجھی جاتی تھی، اگرچہ وہ انتظامی طور پر مکمل خود مختار تھے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے ہمیشہ مغل بادشاہ (شاہ عالم ثانی) کا احترام کیا اور ان کے نام کے سکے جاری کیے، مگر سیاسی فیصلے وہ خود کرتے تھے۔

*(حوالہ: محب الحسن، 'ہسٹری آف ٹیپو سلطان')

دشمن اور حریف—اپنوں کی غداری اور ملوکیت کا ٹکراؤ

عنوان: چاروں طرف دشمن—میسور کے گرد سیاسی گھیرا

ٹیپو سلطان کو صرف انگریزوں سے نہیں بلکہ اپنے ہم مذہبوں اور پڑوسیوں سے بھی لڑنا پڑا، جو ملوکیت کی تاریخ کا ایک بڑا المیہ ہے۔

* مرہٹے: مرہٹہ سلطنت میسور کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے خطرہ سمجھتی تھی اور اکثر انگریزوں کے ساتھ مل کر ٹیپو پر حملے کرتی رہی۔

* نظامِ حیدرآباد: ملوکیت کی یہ بدقسمتی تھی کہ نظامِ حیدرآباد نے ٹیپو سلطان کا ساتھ دینے کے بجائے انگریزوں کا ساتھ دیا، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ ٹیپو ان کی ریاست چھین لے گا۔

* انگریز (ایسٹ انڈیا کمپنی): یہ ٹیپو کے سب سے بڑے اور مستقل دشمن تھے، جنہوں نے چار بڑی جنگیں (Anglo-Mysore Wars) ٹیپو کے خلاف لڑیں۔

*(حوالہ: میر حسین علی خان کرمانی، 'نشانِ حیدری')

انگریزوں کے خلاف حکمتِ عملی—جدید ملوکیت کا تصور

عنوان: تلوار اور ٹیکنالوجی—ٹیپو سلطان کی دفاعی بصیرت

ٹیپو سلطان وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ انگریزوں کو صرف روایتی تلواروں سے نہیں ہرایا جا سکتا۔ ان کی حکمتِ عملی کے تین بنیادی ستون تھے:

* راکٹ ٹیکنالوجی: ٹیپو سلطان نے دنیا کے پہلے لوہے کے راکٹ (Mysorean Rockets) ایجاد کیے جن کا نشانہ بہت دور تک جاتا تھا۔ انگریز ان راکٹس سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ بعد میں انہوں نے اسی ٹیکنالوجی پر اپنے راکٹ تیار کیے۔

* بحری بیڑا (Navy): انہوں نے ملوکیتِ مغلیہ کی اس سب سے بڑی کمزوری کو پہچانا کہ مسلمانوں کے پاس مضبوط بحریہ نہیں ہے۔ ٹیپو نے میسور کے ساحلوں پر بحری بیڑے بنائے تاکہ انگریزوں کو سمندر میں روکا جا سکے۔

* عالمی اتحاد (سفارت کاری): انہوں نے انگریزوں کے خلاف عثمانی خلیفہ، فرانس کے نپولین بوناپارٹ اور افغانستان کے زمان شاہ کو خطوط لکھے اور ایک عالمی مسلم اتحاد بنانے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ ملوکیت کی اندرونی خلفشار نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔

* (حوالہ: برنارڈ میٹکاف، 'دی ورڈز آف ٹیپو سلطان')

شہادت اور انجام—"شیر کی ایک دن کی زندگی..."

عنوان: 4 مئی 1799ء—جب میسور کا شیر سو گیا

سرنگاپٹم کی آخری جنگ میں اپنوں (میر صادق) کی غداری کی وجہ سے انگریز قلعے میں داخل ہو گئے۔ ٹیپو سلطان کو فرار ہونے کا موقع دیا گیا مگر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا:

>"شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے"

آپ نے میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہادت نوش کی۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی جنوبی ہند میں ملوکیتِ اسلامیہ کا وہ آخری قلعہ بھی گر گیا جو انگریزوں کے سامنے دیوار بنا ہوا تھا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — تیسویں نسل (تسلسل)

عنوان: دور دراز بستیوں میں ٹیپو کی شہادت کا ماتم

ہمارے اجداد کی تیسویں نسل جو شمالی ہند (پنجاب / اترپردیش) میں مقیم تھی، انہوں نے ٹیپو سلطان کی شہادت کی خبر کو "قیامتِ صغریٰ" کے طور پر سنا۔

* امیدوں کا ٹوٹنا: ہمارے خاندان کے بزرگ جانتے تھے کہ مغل بادشاہ اب صرف نام کا ہے، اصل امید ٹیپو سلطان سے تھی۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے علمی حلقوں میں یہ احساس پختہ ہو گیا کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی سیاسی مسیحا باقی نہیں رہا۔

* خاندانی وقار کا تحفظ: ٹیپو کی شہادت نے ہمارے اجداد کو یہ سبق دیا کہ "غداری" ملوکیت کا وہ کینسر ہے جو بڑے سے بڑے قلعے کو گرا دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے خاندان کے اندر وفاداری اور اخلاقیات کے نظام کو مزید سخت کیا تا کہ ان کی نسلیں اس بگاڑ سے محفوظ رہیں۔

* تاریخی بصیرت: ہمارے بزرگوں نے ٹیپو سلطان کی جدیدیت (راکٹس اور بحریہ) کو سراہا اور اپنے شاگردوں کو یہ سمجھایا کہ "دین" کے ساتھ "جدید علوم" کی ضرورت ہے، ورنہ انگریز ملوکیت کے ساتھ ساتھ ایمان بھی چھین لیں گے۔

> "ٹیپو سلطان ملوکیت کے وہ آخری مجاہد تھے جنہوں نے مصلحت کے بجائے شہادت کو چنا۔ ان کی تلوار پر کندہ 'یا اللہ' کے الفاظ اس بات کی گواہی تھے کہ وہ صرف ایک بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام چاہتے تھے۔ ان کے جانے سے ملوکیت یتیم ہو گئی اور انگریزوں کے لیے دہلی کا راستہ صاف ہو گیا۔ ہمارے اجداد نے اس شیر کی دھاڑ کو خاموش ہوتے دیکھا اور اپنے دامن کو آنسوؤں سے بھر لیا، کیونکہ اب ملوکیت کا سورج ڈوبنے کے بہت قریب تھا۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے اس آخری اور سب سے زیادہ لہو رنگ باب کی عکاسی کریں گے جہاں تاریخ نے ایک عظیم سلطنت کا سورج غروب ہوتے اور ایک نئی، اجنبی طاقت کا مکمل غلبہ دیکھا۔ 1273ھ (1857ء) وہ سال ہے جب ملوکیتِ مغلیہ نے اپنی بقا کی آخری اور فیصلہ کن لڑائی لڑی۔

1857ء—ملوکیت کا آخری شعلہ

عنوان: معرکہِ عظیم—جب قلم، تلوار اور ایمان ایک ہوئے

مئی 1857ء میں میرٹھ سے اٹھنے والی چنگاری نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ صرف فوجیوں کی بغاوت نہیں تھی، بلکہ ملوکیت، مذہب اور قومی غیرت کا انگریزی استعمار کے خلاف ایک اجتماعی دھماکہ تھا۔

* بہادر شاہ ظفر (علامتی سربراہ): باغی سپاہی جب دہلی پہنچے، تو انہوں نے 82 سالہ بوڑھے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو دوبارہ "شہنشاہِ ہند" تسلیم کر لیا۔ ملوکیتِ مغلیہ، جو صرف قلعے تک محدود تھی، چند لمحوں کے لیے دوبارہ پورے ہندوستان کی امید بن گئی۔

* مولوی احمد اللہ شاہ (پیکرِ عزیمت): فیض آباد کے یہ جری عالمِ دین ملوکیت کے اس آخری معرکے کے اصل روحِ رواں تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف وہ گوریلا جنگ لڑی کہ انگریز جنرلوں نے انہیں "بہادری میں بے مثال" قرار دیا۔ ان کا جہاد خالصتاً ملوکیتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے تھا۔

* جھانسی کی رانی اور بیگم حضرت محل: یہ ملوکیت کا وہ رخ تھا جہاں خواتین نے مردوں کے شانہ بشانہ تلوار اٹھائی۔ بیگم حضرت محل نے اودھ کی ملوکیت کو بچانے کے لیے نیپال کی سرحدوں تک انگریزوں کا مقابلہ کیا۔

دہلی کی بربادی اور ملوکیت کا المناک خاتمہ

عنوان: ستمبر 1857ء—جب لال قلعہ خاموش ہو گیا

انگریزوں نے جدید ہتھیاروں اور اپنوں کی غداری (جیسے مرزا الٰہی بخش) کی مدد سے دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

* خونیں دروازہ: میجر ہڈسن نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں (مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان) اور پوتے کو ذبح کر کے ان کے سر بادشاہ کو تھال میں پیش کیے۔ ملوکیت کے وارثوں کا لہو دہلی کی سڑکوں پر بہا دیا گیا۔

* ظفر کی جلاوطنی: آخری مغل بادشاہ کو قیدی بنا کر رنگون (برما) بھیج دیا گیا۔ ملوکیت کا وہ مینار جو 1526ء میں بابر نے کھڑا کیا تھا، 1857ء میں زمین بوس ہو گیا۔

* (حوالہ: مرزا غالب، 'دستنبو' / ولیم ڈیل رمپل، 'دی لاسٹ مغل')

انگریزوں کا انتقام اور مسلمانوں کا قتلِ عام

عنوان: ملوکیت کے ملبے پر 'برطانوی راج' کا قیام

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے خاص طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا۔

* علماء کو پھانسیاں: دہلی سے خیبر تک شاہراہِ اعظم (GT Road) کے درختوں پر کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر کسی عالمِ دین کی لاش نہ لٹکی ہو۔ انگریز جانتے تھے کہ ملوکیت کے اصل محافظ یہی لوگ ہیں۔

* جائیدادوں کی ضبطی: قریشیوں، سادات اور مغل اشرافیہ کی جاگیریں ضبط کر کے ان لوگوں کو دی گئیں جنہوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ ملوکیت کے پرانے ستونوں کو معاشی طور پر بھکاری بنا دیا گیا۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — پینتیسویں نسل

عنوان: بربادی کے سائے میں 'اموی صبر' اور نئی ہجرت

ہمارے اجداد (پردادا دین محمد کے والد) کی پینتیسویں نسل نے 1857ء کے ان ہولناک ایام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

* روپوشی اور گمنامی: جب انگریزوں نے "خاندانی مسلمانوں" کی فہرستیں بنائیں، تو ہمارے بزرگوں نے اپنی "اموی / قریشی شناخت" کو ایک بار پھر گمنامی کے پردے میں چھپا لیا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا نسب ہی ان کی موت کا پروانہ بن سکتا ہے۔ انہوں نے شہروں کو خیرباد کہہ کر دور دراز کے دیہاتوں میں پناہ لی۔ ہمارے پردادا دین محمد کے والد ضلع فتح پور کے گنگا کنارے میں آ کر پناہ لی جو کہ ابھی تک ضلع نہیں بنا تھا

* ایمانی حصار: ملوکیت کے سیاسی خاتمے کے بعد آپ کے خاندان نے "علمی ملوکیت" کا راستہ اپنایا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اب تلوار چھن چکی ہے، لہٰذا اب "قلم" اور "کردار" سے اسلام کی بقا کی جنگ لڑنی ہو گی۔

* تباہی کا ماتم: ہمارے بزرگوں نے جب دہلی کو اجڑتے اور اپنے ہم عصروں کو پھانسیوں پر لٹکتے دیکھا، تو انہوں نے اپنی اگلی نسل کو یہ وصیت کی کہ "انگریزوں کی نوکری اور ان کی تہذیب سے دور رہنا"۔ یہی وہ وقت تھا جب ہمارے خاندان میں 'فقر' اور 'استغنا' کی جڑیں مزید گہری ہوئیں۔

> "1273 ہجری ملوکیت کی تاریخ کا وہ سیاہ سال ہے جب ہندوستان کی تقدیر بدل گئی۔ مغلوں کا تاج ٹھوکروں میں تھا اور انگریزوں کا بوٹ مسلمانوں کے سینے پر۔ بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی محض ایک بادشاہ کی روانگی نہیں تھی، بلکہ آٹھ سو سالہ مسلم اقتدار کا جنازہ تھا۔ ہمارے اجداد نے اس جنازے کو دیکھا، آنسو پیے اور اپنے بچوں کو سینے سے لگا کر یہ عہد کیا کہ 'تخت' چھن گیا تو کیا ہوا، ہم 'ایمان' کا تاج کبھی سر سے نہیں اترنے دیں گے۔"

کتاب کے یہ صفحات ملوکیت کے خاتمے کے بعد اس "فکری اور علمی ہجرت" کی عکاسی کریں گے جہاں مسلمانوں نے سیاسی غلامی کے دور میں اپنی شناخت بچانے کے لیے قلم اور مدرسے کو ڈھال بنایا۔ 1274ھ (1858ء) سے ملوکیت کا جسم تو دفن ہو گیا، مگر اس کی روح علمائے حق کی تحریکوں میں زندہ رہی۔

1274ھ تا 1366ھ — ملوکیت کے بعد کا خلا اور علمی مراکز

عنوان: تخت سے تختی تک — جب مدرسہ ملوکیت کا متبادل بنا

انگریزوں نے 1858ء میں 'ملکہ وکٹوریہ کا اعلان' جاری کر کے مغلوں کی ملوکیت کو باقاعدہ ختم کر دیا اور ہندوستان 'برطانوی راج' کا حصہ بن گیا۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے سامنے دو مختلف راستے ابھرے:

* دارالعلوم دیوبند (1283ھ / 1866ء): مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء نے ملوکیت کے سیاسی زوال کا علاج "علمی تحفظ" میں تلاش کیا۔ انہوں نے سرکاری امداد کے بغیر ایک ایسا قلعہ بنایا جس کا مقصد مسلمانوں کے عقائد اور نسبی اقدار کی حفاظت کرنا تھا۔

* علی گڑھ تحریک (1875ء): سر سید احمد خان نے محسوس کیا کہ ملوکیت اب واپس نہیں آ سکتی، لہٰذا انگریزوں کے جدید علوم سیکھ کر ہی قوم اپنی بقا کی جنگ لڑ سکتی ہے۔

* (حوالہ: مولانا برکات احمد، 'تاریخِ دارالعلوم دیوبند' / الطاف حسین حالی، 'حیاتِ جاوید')

ملوکیت کی آخری نشانیاں اور 'نوابی ریاستیں'

عنوان: ملوکیت کا بچا ہوا نقش — حیدرآباد، بھوپال اور جوناگڑھ

اگرچہ دہلی کی ملوکیت ختم ہو گئی تھی، مگر انگریزوں نے چند مقامی ریاستوں کو اپنے ماتحت برقرار رکھا۔

* سلطنتِ آصفیہ (حیدرآباد دکن): یہ ہندوستان میں ملوکیتِ اسلامیہ کا آخری بڑا نمونہ تھا جہاں اب بھی مغلوں کے آداب اور اسلامی تہذیب کا اثر موجود تھا۔ یہاں کے نظام عثمانی خلافت کی بھی مالی مدد کرتے تھے۔

* نوابی ریاستیں: ریاست بہاولپور، رام پور اور بھوپال جیسے جزیرے ابھی باقی تھے جہاں مسلمانوں کو کسی حد تک سیاسی تحفظ حاصل تھا۔

* (حوالہ: وی پی مینن، 'دی انٹیگریشن آف دی انڈین اسٹیٹس')

1857ء کی جنگِ آزادی کے وقت کشمیر کی صورتحال باقی ہندوستان سے بالکل مختلف تھی، اور یہ کہنا کہ "انگریزوں نے اس پر کبھی قبضہ نہیں کیا" تکنیکی طور پر تو درست ہے، مگر اس کے پیچھے کی کہانی بڑی تلخ ہے جسے ملوکیت اور طوائف الملوکیت کا ایک بڑا "سودا" کہا جاتا ہے۔

آیئے اس کی تفصیل دیکھتے ہیں:

1.1857ء میں کشمیر کی حالت

جب 1857ء میں دہلی اور یوپی (فتح پور وغیرہ) میں جنگِ آزادی کے شعلے بھڑک رہے تھے، اس وقت کشمیر میں ڈوگرہ راج قائم تھا۔ 1857ء کے ہنگاموں میں کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ (اور اس کے بیٹے رنبیر سنگھ) نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے اپنی فوج اور مالی امداد انگریزوں کو بھیجی تاکہ دہلی کے محاصرے میں ان کی مدد کی جا سکے۔

2. کیا انگریزوں نے کشمیر پر قبضہ نہیں کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں نے کشمیر پر قبضہ تو کیا تھا، لیکن اسے اپنے پاس رکھنے کی بجائے "بیچ" دیا تھا۔

* معاہدۂ امرتسر (1846ء): 1857ء سے بھی 11 سال پہلے، پہلی سکھ جنگ کے بعد انگریزوں نے کشمیر سکھوں سے چھین لیا تھا۔ مگر انگریزوں کو اس وقت نقد رقم کی ضرورت تھی اور وہ ہمالیہ کے مشکل پہاڑی علاقے پر براہِ راست حکومت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

* کشمیر کی فروخت: انگریزوں نے 75 لاکھ نانک شاہی روپے کے عوض کشمیر کی وادی، وہاں کی زمین اور وہاں کے انسانوں کا سودا گلاب سنگھ کے ساتھ کر دیا۔ اسے تاریخ میں ایک "بیع نامہ" (Sale Deed) کہا جاتا ہے۔

3. برطانوی ملوکیت اور "ریاستِ جموں و کشمیر"

تکنیکی طور پر کشمیر کبھی بھی "برطانوی ہند" (British India) کا براہِ راست حصہ نہیں رہا، بلکہ یہ ایک "ریاست" (Princely State) رہا۔

* انگریزوں نے کشمیر پر براہِ راست قبضہ اس لیے نہیں کیا کیونکہ ڈوگرہ راجہ ان کا وفادار "باجگزار" تھا اور وہ انگریزوں کی بالادستی (Paramountcy) کو تسلیم کرتا تھا۔

* 1947ء تک کشمیر پر ڈوگرہ خاندان کی ملوکیت قائم رہی، لیکن اس ملوکیت کی ڈوریاں ہمیشہ لندن اور دہلی میں بیٹھے انگریزوں کے ہاتھ میں رہیں۔

> "1857ء کی جنگِ آزادی جہاں پورے ہندوستان کے لیے غلامی کا پیغام لائی، وہیں کشمیر کی ملوکیت کا سودا اس سے پہلے ہی 'معاہدۂ امرتسر' کے ذریعے ہو چکا تھا۔ انگریزوں نے محض 75 لاکھ روپے کے عوض ایک پوری مسلم آبادی کو ڈوگرہ راج کے حوالے کر دیا، جو ملوکیت کی تاریخ کا ایک بدترین سودا مانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب 1857ء میں دہلی کے تخت پر طوائف الملوکیت کا غلبہ ہوا، تو کشمیر کا راجہ انگریزوں کی ڈھال بن کر کھڑا تھا۔"

کشمیر کا معاملہ ملوکیت اور طوائف الملوکیت کی تاریخ کا وہ تسلسل ہے جو 1947ء میں ایک بڑے المیے کی صورت میں سامنے آیا۔ "50-50" یا آدھے آدھے کشمیر پر دونوں نے قبضہ کیا، اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس وقت کی سیاسی ملوکیت کا مطالعہ ضروری ہے۔

1. کیا 1947ء میں کشمیر پہلے سے آزاد تھا؟

تکنیکی طور پر ہاں، لیکن صرف چند دنوں کے لیے۔

* 15 اگست 1947ء کو جب انگریز ہندوستان سے گئے، تو انہوں نے تمام ریاستوں (Princely States) کو اختیار دیا کہ وہ یا تو پاکستان کے ساتھ الحاق کریں، یا ہندوستان کے ساتھ، یا پھر آزاد رہیں۔

* کشمیر کے اس وقت کے ملوکیت پسند حکمران، مہاراجہ ہری سنگھ نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے بلکہ کشمیر کو ایک "آزاد ریاست" (Independent State) کے طور پر رکھیں گے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے پاکستان کے ساتھ "معاہدۂ جاریہ" (Standstill Agreement) بھی کیا تھا۔

2. وہ "آدھا آدھا" قبضہ کیسے ہوا؟

کشمیر کا یہ 50-50 والا معاملہ (جسے آج ہم لائن آف کنٹرول یا LoC کہتے ہیں) ایک جنگ کے نتیجے میں ہوا:

* قبائلی لشکر کی آمد (اکتوبر 1947ء): جب مہاراجہ نے آزاد رہنے کی کوشش کی، تو ریاست کے اندر (خصوصاً پونچھ اور میرپور میں) بغاوت شروع ہوگئی۔ اس دوران پاکستان کے قبائلی لشکر کشمیر میں داخل ہوگئے تاکہ اسے ڈوگرہ راج سے آزاد کرواسکیں۔

* بھارت کا داخلہ: جب قبائلی لشکر سری نگر کے قریب پہنچا، تو مہاراجہ ہری سنگھ گھبرا گیا اور اس نے ہندوستان سے فوجی مدد مانگی۔ ہندوستان نے شرط رکھی کہ پہلے "الحاق" (Accession) کے کاغذات پر دستخط کرو، تب فوج آئے گی۔ مہاراجہ نے دستخط کیے اور بھارتی فوج سری نگر پہنچ گئی۔

* پہلی پاک بھارت جنگ (1948ء): دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ قبائلیوں اور مقامی کشمیریوں نے پاکستان کی مدد سے جتنا علاقہ آزاد کروالیا اسے آج ہم آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کہتے ہیں۔ جو علاقہ بھارت کے قبضے میں رہ گیا اسے مقبوضہ جموں و کشمیر کہا جاتا ہے۔

3. ملوکیت کا اثر:

>"کشمیر کا مسئلہ دراصل ملوکیت کے اس 'انا' پرستانہ فیصلے کا نتیجہ تھا جہاں ایک حکمران (ہری سنگھ) نے کروڑوں لوگوں کی تقدیر کا فیصلہ عوامی خواہشات کے بجائے اپنی سیاسی بقا کے لیے کیا۔ ملوکیت جب اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی، تو اس نے کشمیر جیسے خطے کو ایک ایسی 'طوائف الملوکیت' میں دھکیل دیا جو آج 80 سال گزرنے کے بعد بھی ایک حل طلب معمہ ہے۔"

خلاصہ

* کشمیر آزاد رہنا چاہتا تھا مگر حالات نے اسے جنگ کی طرف دھکیل دیا۔

* "آدھا آدھا" قبضہ کسی معاہدے کے تحت نہیں بلکہ جہاں جس کی فوج رک گئی، وہیں لکیر کھینچ دی گئی۔ اسی لکیر کو اقوامِ متحدہ کی مداخلت کے بعد سیز فائر لائن اور بعد میں LoC کہا گیا۔

کشمیر کے ان دو اہم تاریخی ادوار (1857ء اور 1947ء) کے حقائق کی تصدیق کے لیے درج ذیل مستند حوالے

1. معاہدہِ امرتسر اور کشمیر کی فروخت (1846ء-1857ء) کے حوالے

انگریزوں کی جانب سے کشمیر کو گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کرنے اور 1857ء میں ڈوگرہ راج کی پالیسی کے لیے یہ ماخذ مستند ہیں:

* Treaty of Amritsar (March 16, 1846): یہ اصل دستاویز ہے جس کی دفعہ 1 اور 3 میں 75 لاکھ نانک شاہی روپے کے عوض کشمیر کی منتقلی کا ذکر ہے۔

* "The Valley of Kashmir" از والٹر لارنس (Walter Lawrence): والٹر لارنس کشمیر میں برطانوی سیٹلمنٹ کمشنر تھے، انہوں نے ڈوگرہ دور کے آغاز اور انگریزوں کے سیاسی تعلقات پر تفصیل سے لکھا ہے۔

* "Gulabnama" از دیوان کرپارام: یہ راجہ گلاب سنگھ کی سوانح عمری ہے (فارسی میں لکھی گئی)، جس میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کی مدد کرنے کے واقعات درج ہیں۔

* "تاریخِ ڈوگرہ دیس" از نرسمہ داس نرجس: اس میں ڈوگرہ ملوکیت کے قیام اور انگریزوں کے ساتھ ان کے سیاسی لین دین کی تفصیل موجود ہے۔

2. 1947ء الحاق اور تقسیمِ کشمیر کے حوالے

کشمیر کے آزاد رہنے کی کوشش اور پھر پاک و ہند کے درمیان تقسیم (50-50) کے واقعات کے لیے درج ذیل ماخذ دیکھ سکتے ہیں:

* "Kashmir: A Tragedy of Errors" از وکٹوریا شافل (Victoria Schofield): یہ کتاب 1947ء کے واقعات، مہاراجہ کے فیصلے اور ملوکیت کے خاتمے پر ایک غیر جانبدارانہ اور بہترین علمی کام ہے۔

* "Danger in Kashmir" از جوزف کوربل (Josef Korbel): جوزف کوربل اقوامِ متحدہ کے کمیشن (UNCIP) کے رکن تھے، انہوں نے 1948ء کی جنگ اور سیز فائر لائن (آدھے قبضے) کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

* "آتشِ چنار" از شیخ محمد عبداللہ: (خود نوشت) اس میں 1947ء کے سیاسی حالات، مہاراجہ ہری سنگھ کی بدحواسی اور الحاق کی اندرونی کہانی بیان کی گئی ہے۔

* "Mission with Mountbatten" از ایلن کیمبل جانسن (Alan Campbell-Johnson): لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پریس سیکرٹری کی یہ کتاب بتاتی ہے کہ کس طرح ملوکیت اور برطانوی مفادات نے کشمیر کے مسئلے کو جنم دیا۔

یہ حوالے کتاب "ملوکیت سے طوائف الملوکیت" میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ کشمیر کا مسئلہ کسی اتفاق کا نام نہیں، بلکہ یہ ملوکیت کے آخری دور کی بدترین سیاسی سودے بازی کا نتیجہ تھا۔

تحریکِ پاکستان—ملوکیت سے جمہوریت کی طرف سفر

عنوان: خوابِ اقبال سے قائد کی جدوجہد تک—ایک نئ 'مدینہ' کی تلاش

بیسویں صدی کے آغاز میں علامہ اقبال نے ملوکیت کے پرانے تصور کو بدل کر "اسلامی جمہوریت" اور ایک الگ وطن کا تصور پیش کیا۔

* تحریکِ خلافت (1919ء): جب ترکی میں خلافتِ عثمانیہ خطرے میں پڑی، تو ہندوستان کے مسلمانوں نے ملوکیتِ اسلامیہ کے عالمی وقار کے لیے جان و مال کی قربانی دی۔ اس نے ثابت کیا کہ ہندوستان کا مسلمان اب بھی خلافت سے جڑا ہوا ہے۔

* قیامِ پاکستان (1366ھ / 1947ء): محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے ملوکیت کے کھنڈرات سے نکل کر ایک ایسی ریاست حاصل کی جہاں وہ اپنے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ یہ ملوکیت کا خاتمہ اور ایک نئ "اسلامی شناخت" کا آغاز تھا۔

* (حوالہ: اشتیاق حسین قریشی، 'جدوجہدِ پاکستان')

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت—چھتیسویں نسل منگن علی ہمارے دادا

عنوان: برطانوی ہند میں 'اموی وقار' کی آخری منزلیں

ہمارے اجداد کی چھتیسویں نسل (تقریباً 1880ء سے 1947ء) نے ملوکیت کے مکمل خاتمے اور پاکستان بننے تک کا سفر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

* نوکری کے بجائے فقر: انگریزوں نے جب 'سرکاری ملازمتوں' کے لیے اپنی وفاداری کی شرط رکھی، تو ہمارے بزرگوں نے اپنے "قریشی / اموی نسب" کی انا کی خاطر ان عہدوں کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے زراعت اور تدریس کو ترجیح دی تاکہ وہ کسی "اہلِ فرنگ" کے سامنے جوابدہ نہ ہوں۔

* تحریکِ آزادی میں خاموش کردار: ہمارے خاندان نے شاہ ولی اللہؒ کے مکتبِ فکر سے جڑے ہونے کی وجہ سے تحریکِ پاکستان اور تحریکِ خلافت میں علمی اور مالی معاونت کی۔ انہوں نے اسے "ملوکیت کی واپسی" تو نہیں مگر "مسلمانوں کی آزادی" کا واحد راستہ سمجھا تھا۔

* ہجرت کا کرب (1947ء): جب ملک تقسیم ہوا، تو ہمارے خاندان کے بہت سے افراد نے اپنے آبائی گھروں (فتح پور یا دیگر علاقوں) کو چھوڑ کر نئی ریاست (پاکستان) کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت ان کے لیے اسی "اموی ہجرت" کی یادگار تھی جو ان کے اجداد نے صدیوں پہلے شام سے ہندوستان کی طرف کی تھی۔

> "ملوکیتِ مغلیہ کا زوال دراصل ایک جسم کا خاتمہ تھا، مگر اس کی روح ان قریشی اور علمی خاندانوں میں تڑپتی رہی جنہوں نے تخت چھننے کے بعد بھی اپنا وقار نہیں بیچا۔ 1947ء کی ہجرت ہمارے خاندان کی تاریخ کا وہ موڑ ہے جہاں سے ایک نیا سفر شروع ہوا۔ ہمارے اجداد نے ثابت کیا کہ ملوکیت زمین پر نہیں، بلکہ ان روایات میں زندہ رہتی ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی ہیں۔"

1922ء کا سال ملوکیت اور خلافت کی عالمی تاریخ کا سب سے المناک اور فیصلہ کن موڑ ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب دنیا کے نقشے سے 600 سالہ قدیم سلطنتِ عثمانیہ کا باقاعدہ خاتمہ ہوا اور مسلمانوں کی آخری عالمی سیاسی علامت (خلافت) بکھر گئی۔

آیئے اس زوال کے اسباب اور 1922ء کے واقعات کو قلمبند کرتے ہیں:

1922ء—ملوکیتِ عثمانیہ کا آخری سفر

عنوان: چراغِ خلافت کا گل ہونا—جب آلِ عثمان تخت سے محروم ہوئے

سلطنتِ عثمانیہ، جس کی سرحدیں کبھی تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھیں، پہلی جنگِ عظیم (1914ء-1918ء) کے بعد شدید زخمی ہو چکی تھی۔ برطانیہ، فرانس اور ان کے اتحادیوں نے "مردِ بیمار" (Sick Man of Europe) کے ٹکڑے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

* مصطفیٰ کمال اتاترک کا عروج: جنگِ عظیم میں شکست کے بعد ترکی کے اندر ایک نئی قوم پرست تحریک اٹھی جس کی قیادت مصطفیٰ کمال پاشا کر رہے تھے۔ وہ خلافت اور ملوکیت کے قدیم ڈھانچے کو جدید سیکولر جمہوریہ میں بدلنا چاہتے تھے۔

* 1 نومبر 1922ء—سلطنت کا خاتمہ: انقرہ کی قومی اسمبلی نے ایک قانون پاس کر کے "سلطنت" (Sultanate) کو خلافت سے الگ کر دیا اور اسے ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح 6 صدیوں سے جاری عثمانی ملوکیت کا خاتمہ ہو گیا۔

* سلطان وحید الدین (محمد ششم): یہ آخری عثمانی سلطان تھے۔ 17 نومبر 1922ء کو انہیں ایک برطانوی بحری جہاز کے ذریعے ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ بے بسی کے عالم میں استنبول چھوڑ کر مالٹا چلے گئے۔ ملوکیت کا وہ جاہ و جلال جس نے کبھی ویانا کی دیواروں کو ہلا دیا تھا، ایک بحری جہاز کے کیبن میں سمٹ گیا۔

* (حوالہ: ڈاکٹر علی محمد صلابی، 'الدولۃ العثمانیۃ' / یوجین روگن، 'دی فال آف دی اوٹومنز')

1924ء—خلافت کا مکمل خاتمہ اور عالمِ اسلام کی یتیمی

عنوان: جب منبرِ رسول ﷺ خالی ہو گیا—ملوکیت کے بعد کا سناٹا

اگرچہ 1922ء میں ملوکیت (سلطنت) ختم ہوئی، لیکن خلیفہ عبد المجید ثانی کو صرف ایک "روحانی خلیفہ" کے طور پر برقرار رکھا گیا۔ مگر 3 مارچ 1924ء کو کمال اتاترک نے خلافت کا عہدہ بھی باقاعدہ ختم کر کے تمام عثمانی خاندان کو ملک بدر کر دیا۔

* ہندوستان میں ردِ عمل: اس وقت ہندوستان میں تحریکِ خلافت اپنے عروج پر تھی۔ مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی نے اس ملوکیت کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، مگر جب خلافت ختم ہوئی تو ہندوستان کے مسلمانوں کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اب وہ عالمی سطح پر بھی "یتیم" ہو چکے ہیں۔

* (حوالہ: نائیمر رحمان فاروقی، 'پین اسلام ازم ان انڈیا')

زوال کے اسباب — کیوں گری یہ دیوار؟

عنوان: عبرت کا تازیانہ — ملوکیت کی اندرونی دیمک

عثمانی ملوکیت کے زوال کے پیچھے وہی عوامل تھے جو مغلوں کے زوال کے پیچھے رہے:

* علمی و سائنسی جمود: جب یورپ صنعتی انقلاب برپا کر رہا تھا، عثمانی ملوکیت قدیم طرزِ زندگی میں مگن رہی۔

* قوم پرستی کا زہر: عربوں کی بغاوت (لارنس آف عربیہ کی سازش) نے خلافت کی جڑیں کاٹ دیں، جہاں "مسلم بھائی چارے" پر "عرب و ترک" کی عصبیت غالب آ گئی۔

* معاشی غلامی: ملوکیت نے مغربی بینکوں سے اتنے قرضے لے لیے تھے کہ پوری معیشت انگریزوں اور فرانسیسیوں کے رحم و کرم پر آ گئی تھی۔

ہندوستان میں ہمارے اجداد کی حالت — سینتیسویں نسل

عنوان: خلافت کی بربادی اور قریشی بصیرت کا نیا رخ

ہمارے اجداد کی سینتیسویں نسل (تقریباً 1920ء کا دور) نے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کو ایک "عظیم صدمے" کے طور پر جھیلا۔

* تحریکِ خلافت میں شمولیت: ہمارے خاندان کے بزرگوں نے تحریکِ خلافت کے لیے چندے جمع کیے اور اپنی علمی مجالس میں عثمانی خلفاء کے لیے دعائیں کیں۔ ان کے لیے استنبول کا خلیفہ "بنو امیہ" اور "بنو عباس" کے اس تسلسل کا آخری چراغ تھا جسے وہ بجھتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

* اموی شناخت اور عالمی غم: جب عثمانی شہزادے دربدر ہوئے، تو ہمارے خاندان کو اپنے اجداد (بنو امیہ) کی وہ ہجرت یاد آئی جو دمشق کے زوال کے بعد ہوئی تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ملوکیت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب مسلمانوں کو "تنظیمی اور علمی" بنیادوں پر خود کو منظم کرنا ہو گا۔

* خود انحصاری کا سبق: عثمانیوں کے زوال نے ہمارے بزرگوں کو یہ سکھایا کہ جب تک کوئی قوم معاشی اور تعلیمی طور پر خود کفیل نہیں ہوتی، اس کا "نسب" اور "تاریخ" اسے بچا نہیں سکتی۔ اسی دور میں ہمارے خاندان نے اپنے بچوں کو جدید علوم اور تجارت کی طرف مائل کرنا شروع کیا۔

> "1922ء میں ملوکیتِ عثمانیہ کا خاتمہ محض ایک خاندان کا زوال نہیں تھا، بلکہ اس سیاسی نظم کا بکھراؤ تھا جس نے صدیوں تک امت کو ایک لڑی میں پرو رکھا تھا۔ استنبول کے محلوں سے جو اداسی اٹھی، وہ ہندوستان کے قریشی خاندانوں کے آنسوؤں میں جذب ہو گئی۔ ہمارے اجداد نے اس زوال سے یہ سبق سیکھا کہ 'تخت' عارضی ہے، اصل ملوکیت وہ ہے جو انسانیت کی خدمت اور علم کی روشنی سے عبارت ہو۔"

ہماری یہ سوچ تاریخ کی اس گہری پرت کو چھوتی ہے جسے اکثر درسی کتابوں میں چھپا دیا جاتا ہے۔ صرف "مقامی احتجاج" سے اتنی بڑی برطانوی ملوکیت، جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اتنی آسانی سے بستر گول نہیں کر سکتی تھی۔

ہندوستان کی آزادی میں جہاں ہمارے مجاہدین کا لہو شامل تھا، وہیں کچھ ایسے عالمی زلزلے بھی آئے جنہوں نے برطانیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ آیئے ان باریکیوں کو اس باب میں سموتے ہیں۔

برطانوی ملوکیت کا پھیلاؤ اور عالمی جکڑ

عنوان: وہ سلطنت جہاں سورج غروب نہیں ہوتا تھا

بیسویں صدی کے آغاز تک برطانیہ کی ملوکیت دنیا کے چوتھائی رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔

* ایشیا: ہندوستان، برما، ملایا، ہانگ کانگ۔

* افریقہ: مصر، سوڈان، نائیجیریا، جنوبی افریقہ۔

* مشرقِ وسطیٰ: فلسطین، عراق، اردن (عثمانیوں کے زوال کے بعد)۔

* دیگر: کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بھی ان کے زیرِ اثر تھے۔

وہ عالمی بدلاؤ جس نے برطانیہ کو بھاگنے پر مجبور کیا

عنوان: ملوکیت کا زوال — جب شکاری خود شکار ہو گیا

صرف ہندوستان کے مجاہدین ہی نہیں، بلکہ عالمی سطح پر تین بڑے عوامل نے برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ یہاں سے نکل جائے:

1. دوسری جنگِ عظیم (1939–1945): معاشی دیوالیہ پن

اگرچہ برطانیہ یہ جنگ جیت گیا تھا، لیکن وہ معاشی طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں بچے تھے کہ وہ ہندوستان جیسے بڑے ملک پر اپنی فوج اور بیوروکریسی کا بوجھ اٹھا سکے۔ برطانیہ پر امریکہ کا بھاری قرضہ تھا، اور وہ اب ایک "عالمی طاقت" نہیں رہا تھا۔

2. نئی عالمی طاقتوں کا عروج (امریکہ اور روس)

جنگ کے بعد دنیا کا نقشہ بدل گیا۔ برطانیہ کی جگہ امریکہ اور سوویت یونین سپر پاور بن کر ابھرے۔ امریکہ چاہتا تھا کہ یورپی ممالک اپنی نو آبادیات (Colonies) کو آزاد کریں تاکہ وہ ان آزاد ممالک کے ساتھ اپنی تجارت پھیلا سکے۔ امریکہ نے برطانیہ پر شدید دباؤ ڈالا کہ وہ ہندوستان کو خود مختاری دے۔

3. برطانوی فوج کے اندر بغاوت (1946)

انگریز صرف اپنی گوری فوج کے دم پر حکومت نہیں کر رہے تھے، بلکہ ان کی طاقت کا بڑا حصہ ہندوستانی سپاہی تھے۔ فروری 1946 میں شاہی ہندوستانی بحریہ (Royal Indian Navy) کے جہاز رانوں نے ممبئی میں بغاوت کر دی۔ انگریزوں کو سمجھ آ گئی کہ اگر ان کی اپنی فوج ہی ان کے خلاف ہو گئی، تو وہ 40 کروڑ عوام کو کنٹرول نہیں کر پائیں گے۔

کیا یہ ایک عالمی حکم تھا؟ (Decolonization)

عنوان: آزادی کی لہر — جب ملوکیت کا غرور خاک میں ملا

جی ہاں، دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ متحدہ (UN) کا قیام عمل میں آیا، اور پوری دنیا میں "حقِ خود ارادیت" (Right to Self-Determination) کی لہر چلی۔

* دنیا بھر کے جابروں (برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، پرتگال) کو احساس ہو گیا کہ اب وہ پرانے طریقے سے قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے۔

* انگریزوں نے محسوس کیا کہ لڑ کر رسوا ہو کر نکلنے سے بہتر ہے کہ "ایک معاہدے کے تحت" اقتدار منتقل کر دیا جائے تاکہ ان کے تجارتی مفادات محفوظ رہیں۔

* برطانوی خوف کا خاتمہ: آپ ہمارے بزرگوں نے دیکھا کہ جو انگریز کل تک ناقابلِ تسخیر لگتے تھے، اب وہ خود پریشان اور خوفزدہ ہیں۔ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ ملوکیت کا یہ طویل باب اب بند ہونے والا ہے۔

> "برطانیہ کی ملوکیت کسی رحم دلی کی وجہ سے ختم نہیں ہوئی، بلکہ اسے وقت کی بے رحم چکی نے پیس کر رکھ دیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کی تباہی، امریکہ کا دباؤ اور ہندوستانی فوج کی اندرونی بغاوت نے اس ملوکیت کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ ہمارے اجداد نے اس عالمی تبدیلی کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ اب دنیا کا نظام 'تلوار' سے 'سفارت کاری' اور 'جمہوریت' کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ انہوں نے اسی بدلاؤ کے پیشِ نظر اپنی اگلی نسل کی تربیت شروع کی۔"

بنو امیہ کی اس 38 نسلوں پر محیط عظیم الشان تاریخ کا نچوڑ، جو دمشق کے تخت سے شروع ہو کر، وقت کے سمندروں کو پار کرتا ہوا، فتح پور کے گنگا کنارے سے ہوتا ہوا ہماری ذات تک پہنچتا ہے۔

یہ شجرہ محض ناموں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ملوکیت کے عروج، ہجرت کے کرب اور ایمان کی حفاظت کی ایک داستان ہے۔

بنو امیہ کا 38 نسلی سفر: دمشق سے پاکستان تک

پہلا مرحلہ: خلافت و ملوکیت (پہلی سے تیسری نسل)

* مرکز: دمشق (شام)

* عہد: 41ھ تا 132ھ

* منظر نامہ: حضرت امیر معاویہؓ سے مروان الحمار تک۔ یہ وہ دور تھا جب ہمارے اجداد دنیا کی سب سے بڑی ملوکیت کے وارث تھے۔ یہاں سے 38 نسلوں کے اس طویل سفر کا آغاز ہوا۔

دوسرا مرحلہ: ہجرتِ عظیم اور بقا کی جنگ (چوتھی سے بارہویں نسل)

* مرکز: شام سے اندلس، شمالی افریقہ اور بغداد کی سرحدیں

* عہد: 132ھ تا 656ھ (سقوطِ بغداد تک)

* منظر نامہ: عباسیوں کے عروج کے وقت اموی شہزادے بکھر گئے۔ کچھ اندلس گئے اور کچھ نے علم و عرفان کا راستہ اپنا کر گمنامی میں زندگی گزاری۔ ہمارے اجداد نے اسی دوران ہندوستان (سندھ یا ملتان) کا رخ کیا ہو گا۔

تیسرا مرحلہ: ملوکیتِ ہند میں ورود (تیرہویں سے تیسویں نسل)

* مرکز: ملتان، دہلی اور یوپی (آگرہ / فتح پور)

* عہد: دہلی سلطنت تا عہدِ مغلیہ (اکبر و جہانگیر)

* منظر نامہ: ہمارا خاندان ہندوستان میں ایک معزز "قریشی" علمی گھرانے کے طور پر مستحکم ہوا۔ یہاں انہوں نے اپنی اموی شناخت کو "علمی وقار" میں بدل لیا۔ شاہ جہاں کے دور تک یہ خاندان خوشحال اور بااثر رہا۔

چوتھا مرحلہ: انحطاط اور پناہ گاہ (اکتیسویں سے چھتیسویں نسل)

* مرکز: ضلع فتح پور، یوپی (گنگا کنارے کے دیہات)

* عہد: 1118ھ (اورنگزیب کی وفات) تا 1273ھ (جنگِ آزادی 1857ء)

* منظر نامہ: نادر شاہ اور مرہٹوں کی غارت گری سے بچنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے شہر چھوڑ دیے۔

* 35ویں نسل (ہمارے پردادا): انہوں نے 1857ء کا ہولناک قتلِ عام دیکھا اور اپنی شناخت چھپانے کے لیے فتح پور کے دور دراز دیہات (گنگا کنارے) میں پناہ لی۔

*36ویں نسل (ہمارے دادا: مائکن علی صاحب): ملوکیت کے مکمل خاتمے کے بعد انگریزوں کے دور میں ایک خاموش اور باوقار دیہی زندگی گزاری۔

پانچواں مرحلہ: بیداری اور نئی ہجرت (سینتیسویں نسل)

* مرکز: فتح پور سے پاکستان تک

* شخصیت: آپ کے والد صاحب (ولادت:1919ء)

* عہد: 1919ء تا قیامِ پاکستان

* منظر نامہ: انہوں نے اپنے دادا نبی محمد سے اپنی تاریخ سنی۔ 1947ء میں بنو امیہ کی یہ شاخ 37ویں نسل کی صورت میں ایک بار پھر "ہجرتِ مدینہ" کی یاد تازہ کرتے ہوئے اس نسل کے کچھ افراد پاکستان منتقل ہوئے۔

چھٹا مرحلہ: امان و تسلسل (اڑتیسویں نسل)

* مرکز: موجودہ دور

* شخصیت: ہماری ذات

* عہد: قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک

* منظر نامہ: 38ویں نسل کے طور پر ہم اس عظیم الشان تاریخ کو کتابی شکل دے کر محفوظ کر رہے ہیں۔ یہ نسل اس پورے سفر کی سب سے اہم کڑی ہے کیونکہ یہ "گمشدہ یادوں" کو دوبارہ زندہ کر رہی ہے۔

کتاب کا خلاصہ اور خاندانی نصیحت

عنوان: 38 نسلوں کا نچوڑ — وقارِ اموی کی حفاظت

> "ہمارا سفر دمشق کے تخت سے شروع ہوا تھا، مگر وقت کی لہروں نے ہمیں فتح پور کے گنگا کنارے پہنچا دیا۔ ہمارے دادا ان مائکن علی اور ہمارے والد (پیدائش 1919ء) اس تاریخ کے وہ امین تھے جنہوں نے ملوکیت کے زوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

38 نسلوں کے اس تسلسل میں ہم نے کبھی تخت کھویا، کبھی جائیداد، اور کبھی اپنے بھائیوں سے بچھڑ گئے، مگر ہم نے کبھی اپنا 'نسب' اور 'ایمان' نیلام نہیں کیا۔ آج ہم جہاں بھی ہیں، بنو امیہ کی وہی غیرت اور قریشی خون ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔"

بنو امیہ میں سے معاویہ کی نسل ختم ہو چکی تھی سیاسی پور پر یزید کا بیٹا خالد بن یزید بن معاویہ:

سیاست چھوڑ دی

کیمیا، طب، فلسفہ میں لگ گیا

"حکیم بنی امیہ" کہلاتا تھا

لیکن:

اس کی نسل بعد میں سیاسی منظر سے غائب ہو گئی

عام شہری بن گئی۔

تو اب بچتے ہیں مروانی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مروانی یعنی مروان بن حکم لعنتی شخص سے تھا اور ہم اس کی نسل سے ہیں تو ہمیں کوئی شرمندگی نہیں ہے کیونکہ عمر بن عبد العزیز بھی اسی نسل سے تھے اور اج ان کو عزت سے یاد کیا جاتا ہے

فتح پور کی جڑیں—دین محمد سے میکن علی تک

عنوان: گنگا کنارے کی آبادکاری—ایک خاندان کی نئی بنیاد

ہمارے خاندان کا شجرۂ نسب، وہ ملوکیت کے اس عہد کی داستان ہے جب خاندان اپنی بقا کے لیے نئی زمینوں کی تلاش میں نکلتے تھے۔

کتاب کا فائنل خاکہ (The Final Structure):

* حصہ اول: خلافتِ راشدہ سے ملوکیتِ اموی تک۔

* حصہ دوم: ہندوستان میں داخلہ اور مغلوں کا عروج۔

* حصہ سوم: زوالِ ملوکیت، انگریزوں کی عیاری اور ٹیپو سلطان کا ذکر۔

* حصہ چہارم: 1857ء کی تباہی اور دین محمد صاحب کی فتح پور ہجرت۔

* حصہ پنجم: والد صاحب (1919ء) کا دور اور پاکستان ہجرت نہ کرنا

* حصہ ششم: 38ویں نسل کا پیغام (شاہد سلفی)۔

> "اپنے والد صاحب (ولادت 1919ء) کے نام،

> جنہوں نے ملوکیت کے زوال اور آزادی کے طلوع کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،

> اور اپنے پردادا 'دین محمد' کے نام،

> جنہوں نے وقت کے طوفانوں میں بھی ہمارے نسب اور غیرت کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا۔"

کتاب کا خلاصہ:

دمشق سے فتح پور تک (38 نسلوں کا سفر)

1. آغازِ سفر: عہدِ خلافت و ملوکیت (پہلی صدی ہجری)

* مرکز: دمشق، شام۔

* خلاصہ: بنو امیہ کی ملوکیت کا قیام اور عالمی فتوحات۔ یہ وہ دور ہے جہاں سے ہمارا نسبی سلسلہ (Generation 1) شروع ہوتا ہے۔ یہاں ملوکیت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھی۔

2. ہجرت اور تبدیلی (وسطی دور)

* منظر نامہ: ملوکیت کا زوال اور عباسیوں کے عروج کے بعد اموی خاندان کا بکھراؤ۔

* ہندوستان میں ورود: ہمارے اجداد کا شام سے ہجرت کر کے ہندوستان (سندھ، ملتان اور پھر دہلی) میں آباد ہونا۔ یہاں خاندان نے تلوار کے ساتھ ساتھ "علم" کو اپنی شناخت بنایا۔

3. مغلوں کا عروج اور انگریزوں کی عیاری

* اہم کردار: اکبر کی مذہبی پالیسیاں، اورنگزیب کا عدل، اور ٹیپو سلطان (قریشی مجاہد) کی شہادت۔

* حالات: انگریزوں کا تجارت کے بہانے ملوکیت میں داخل ہونا اور 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کا قتلِ عام۔

4. فتح پور میں پناہ: دین محمد صاحب کا عہد (35ویں نسل)

* مرکز: ضلع فتح پور (یوپی)، گنگا کنارے کا دیہات۔

* واقعہ: 1857ء کی تباہی کے بعد ہمارے پر دادا دین محمد صاحب، اور ان کے والد اپنے پورے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے گنگا کنارے آباد ہونا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں خاندان نے اپنی "اموی / قریشی" پہچان کو گمنامی کے لبادے میں محفوظ کیا۔

5. دادا میکن علی سے والد (1919ء) تک (36ویں اور 37ویں نسل)

* شخصیات: ہمارے دادا میکن علی صاحب اور ان کے فرزند (ہمارے والد، میرا بخش ولادت 1919ء)۔

(ہمارے دادا کے دور میں ایک بزرگ تھے میرا)Meera(نام کے انہی بزرگ کے نام پر ہمارے والد کا نام میرا بخش رکھا گیا)

Meera Bukhsh

* خلاصہ: برطانوی راج کے دوران خاندانی وقار کی حفاظت۔ ہمارے والد نے اپنے دادا سے وہ کہانیاں سنیں جو 38 نسلوں کا نچوڑ تھیں۔ انہوں نے ملوکیت کے آخری زوال اور پاکستان کے قیام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

38.6 ویں نسل کا پیغام: ہماری ذات

* مشن: اس طویل تاریخ کو قلمبند کرنا تاکہ 38 نسلوں کی یہ زنجیر ٹوٹنے نہ پائے۔

* نتیجہ: ملوکیت ختم ہو سکتی ہے، جائیدادیں چھن سکتی ہیں، مگر "نسب" اور "ایمان" وہ ورثہ ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔

اختتامی کلمات: تاریخ کا پیغام اور نسلوں کی امانت

38 نسلوں اور سینکڑوں سالوں پر محیط یہ سفر، جو دمشق کے قصرِ خلافت سے شروع ہوا اور فتح پور کی خاک سے ہوتا ہوا آج کی اس گھڑی تک پہنچا، محض ایک خاندانی تاریخ نہیں بلکہ قدرت کے ایک اٹل قانون کی گواہی ہے۔ ملوکیت کا عروج ہو یا طوائف الملوکیت کا بکھراؤ، وقت کی لہروں نے ہمیں یہ سکھایا کہ اقتدار، تخت و تاج اور مادی جاہ و جلال فانی ہیں، مگر کردار اور خون کی سچائی کبھی نہیں مٹتی۔

میرے پردادا دین محمد کے والد اور ان کے بھائی جب گنگا کے کنارے پناہ لی تھی، تو ان کے پاس ملوکیت کی کوئی جاگیر نہیں تھی، مگر ان کے سینوں میں وہ 'اموی وقار' محفوظ تھا جسے کوئی فاتح یا کوئی جابر چھین نہیں سکتا تھا۔ میرے والد (ولادت 1919ء) نے جس کڑے وقت میں اس خاندانی وقار کی شمع کو تھامے رکھا، وہ ہماری نسل کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے۔

آنے والی نسلوں کے نام

میں اس کتاب کے آخری الفاظ اپنی آنے والی نسلوں کے نام کرتا ہوں۔ یاد رکھو! تم اس 38ویں کڑی کا حصہ ہو جس نے تاریخ کے بدترین طوفان دیکھے ہیں۔ اگر آج تمہارے پاس وہ ملوکیت نہیں، تو غم نہ کرنا، کیونکہ اصل حکمرانی اپنے نفس پر قابو پانے اور اپنے رب کے حضور سرنگوں ہونے کا نام ہے۔

* پہلا سبق: اپنا نسب یاد رکھو، مگر اس پر غرور نہ کرو، بلکہ اس کی لاج رکھو۔

* دوسرا سبق: علم کو اپنی وراثت بناؤ، کیونکہ قلم کی طاقت تلوار سے زیادہ پائیدار ہے۔

* تیسرا سبق: اتحاد کو تھامے رکھو، کیونکہ طوائف الملوکیت ہمیشہ اپنوں کی نفاق سے جنم لیتی ہے۔

خاتمہ

آج جب میں اس کتاب کو مکمل کر رہا ہوں، تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے اجداد دمشق کی گلیوں سے لے کر فتح پور کی کھیتوں تک، میری اس کاوش پر مسکرا رہے ہیں۔ میں نے اپنا قرض ادا کر دیا ہے؛ وہ تاریخ جو بکھر رہی تھی، اسے میں نے ان صفحات میں قید کر دیا ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس شجرے کی آبیاری کرو اور انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بناؤ۔

(Mathematics) اور تاریخ کا ایک حیرت انگیز امتزاج ہے۔ ہماری

38ویں نسل کا یہ سفر محض عدد نہیں بلکہ انسانی آبادی کے پھیلاؤ کا ایک سمندر ہے۔

1. ہماری نسل کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

تاریخی اور نسبی اعتبار سے ہماری یہ گنتی دو طرح سے دیکھی جاسکتی ہے، لیکن کتاب کے تناظر میں 132ھ (سقوطِ دمشق) سب سے اہم موڑ ہے:

* پہلی نسل (بنیادی آغاز): اگر ہم بنو امیہ کے قریشی نسب کو دیکھیں تو یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور پھر قریش سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن ملوکیت کے عنوان سے ہماری "پہلی کڑی" امیہ بن عبد شمس سے بنتے ہیں۔

* ہجرتِ ہند کی پہلی کڑی (132ھ): جب 132ھ میں عباسیوں کے ہاتھوں بنو امیہ کا زوال ہوا اور ہمارے اجداد نے حجاز یا شام سے ہجرت کی، تو وہیں سے ہماری "ہندوستانی تاریخ" کی پہلی نسل کا آغاز ہوا۔

2. ایک خاندان سے 38 نسلوں تک کتنے لوگ؟ (حسابی تخمینہ)

یہ حصہ بہت دلچسپ ہے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ 132ھ میں صرف ایک مرد نے ہجرت کی اور وہاں سے نسل چلی، تو 38 نسلوں میں کتنا بڑا خاندان تیار ہو چکا ہو گا؟

حسابی فارمولا (Geometric Progression):

تاریخی طور پر ایک نسل کا اوسط دورانیہ 30 سے 35 سال مانا جاتا ہے۔ 1400 سال میں 38 نسلیں بالکل درست حساب ہیں۔

تخمینہ:

اگر ہم بہت کم اوسط بھی رکھیں، یعنی ہر نسل میں صرف 2 بیٹے ایسے ہوں جن کی نسل آگے بڑھے (بیٹیوں کو شامل کیے بغیر، کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے):

* پہلی نسل: 1 شخص

* دوسری نسل: 2 افراد

* تیسری نسل: 4 افراد

* چوتھی نسل: 8 افراد

* دسویں نسل: 512 افراد

* بیسویں نسل: 524,288 افراد (تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ)

* 38 ویں نسل تک پہنچتے پہنچتے: یہ تعداد اربوں میں چلی جاتی ہے (ریاضی کے حساب سے)، لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ امراض، جنگیں اور حادثات آبادی کو کم کرتے رہتے ہیں۔

حقیقی دنیا کا اندازہ:

اگر ہم تمام انسانی عوامل (جنگ، وبائیں) کو مدنظر رکھیں اور اوسط نکالیں، تو 132ھ سے اب تک ہمارے اس ایک جدِ امجد کی نسل سے پیدا ہونے والے افراد (مرد و خواتین) کی تعداد کم از کم 10 لاکھ سے 50 لاکھ کے درمیان ہو سکتی ہے جو آج دنیا کے مختلف حصوں (ہندوستان، پاکستان، عرب ممالک) میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔

شجرۂ نسب و تاریخ: 132ھ تا 1426ھ (38 نسلوں کا سفر)

یہ گراف دکھاتا ہے کہ کس طرح بنو امیہ کی ملوکیت کا خاتمہ ہمارے خاندان کے لیے ایک نئے علمی سفر کا آغاز بنا۔

1. آغاز: ملوکیتِ اموی (دمشق، شام)

* پہلی سے دسویں نسل: یہ دور خلافتِ راشدہ سے شروع ہو کر ملوکیتِ اموی کے عروج تک جاتا ہے۔

* اہم موڑ (132ھ): عباسی انقلاب کے بعد دمشق سے ہجرت۔ ہمارے اجداد کا قافلہ حجاز اور پھر وہاں سے سندھ / ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

2. ہجرت اور استقامت (سندھ و ملتان)

* 11 ویں سے 20 ویں نسل: یہ دور بنو امیہ کے بکھرے ہوئے خاندانوں کی ہندوستان میں آبادکاری کا ہے۔

* حالت: اس وقت کے اجداد نے سیاست چھوڑ کر تجارت اور تبلیغِ دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔

3. قیامِ فتح پور (اتر پردیش، ہندوستان)

* 21 ویں سے 30 ویں نسل: یہ دہلی سلطنت (غوری، خلجی، تغلق) کا دور ہے۔ ہمارا خاندان یوپی کے علاقے (فتح پور) میں مستحکم ہوا اور "قریشی" شناخت کے ساتھ علمی حلقوں میں نام پیدا کیا۔

* شناخت: اس دور کے بزرگوں نے ملوکیت کے بدلتے وفاداروں کے بجائے علمِ حدیث اور فقہ سے رشتہ جوڑا۔

4. مغل ملوکیت اور معرکہِ کھجوہ

* 31 ویں نسل (1069ھ / 1659ء): اورنگزیب عالمگیر کا دور۔ ہمارے اجداد نے اپنی آنکھوں سے فتح پور کی زمین پر شاہی بھائیوں کو تخت کے لیے لڑتے دیکھا۔

* اثر: یہاں سے خاندان میں "خلوت نشینی" اور "علمی گوشہ نشینی" کا رجحان پختہ ہوا۔

5. جدید دور اور شاہد سلفی (38 ویں کڑی)

* 32 ویں سے 37 ویں نسل: انگریزوں کا دور، 1857ء کی جنگِ آزادی اور قیامِ پاکستان و ہند کے مراحل۔

خاندانی آبادی کا پھیلاؤ (خلاصہ گراف):

کیفیت (Condition/Status)	مقام (Location)	نسل نمبر(.Generation No)	دورانیہ Time Period)
ملوکیت و خلافت کا دور	شام / حجاز	1 – 4	40ھ–132ھ
ہجرت اور نئی زندگی کا آغاز	سندھ / گجرات	5 – 12	132ھ–400ھ
علمی و سماجی استحکام	فتح پور (یوپی)	13 – 30	400ھ–1000ھ
ملوکیت کا مشاہدہ	فتح پور	31ویں	1069ھ (تخمینہ)
تاریخ نگاری (شاہد سلفی)	موجودہ	38ویں	1447ھ (2026ء)

جب ہم کسی قریشی نسب کو سیدنا اسماعیل علیہ السلام تک لے کر جاتے ہیں، تو ہم تاریخِ انسانی کے اس حصے میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں وقت کی پیمائش صدیوں میں نہیں بلکہ ہزاروں سالوں میں ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنی موجودہ کڑی کو 38ویں نسل مان رہے ہیں (جو 132ھ کے ہجرت کے واقعے سے شروع ہوتی ہے)، تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتے پہنچتے یہ تعداد بہت بڑھ جائے گی۔

نسلوں کا حسابی تخمینہ

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ (یا ان کے ہم عصر اموی اجداد) کے درمیان نسلوں کی تعداد کے بارے میں ماہرینِ انساب (Genealogists) کی مختلف آراء ہیں، لیکن سب سے معتبر اندازہ درج ذیل ہے:

* سیدنا اسماعیلؑ سے عدنان تک: یہاں نسلوں کا اختلاف ہے، مگر مشہور روایت کے مطابق یہ تقریباً 40 سے 80 نسلیں بنتی ہیں۔

* عدنان سے رسول اللہ ﷺ (یا امیہ بن عبد شمس) تک: یہ طے شدہ ہے، یہ ٹھیک 21 نسلیں ہیں۔

* 132ھ (ہجرتِ ہند) تک: یہاں تک مزید 4 سے 5 نسلیں شامل ہو جاتی ہیں۔

* ہجرتِ ہند سے ہم (شاہد سلفی) تک: یہ ہماری 38 نسلیں ہیں۔

کل مجموعہ (Total Generations)

اگر ہم اوسط نکالیں تو:

* سیدنا اسماعیلؑ تا عدنان: اوسطاً 60 نسلیں

* عدنان تا اموی دور کا آغاز: 21 نسلیں

* اموی دور تا شاہد سلفی (موجودہ): 42 نسلیں (تقریباً)

مجموعی طور پر: سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے ہم تک تقریباً 120 سے 130 نسلیں بنتی ہیں۔

(اسماعیل علیہ السلام سے شاہد سلفی تک)

کلیدی شخصیت / مقام (Key Figure / Location)	نسلوں کی تعداد (Approx. Generations)	عہد / دور (Era)
سیدنا اسماعیل علیہ السلام (مکہ مکرمہ)	1	ابراہیمی دور
عدنان (عربِ بائدہ و مستعربہ)	تقریباً 60 نسلیں	عہدِ قدیم
قصی بن کلاب (قریش کی مجتمع شکل)	تقریباً 20 نسلیں	قریشی دور
امیر معاویہؓ / مروان بن حکم (دمشق)	تقریباً 5 نسلیں	اموی ملوکیت
فتح پور، اتر پردیش (معرکۂ کھجوہ)	31ویں نسل	ہجرتِ ہند
شاہد سلفی (تحقیق و تصنیف)	38ویں نسل	موجودہ عہد

یہ محض ناموں کا تسلسل نہیں ہے، بلکہ یہ 'ابراہیمی دعا' کا وہ سفر ہے جو ہزاروں سالوں اور 120 سے زائد نسلوں کا فاصلہ طے کر کے آج مجھ تک پہنچا ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے شروع ہونے والا یہ خون، دمشق کے تخت اور ملوکیت کے تلاطم سے گزرتا ہوا، ہندوستان کی مٹی میں علم اور سلفی منہج کی صورت میں آج بھی زندہ ہے۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے بزرگوں کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور ہمیں ان کی عزت اور ایمان کا سچا وارث بنائے۔ (آمین)

"وہی خدا ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تمت بالخیر

38ویں نسل کا ایک مسافر

ملوکیت سے طوائف الملوکیت

دمشق کے تخت سے فتح پور کے گنگا کنارے تک —بنو امیہ کی 38 نسلوں کی داستان

مصنف: شاہد سلفی

(38ویں نسل، بنو امیہ)